خیرآبادی سلسلۂ علم وفضل کے احوال وآثار

خیرآبادیات

اسید الحق قادری بدایونی

خیرآبادی سلسلۂ علم وفضل کے احوال وآثار

خیرآبادیات

اسید الحق قادری بدایونی

ناشر
تاج الفحول اکیڈمی بدایوں شریف

سلسلۂ مطبوعات (72)

khairabadeyat

By : Usaidul haq qadri

عنوان کتاب : خیرآبادیات
مصنف : اسیدالحق قادری بدایونی
طبع اول : ۲۰۱۱ء/۱۴۳۲ھ

مصنف سے رابطے کے لیے

Madrsa Alia Qadria, Maulvi Mahalla,
Budaun-243601 (U.P.) India
Phone : 0091-9358563720 - Email:qadriusaid@yahoo.com

Distributor	*Publisher*
Maktaba Jaam-e-Noor 422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6	**Tajul Fuhool Academy** Budaun

انتساب

سلسلۂ خیرآباد کے عناصر اربعہ

شمس العلما مولانا عبدالحق خیرآبادی

تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی

استاذ الاساتذہ مولانا ہدایت اللہ رامپوری

اور

مولانا فیض الحسن سہارنپوری

کی علمی عظمتوں

کے نام

فہرست مشمولات

فضل حق، فضل رسول اور آزردہ
89.....102

علامہ فضل حق خیر آبادی اور حافظ محمد علی خیر آبادی
103.....104

علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی
105.....139

علامہ فضل حق کے بارے میں بعض بے بنیاد روایتیں
140.....161

علامہ فضل حق خیر آبادی اور سید حیدر علی ٹونکی

علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی

علامہ فضل حق خیر آبادی کے علمی معرکے

مولانا عبد الحق خیر آبادی اور ان کے تلامذہ کے علمی معرکے

لطائف خیرآباد
217.....220

انڈمان کا ایک سفر
221.....222

خیرآبادیات پر تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی کام
223.....235

اظہاریہ

استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی کی وفات جزیرہ انڈمان میں اگست ۱۸۶۱ء میں ہوئی، اس حساب سے اگست ۲۰۱۱ء میں علامہ کی وفات کو ڈیڑھ سو سال مکمل ہو رہے ہیں، یہ اطلاع مجھے مولانا یٰسین اختر مصباحی نے نومبر ۲۰۱۰ء میں ایک ملاقات کے دوران دی، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ اس موقع پر علامہ کی یاد منانے کا ایک جامع منصوبہ تیار کر رہے ہیں، انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم بھی اس موقع پر کچھ لکھو یا بدایوں میں کسی تقریب کا اہتمام کرو، بعد میں مولانا خوشتر نورانی نے جام نور کا خصوصی شمارہ نکالنے کا عزم ظاہر کیا، تو میں نے سوچا کہ اسی خصوصی شمارے کے لیے کوئی تفصیلی مضمون لکھ دوں گا، جو میری اور مدرسہ قادریہ کی طرف سے علامہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت ہو جائے گا، لہٰذا ''علامہ فضل حق خیرآبادی کے علمی معرکے'' کے عنوان سے ایک مضمون کا ذہن بنایا، شروع میں اندازہ تھا کہ یہ مضمون جام نور کے ۱۰/۱۲ صفحات میں مکمل ہو جائے گا، لیکن جب مضمون کے خاکے کو ذہن سے کاغذ پر منتقل کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ مضمون طویل ہو جائے گا، پھر اسی دوران مولانا یٰسین اختر مصباحی اور مولانا خوشتر نورانی سے گفتگو ہوئی تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ جب کام کر ہی رہے ہو تو باقاعدہ تفصیلی کام کرو تا کہ ایک مکمل کتاب کی شکل بن جائے، میں نے حضرت اقدس والد گرامی سے اجازت لی اور کام کی تکمیل کے لیے دعاؤں کی درخواست کے ساتھ مارچ ۲۰۱۱ء کے وسط میں کام شروع کیا، اور اب جولائی کے آخری ہفتے میں اللہ کے فضل سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔

لفظ'' خیرآبادیات ''سب سے پہلے میں نے نادم سیتا پوری کے ایک مضمون میں پڑھا تھا، لفظ پسند آیا، کتاب کے مندرجات سے مطابقت بھی تھی اس لیے اسی کو میں نے کتاب کے عنوان کے لیے منتخب کر لیا۔

خیرآبادیات کے سلسلہ میں باغی ہندوستان، حکیم محمود احمد برکاتی کی تصانیف اور مفتی انتظام اللہ شہابی کی تحریریں بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہیں، ان کتابوں کے بعد (کچھ مقالات ومضامین کے استثنا کے ساتھ) جو کچھ بھی لکھا گیا وہ عموماً انہیں کی روشنی میں لکھا گیا اور خیرآبادیات کے سلسلہ میں کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ کرسکا، ڈاکٹر قمرالنساصاحبہ کی پی.ایچ.ڈی کا عربی مقالہ اس معنی میں اہمیت رکھتا ہے کہ وہ علامہ پر پہلی پی.ایچ.ڈی ہے، ورنہ مقالے کا زیادہ تر حصہ باغی ہندوستان میں بہم کی گئی معلومات پر مشتمل ہے، اس کے بعد یونیورسٹیز کے وہ مقالے جو علامہ کی عربی شاعری یا کلامی وفلسفیانہ نظریات کو موضوع بنا کر لکھے گئے ان سے کچھ نئے گوشے ضرور سامنے آئے ہوں گے، مگر یہ مقالے عام اہل علم وقلم کی دسترس میں نہیں آسکے، ۲۰۰۱ء میں ڈاکٹر سلمہ سیہول (پاکستان) کی کتاب ''علامہ محمد فضل حق خیرآبادی'' منظر عام پر آئی، اس کتاب نے باغی ہندستان پر قدرے اضافہ کیا، ساتھ ہی مصنفہ نے متانت اسلوب اور تحقیقی منہج کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا، ڈاکٹر سلمہ سیہول کا دوسرا کارنامہ علامہ کے عربی دیوان کی ترتیب وتعلیق ہے، جس پر انہیں پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی گئی، خیرآبادیات کے باب میں اس دیوان کو ایک قابل قدر اور اہم اضافہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

میں نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ خیرآبادیات کے سلسلہ میں اب تک دستیاب شدہ معلومات میں کچھ اضافہ کرسکوں، اس کتاب میں آپ کچھ ایسے مباحث، واقعات، شخصیات اور کتب ورسائل کا ذکر پائیں گے جو شاید اس سے پہلے روشنی میں نہیں آسکے ہیں، مثال کے طور پر علامہ کی مفتی سعداللہ مرادآبادی، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی اور مفتی صدرالدین آزردہ کے ساتھ قلمی معرکہ آرائی کی تفصیلات غالباً پہلی مرتبہ منظر عام پر آرہی ہیں، شاہ اسماعیل دہلوی اور سید حیدر علی ٹونکی سے علامہ کے اختلاف اور مناقشات کا تذکرہ تو بہت ہوا ہے، مگر تاریخی ترتیب کے ساتھ تحقیقی انداز میں اس پر کم لکھا گیا ہے، میں نے اس اختلاف کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے، جس سے بہت سے نئے پہلو سامنے آئے ہیں۔ اگر کچھ مشہور ومعروف مباحث اور واقعات کا ذکر کتاب میں کیا گیا ہے تو یا تو انہیں کسی نئے زاویہ سے پیش کیا گیا ہے، یا پھر ان پر بعض شکوک وشبہات ہوں گے جن کا ازالہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

علامہ کے مجاہدانہ کردار پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، بلکہ زیادہ اسی پر لکھا گیا ہے جس کے نتیجے میں علامہ کی کتاب حیات کے بہت سے اوراق پردہ خفا میں رہ گئے، دوسرے یہ کہ اس موضوع پر مولانا خوشتر نورانی تحقیقی کام کر رہے ہیں انہوں نے اس سلسلہ میں بہت سے نئے گوشے تلاش کیے ہیں، ان کی یہ کتاب عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے، اسی لیے میں خوشتر کے حق میں دستبردار ہو گیا اور علامہ کی زندگی کے اس گوشہ پر کچھ نہیں لکھا۔ علامہ کی عربی شاعری پر بھی اردو اور عربی دونوں زبانوں میں کافی لکھا جا چکا ہے، اس لیے اس گوشہ کو بھی میں نے نہیں چھیڑا، البتہ ضمناً کہیں بعض قصائد کا ذکر آ گیا ہے۔ علامہ کی کتاب زندگی کا ایک اہم ورق مرزا غالبؔ کے نام ہے، ان دونوں حضرات کے تعلقات و روابط پر لوگوں نے کافی لکھا ہے، اس موضوع پر مستقل مقالے اور مضامین شائع ہو چکے ہیں، پہلے میرا ارادہ تھا کہ اس موضوع کو بھی کتاب میں شامل کر لوں مگر جب مطالعہ کیا تو کوئی نئی بات سامنے نہیں آئی، پامال شدہ واقعات کا اعادہ کتاب اور قاری دونوں کے ساتھ زیادتی ہے، لہٰذا میں نے اس زیادتی کا ارتکاب نہیں کیا۔

اردو کتاب کے متن میں عربی و فارسی عبارتیں ایک اردو داں قاری کے لیے غیر ضروری ہوتی ہیں کیوں کہ وہ صرف عبارت کا اردو ترجمہ پڑھتا ہے، اگر عربی فارسی عبارتیں طویل ہوں تو مطالعہ کے تسلسل کو بھی متاثر کرتی ہیں، مگر تحقیقی نقطہ نظر سے بعض جگہ اردو ترجمے کے ساتھ اصل عربی یا فارسی عبارت نقل کرنا ضروری ہوتا ہے، بالخصوص اختلافی مسائل میں، کیونکہ ایک محقق براہ راست اصل عبارت دیکھ کر خود ہی نتیجہ اخذ کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے، اس سلسلہ میں مَیں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کتاب کے متن میں (اکثر جگہ) صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا ہے، اور نمبر ڈال کر عربی یا فارسی عبارتیں کتاب کے آخر میں درج کر دی ہیں، تاکہ مطالعہ کا تسلسل بھی متاثر نہ ہو اور اگر کوئی اصل عبارت دیکھنے کا خواہش مند ہو تو کتاب کے آخر میں دیکھ لے۔

حوالہ دیتے وقت میں نے قوسین میں صرف کتاب کے نام اور صفحہ نمبر پر اکتفا کیا ہے، مصنف، سنہ طباعت اور مطبع و ناشر کی تفصیلات کتاب کے آخر میں درج کر دی گئی ہیں، ہر حوالے میں مَیں نے ان تفصیلات کا ذکر ضروری نہیں سمجھا۔ سنہ ہجری اور عیسوی کی مطابقت کے لیے میں نے islamic finder کی ویب سائٹ (www.islamicfinder.org) پر اعتماد کیا ہے، ان کا سوفٹ ویئر بنانے والوں نے لکھ دیا ہے کہ ان کے conversion میں کبھی ایک دن

کا فرق ممکن ہے۔

اس کتاب کی ترتیب کے دوران کبھی سفر اور کبھی گھریلو اور خانقاہی مصروفیات حائل ہوتی رہیں، جس کی وجہ سے یکسوئی قائم نہ رہ سکی اور درمیان میں کئی مرتبہ کام موقوف ہوا، اس لیے ممکن ہے تحریر کی یکسانیت متأثر ہوئی ہو۔

منت شناسی: وہ تمام افراد جنہوں نے کسی نہ کسی حیثیت سے اس کتاب کی ترتیب و تالیف میں میرا تعاون کیا ان سب کا میں سپاس گزار و منت شناس ہوں خصوصیت کے ساتھ چند لوگوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

(۱) میرے والد، مربی، شیخ اور استاذ حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کتاب کی ترتیب و تالیف کا آغاز آپ کی اجازت سے ہوا اور اختتام آپ کی دعاؤں سے۔

(۲) مولانا یٰسین اختر مصباحی (بانی دار القلم دہلی) ایک طرح سے اس کتاب کی تالیف کے محرک اول ہیں، کتاب کی ترتیب و تالیف کے دوران ان سے دو تین مرتبہ ملاقات بھی ہوئی، اور متعدد مرتبہ فون پر گفتگو، انہوں نے ہر قدم پر حوصلہ افزائی فرمائی اور مفید مشوروں سے نوازا، یہ ان کے خیر آبادیات سے گہرے لگاؤ کی دلیل ہے۔

(۳) میرے دوست مولانا خوشتر نورانی (مدیر اعلیٰ ماہنامہ جام نور دہلی) کتاب کے لیے مواد کی فراہمی، دستیاب شدہ مواد کی تحقیق و تنقیح اور پھر ترتیب و تحریر ہر مرحلے میں میرے شریک و معاون رہے، کتاب کا کوئی بھی اہم حصہ میں نے ان کو سنائے بغیر مکمل نہیں کیا۔

(۴) وہ چند لوگ جن کے تعریفی کلمات سے مجھے حوصلہ ملتا ہے اور تنقید سے رہنمائی ان میں ایک میرے ہم وطن محقق و ادیب ڈاکٹر شمس بدایونی بھی ہیں، کتاب کی تالیف کے دوران منہج تحقیق اور اصول ترتیب کے سلسلہ میں مَیں نے ان سے کئی مرتبہ تبادلہ خیال کیا، انہوں نے اپنے مطالعے اور تجربات سے مجھے فائدہ پہنچایا اور کچھ اہم کتب بھی فراہم کیں۔

(۵) مکرمی ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی ازہری (لاہور) ازہر کے زمانہ طالب علمی سے میرے کرم فرما ہیں، انہوں نے جامعہ ازہر سے علامہ فضل حق کی عربی شاعری پر پی. ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے، کتاب کی ترتیب کے دوران فون اور ای میل کے ذریعے ان سے

تبادلہ خیال ہوتا رہا اور انہوں نے بعض اہم چیزیں فراہم کیں، بالخصوص علامہ کی شاعری پر موصوف کی پی. ایچ. ڈی کا مقالہ اور ڈاکٹر سلمہ سیہول کے مرتبہ دیوان فضل حق خیرآبادی کے مسودے کی soft Copy انہیں کی عنایت سے دستیاب ہوئی۔

(٦) محبّ گرامی مولانا جلال رضا ازہری (مقیم قاہرہ) کا ذکر نہ کرنا علمی خیانت ہوگی، بعض مشکل عربی عبارتوں کے ترجمے کے سلسلے میں مَیں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

(٧) وارث رفیع بدایونی بدایوں کے مشہور علمی خاندان کے فرد ہیں، ان کے بزرگوں کا خانقاہ قادریہ سے دوسو سالہ قدیم رشتہ ارادت وعقیدت رہا ہے، ان کی ذاتی لائبریری وقیع ہے، جس سے میں بالکل اپنی لائبریری کی طرح استفادہ کرتا ہوں، اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں بھی انہوں نے بعض کتابیں فراہم کیں۔

اس کتاب کی ترتیب وتالیف میں سب سے اہم حصہ میرے آبائی کتب خانے (کتب خانہ مدرسہ قادریہ بدایوں شریف) کا ہے، جو قیمتی مخطوطات کے علاوہ سیکڑوں قدیم و نادر مطبوعات سے مالامال ہے، اس کے علاوہ کتب خانہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد، عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری حیدرآباد، رضا لائبریری رامپور، کتب خانہ ندوۃ العلما لکھنؤ، خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف اور خانقاہ حافظیہ خیرآباد شریف کے کتب خانوں سے استفادہ کیا گیا ہے، انٹرنیٹ پر موجود ڈیجیٹل لائبریری آف انڈیا اور نفس اسلام ڈاٹ کام کی آن لائن لائبریری سے بھی استفادہ کیا ہے۔

آخر میں رسماً نہیں بلکہ واقعتاً یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کتاب کے مواد، ترتیب اور اسلوب کے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں اور نہ ہی کوئی بلند آہنگ دعویٰ رکھتا ہوں، محدود علم، ناقص مطالعے اور شکستہ قلم کے ساتھ ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے، اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ اہل علم ونظر ہی کریں گے۔

اسید الحق قادری بدایونی
خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف

دعائیہ کلمات

حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری
زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف

حامداً ومصلیاً ومسلماً

امابعد: مجاہد جلیل استاذ مطلق حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی کی شخصیت کئی معنوں میں اپنے معاصرین سے ممتاز نظر آتی ہے، متکلم وفلسفی، ادیب وشاعر، مصنف وناقد، ناموس رسالت کے محافظ، اور ملک کی آزادی کی خاطر ایک مجاہد جلیل علامہ کی ذات میں یہ سب شانیں اپنے منتہائے کمال پر نظر آتی ہیں، کام کرنے والے ان کی ہشت پہل شخصیت کے مختلف گوشوں پر داد تحقیق دے رہے ہیں، اور ہر آنے والی تحقیق وتصنیف ان کے مرقع حیات کی دل آویزی میں اضافہ کر رہی ہے۔

۲۰۱۱ء میں ڈیڑھ سوسالہ جشن کے موقع پر مختلف طریقوں سے استاذ مطلق اور ان کی خدمات کو یاد کیا جا رہا ہے، مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں کا خانوادہ خیرآباد سے رشتہ معاصرانہ روابط کا بھی ہے اور تلمذ واستفادہ کا بھی، اس کے پیش نظر اس جشن میں شرکت کرتے ہوئے علامہ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنا مدرسہ قادریہ بدایوں کا حق بھی تھا اور فرض بھی، مجھے خوشی ہے کہ عزیز از جاں سعادت آثار مولوی اسیدالحق قادری بدایونی نے اپنے اس فرض کا احساس کرتے

ہوئے اس کتاب کے ذریعہ خانوادہ خیرآباد کی خدمت میں احسن طریقے سے خراج عقیدت پیش کیا ہے، عزیز موصوف کی علمی اور قلمی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے ان سے ایسی ہی امید تھی، کتاب کے بارے میں میرا کچھ کہنا ایک باپ کی اپنے بیٹے کے حق میں پدرانہ شفقت ومحبت کہلائے گا، اس لیے اس کتاب پر تنقید وتبصرے کے جملہ حقوق اہل نقد ونظر کے لیے محفوظ کرتا ہوں۔

میری دعا ہے کہ رب قدیر ومقتدر عزیز موصوف کی عمر، علم اور حوصلوں میں ترقی عطا فرمائے، ان کو اپنے اسلاف کا سچا علمی جانشین بنائے، دین متین کی بے لوث خدمت کریں اور اپنے بزرگوں کا نام روشن کریں۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

فقیر سالم قادری

خانقاہ قادریہ بدایوں شریف

آئینۂ ''خیرآبادیات''

''خیرآبادیات'' بدایونی ''فریضہ'' اور خیرآبادی ''حق'' کی ادائیگی کا ایک باوقار روحانی و علمی امتزاج اور احسان شناسی کا پُرخلوص نمونہ ہے۔ ساتھ ہی دنیائے علم وتحقیق میں ''خیرآبادیات'' کے عنوان سے ایک وقیع تاریخی دستاویز کا اضافہ بھی، جس کی ترتیب و پیش کش کا اِعزاز صاحب زادۂ عالی قدر عزیزِ گرامی مولانا اسید الحق قادری بدایونی کو حاصل ہے اور وہ اس اِعزاز کے صحیح مستحق بھی ہیں۔ گویا۔ حق بحق دار رسید۔

زیرِ نظر کتاب ''خیرآبادیات'' خَیرُ البلاد خیرآباد کے تاریخی تعارف، خانوادۂ خیرآباد کی اہلِ علم خواتین، مدرسۂ خیرآباد کے نصابِ تعلیم، مدرسۂ خیرآباد کے عناصرِ اربعہ، اساتذۂ مدرسہ خیرآباد کی شفقت، طلبہ کی عقیدت، استاذ بھائی کے رشتۂ اخوت، کتب خانۂ قادریہ بدایوں میں نوادر خیرآباد، ارکانِ ثلاثہ علامہ فضلِ حق خیرآبادی و علامہ فضلِ رسول بدایونی و مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی، علامہ فضلِ حق اور شاہ اسمٰعیل دہلوی، علامہ خیرآبادی کے بارے میں بعض بے بنیاد روایات کی حقیقت، علامہ خیرآبادی اور سید حیدر علی ٹونکی، علامہ خیرآبادی اور مفتی سعد اللہ مرادآبادی، علامہ خیرآبادی کے کچھ علمی معرکے، علامہ کے فرزند علامہ عبدالحق خیرآبادی کے علمی معرکے، لطائفِ خیرآباد، سفرِ انڈمان، خیرآبادیات پر تحقیقی تصنیفی واشاعتی کام وغیرہ پر مشتمل ایک محققانہ، فاضلانہ اور مؤرخانہ دستاویز ہے جسے ہندوپاک کے اہلِ علم وفضل نہ صرف قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے بلکہ اسے خیرآبادیات کا ایک گراں قدر مجموعہ اور بیش قیمت مرقع قرار دیں گے۔

یٰسٓ اختر مصباحی
(بانی وصدر دارالقلم، ذاکرنگر، نئی دہلی)

’’خیرآبادیات‘‘ میری نظر میں

خیال تھا کہ علامہ محمد فضل حق خیرآبادی کی وفات کے ڈیڑھ سو سال مکمل ہونے پر ’’خیرآبادیات‘‘ از مولانا اسید الحق قادری بدایونی مدرسۂ بدایوں کی اپنے واجب سے عہدہ برآ ہونے کی محض ایک عقیدت مندانہ کوشش ہوگی۔ مگر مطالعۂ کتاب جس قدر بڑھتا گیا، احساسات و خیالات بدلتے گئے اور فضل حق پسندوں سے میرا شکوہ وگلہ کم اور غصہ ٹھنڈا پڑتا چلا گیا۔

’’خیرآبادیات‘‘ علمی دیانت و امانت اور جدید اصولِ تحقیق پر مبنی پُرخلوص، مفید، معلومات افزا کاوش ہے۔ اِس کتاب سے علامہ فضل حق کے علم وفضل کے باب کی بدایونی فصل مکمل ہوئی اور علمی حقائق کے گرد مخالفین فضل حق کے پیدا کردہ شکوک وشبہات کا ازالہ اور وقت کی گرد صاف ہوئی، جو علمی ذخائر کے امین ومحافظ مدرسۂ بدایوں ہی سے ممکن تھا۔

انتظار ہے کہ بدایونی فصل کے بعد بہت جلد خیرآبادی، رامپوری اور سہارنپوری فصلیں بھی لکھی جائیں گی۔ جس سے علامہ فضل حق کی جامع سوانح حیات کی تالیف ممکن ہوگی۔

ڈاکٹر سلمہ سیہول

اسسٹنٹ پروفیسر، بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی،

اسلام آباد، پاکستان

تأثرِ ممتاز

علامہ محمد فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی علمی اورادبی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں، آپ کی شاعری کی سلاست، روانی اور نزاکت کے علاوہ علمِ منطق، فلسفہ اور علم الکلام میں آپ کی مہارت کا ہر ذی علم معترف ہے، حیرت کی بات ہے کہ جب آزادیٔ ہند کی تحریک چلی تو ایک نازک خیال شاعر اور فلسفہ کی اتھاہ گہرائیوں میں اترنے والا عظیم فلسفی غاصب انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے حریت پسندوں کے شانہ بشانہ کھڑا تھا، علامہ خیرآبادی نے حالات کی کڑی دھوپ میں راہِ وفا کا پرخار راستہ شعوری طور پر اختیار کیا تھا اور ایک مثالی صبر واستقامت کے ساتھ جزائرِ انڈمان کی غریب الوطنی میں جامِ شہادت نوش کیا، ایسے لوگ قوموں کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔

خانوادۂ بدایوں شریف کے چشم و چراغ ہمارے فاضل دوست صاحبزادہ اُسید الحق قادری بدایونی نے برصغیر کے ایک عظیم محسن علامہ محمد فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی ادبی اور تاریخی عظمت کو خالص علمی اور تحقیقی اسلوب میں اجاگر کرتے ہوئے خیرآبادی خانوادۂ علم وفضل کے خوشہ چینوں اور آزاد برصغیر کے باسیوں کی طرف سے اجتماعی قرض چکانے کی ایک قابلِ قدر خدمت سرانجام دی ہے، فاضل موصوف نے علامہ خیرآبادی کے ساتھ گہری عقیدت کے باوجود کہیں بھی اپنے اسلوب اور لہجے کو علم وتحقیق کے دائرے سے نکلنے نہیں دیا۔ مجھے امید ہے کہ صاحبزادہ صاحب کے رتجگوں کا یہ ثمر پاک وہند کے محققین کے سامنے خیرآبادیات پر تحقیق کی مزید راہیں کھولے گا۔

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری
(اسسٹنٹ پروفیسر، یونیورسٹی آف فیصل آباد، پاکستان)

خیرالبلاد۔ خیرآباد

کچھ شخصیتیں اپنے عہد، اپنے خاندان، اپنے ماحول اور اپنے وطن سے بڑی ہوتی ہیں، اتنی بڑی کہ وہ اپنے عہد، خاندان، اور وطن سے نہیں پہچانی جاتیں بلکہ ان کے عہد، ان کے خاندان اور ان کے وطن کی شناخت خود ان شخصیتوں کے کارناموں سے ہوتی ہے، علامہ فضل حق خیرآبادی کا شمار بھی انہیں عہد ساز شخصیتوں میں ہوتا ہے، جن کی وجہ سے ان کا عہد، ان کے معاصرین، ان کا خاندان اور ان کا وطن خیرآباد پہچانے گئے، خیرآباد میں یوں تو اولیا، علما، صوفیہ، شعرا، اور اہل علم وادب کی ایک تعداد صدیوں سے رہی ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ خیرآباد کو شہرت دوام علامہ ہی کی ذات گرامی سے ملی، خانوادہ خیرآباد، مدرسہ خیرآباد، علمائے خیرآباد، خیرآبادی نصاب، خیرآبادی مسلک، خیرآبادی مکتب فکر، خیرآبادی طریقہ درس وغیرہ وغیرہ ان تمام الفاظ کی اضافت ونسبت خیرآباد کی جانب اس لیے کی جارہی ہے کہ خیرآباد کو علامہ فضل حق کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے، یہ علامہ سے نسبت ہی کا کرشمہ ہے کہ آج ہندو پاک کے علمی حلقوں سے لے کر جامعہ ازہر کے ارباب فکر ونظر کی مجلسوں تک لفظ ''خیرآباد'' منطق وفلسفہ، حکمت وکلام اور عربی شعروادب کے ایک خاص مکتب اور مدرسے کے لیے بطور استعارہ استعمال کیا جاتا ہے۔

خیرآباد ضلع سیتاپور، اتر پردیش میں واقع ہے، یہ قصبہ سیتاپور سے ۶ رکلومیٹر کے فاصلے پر مشرق کی جانب اور لکھنو سے تقریباً ۷۵ رکلومیٹر کی مسافت پر مغرب میں دہلی لکھنو ہائی وے پر واقع ہے۔

خیرآباد کی قدامت کے تعلق سے سید نجم الحسن رضوی خیرآبادی نے لکھا ہے کہ:

اس قصبہ کی تاریخ بہت قدیم ہے، تلاش وجستجو سے انکشاف ہوا ہے کہ راجہ

بکر ماجیت کے دور سے قبل یہاں آبادی موجود تھی، اس وقت اس کا نام ''چتر ریتھا'' تھا، پھر راجہ بکر ماجیت کے عہد میں منسا دیوی کی مناسبت سے ''منسا چتر'' کے نام سے موسوم ہوا، عہد اسلامی میں سب سے پہلے حضرت یوسف غازی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رفقا کے ساتھ تشریف لائے، آپ کی آخری آرام گاہ یہیں ہے...... البتہ ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ اس قصبے کو سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود نے آباد کیا، اس سے پہلے آبادی میں نظم وضبط نہیں باقی رہا تھا، سلطان ابراہیم نے پوری توجہ صرف کر کے اس کو باقاعدہ آباد کیا اور اغلب خیال ہے کہ اس وقت سے اس کا نام ''خیر آباد'' ہو گیا جو اب تک قائم ہے'' (خیر آباد کی ایک جھلک: ص: ۹/۸)

سلطان ابراہیم کے بعد خیر آباد مختلف شعبوں میں مسلسل ترقی کرتا رہا، یہاں کثرت سے اولیا وصوفیہ تشریف لائے، یاد الٰہی اور مخلوق خدا کی فیض رسانی کے لیے انہوں نے خیر آباد کی سرزمین کا انتخاب کیا اور یہیں کے ہو رہے، ان کی درگاہیں آج بھی خیر آباد کے تابناک روحانی ماضی کی یاد دلاتی ہیں، ان اہل اللہ میں خصوصیت کے ساتھ حضرت عثمان غزنوی (خلیفۂ حضرت نظام الدین محبوب الٰہی) حضرت مخدوم شیخ سعد الدین (م: ۹۲۲ھ/۱۵۱۶ء) عرف بڑے مخدوم صاحب مرید وخلیفہ حضرت شاہ مینا اور حضرت مخدوم سید نظام الدین اللہ دیا عرف چھوٹے مخدوم صاحب (م: ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء) قابل ذکر ہیں۔

خیر آباد کی خانقاہوں میں خانقاہ حافظیہ اسلمیہ ایک خاص مقام رکھتی ہے، حضرت حافظ محمد علی خیر آبادی قدس سرہ نے حضرت خواجہ سلیمان تونسوی سے اجازت وخلافت حاصل کی اور خیر آباد میں رشد وہدایت کا سلسلہ قائم فرمایا، آپ کے بعد آپ کے برادر زادے حضرت حافظ محمد اسلم خیر آبادی قدس سرہ نے اس سلسلہ کو قائم رکھا، دونوں حضرات خیر آباد میں اپنی خانقاہ ہی میں آرام فرما ہیں، یہ خانقاہ ''خانقاہ حافظیہ اسلمیہ'' کے نام سے آج بھی موجود ہے جہاں سے رشد وہدایت اور مخلوق خدا کو فیض رسانی کا سلسلہ جاری ہے۔

خیر آباد کی سرزمین شعر وسخن کے حوالے سے بھی مردم خیز ثابت ہوئی، عربی شاعری میں

علامہ فضل حق خیرآبادی نے وہ کمال حاصل کیا کہ نہ صرف خیرآباد بلکہ پورے برصغیر کی عربی شاعری کا فخر قرار پائے ،اردو شعروسخن کے میدان میں بھی فرزندان خیرآباد نے کئی ایک معتبر نام دیے ہیں،ان میں ریاضؔ خیرآبادی اور مضطرؔ خیرآبادی محتاج تعارف نہیں ہیں۔

مولانا سید محمد میاں نے درست لکھا کہ:

''ہندوستان کے وہ قصبے جو مردم خیزی میں مشہور ہیں،ان میں ضلع سیتاپور کا قصبہ خیرآباد بھی ہے-اب چودھویں صدی کے ربع آخر میں اس کی حالت کچھ بھی ہومگر حلقہ درس وتدریس سے تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ گزشتہ صدی کے آخر تک خیرآباد کو خیرالبلاد لکھا جاتا تھا-''

(علمائے ہند کا شاندر ماضی:ص۹۴۹)

☆☆☆

خانوادہ خیرآباد

خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد میں دو سگے بھائی بہاء الدین اور شمس الدین ایران سے ہندوستان وارد ہوئے، شمس الدین نے رہتک کی مسند افتا سنبھالی اور بہاء الدین مدینۃ الاولیا بدایوں میں فروکش ہوئے، ۱۲/ویں اور ۱۳/ویں صدی میں برصغیر میں شرافت ونجابت، علم وفضل، اور وسیع تر دینی وقومی خدمات کے لحاظ سے دو خانوادے منفرد اور ممتاز نظر آتے ہیں، ایک خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور دوسرا خانوادۂ مولانا فضل امام خیرآبادی، آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہو کہ یہ دونوں عظیم خاندان انہیں دونوں بھائیوں کی اولاد میں ہیں، شمس الدین رہتکی کی اولاد کا سلسلہ آگے بڑھا تو اس میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پیدا ہوئے، دوسرے بھائی بہاء الدین کی کچھ نسلیں بدایوں ہی میں قیام پذیر رہیں، ان کی اولاد سے ایک بزرگ شیخ عمادالدین بدایوں سے ہرگام منتقل ہوگئے، اور قاضی ہرگام کے منصب پر فائز ہوئے، شیخ عمادالدین کی اولاد علم وفضل اور منصب قضاوافتا سے سرفراز رہی، ان کی اولاد سے ایک فرد شیخ محمد ارشد نے ہرگام ترک کر کے خیرآباد میں سکونت اختیار کرلی، مولانا فضل امام خیرآبادی انہیں شیخ محمد ارشد کے فرزند ہیں۔ مولانا فضل امام خیرآبادی کے سلسلہ اخلاف کو ''خانوادۂ خیرآباد'' اور ان کے سلسلہ تلامذہ کو ''مدرسہ خیرآباد'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہاں ہم خانوادہ خیرآباد کے چند نامور افراد کا مختصر تعارف کروائیں گے، تاکہ اس خانوادے کی عظمت وشوکت کا اندازہ ہوسکے۔ (یہاں صرف اجمالی تعارف مقصود ہے، باقی تفصیلات اس کتاب میں جگہ جگہ موجود ہیں)

مولانا فضل امام خیرآبادی: آپ کی سنہ ولادت دستیاب نہیں ہوسکی، قیاس ہے کہ بارہویں صدی کے ربع آخر میں آپ کی پیدائش ہوئی ہوگی، ملا عبدالواجد خیرآبادی سے علوم کی تکمیل کی، دہلی آکر ملازمت سے وابستہ ہوئے، پہلے مفتی ہوئے پھر ترقی کر کے صدالصدور کے عہدے تک پہنچے

، دہلی میں درسگاہ آراستہ کی، اور معقولات کے ایک مخصوص مدرسے کی بنیاد ڈالی، علامہ فضل حق خیرآبادی اور مفتی صدرالدین آزردہ جیسے اصحاب علم وفضل آپ کی درسگاہ سے فارغ ہوکر نکلے، تصانیف کا ایک قابل قدر ذخیرہ یادگار چھوڑا، جس میں آمدنامہ اور مرقاۃ جیسی ابتدائی کتابوں سے لے کر منطق وفلسفہ کی منتہی کتب پر حواشی بھی شامل ہیں، آپ کی جن تصانیف کا تذکرہ ملتا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں: ۱۔حاشیہ رسالہ میر زاہد، ۲۔حاشیہ میر زاہد ملا جلال، ۳۔تشحیذ الاذہان فی شرح المیزان، ۴۔تلخیص الشفا، ۵۔حاشیہ افق مبین وغیرہ۔ تصانیف میں مرقاۃ کے علاوہ باقی سب غیر مطبوعہ ہیں، آمدنامہ کے باب پنجم میں اودھ کے بعض علما کا تذکرہ ہے، یہ حصہ شائع ہو چکا ہے مگر ہماری نظر سے نہیں گذرا☆۔ آپ کی درسگاہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس زمانے میں دہلی علوم وفنون کا مرکز تھا اس وقت منقولات میں شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر کی درسگاہیں ہندو بیرون ہند کے طلبہ کا مرکز توجہ تھیں تو معقولات میں درسگاہ فضل امام ایک امتیازی شان رکھتی تھی۔ آخری وقت میں اپنے وطن مالوف خیرآباد میں آ گئے تھے، یہیں ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۹ء کو وفات پائی، مخدوم شیخ سعد کے احاطہ درگاہ میں سپرد خاک کیے گئے۔

علامہ فضل حق خیرآبادی: مولانا فضل امام خیرآبادی کے صاحبزادے اور ان کے علمی وارث وجانشین تھے، آپ کی ذات سے برصغیر میں معقولات کو ایسا فروغ ہوا کہ لفظ ''خیرآباد''، علم وحکمت کا استعارہ بن گیا، ۱۲۱۲ھ/ ۱۷۹۷ء میں ولادت ہوئی، تعلیمی مراحل اپنے والد مولانا فضل امام کی درسگاہ میں طے کیے، علم حدیث کی تحصیل شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کی درسگاہ میں کی، بعض حضرات کے مطابق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بھی استفادہ کیا، تصوف میں حضرت حافظ محمد علی خیرآبادی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، صرف ۱۳/ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت پائی اور دہلی میں مسند درس آراستہ کی، ابتدا میں کچھ سال انگریز کی ملازمت میں رہے اس کے بعد مختلف اوقات میں ریاست جھجھر، الور، سہارنپور، رامپور، لکھنؤ اور ٹونک وغیرہ میں ملازمت کی، درس وتدریس کا سلسلہ کہیں بھی منقطع نہیں ہوا، ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے

☆ ڈاکٹر سلمہ سیہول کے بقول باب پنجم میں اودھ کے سرکردہ علما اور فضلا کا تذکرہ ہے جسے مفتی انتظام اللہ شہابی نے علیحدہ کتابی صورت میں ''تراجم الفضلا'' کے نام سے مرتب کیا، یہ ۱۹۶۵ء میں کراچی سے شائع ہو چکا ہے (علامہ محمد فضل حق خیرآبادی: ص ۳۷)

خلاف نمایاں کردار ادا کیا، جس کی پاداش میں مقدمہ چلا اور ''حبس دوام بعبور دریائے شور'' کی سزا ملی، قید کر کے انڈمان بھیجے گئے، جہاں ایک سال دس ماہ تیرہ دن اسیری میں رہ کر ۱۲ر صفر ۱۲۷۸ھ/ ۲۰ر اگست ۱۸۶۱ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے اور اس شعر کو سچ ثابت کر گئے کہ

زندگی اتنی غنیمت تو نہیں جس کے لیے
عہد کم ظرف کی ہر بات گوارا کرلیں

تصانیف کا ایک ذخیرہ یادگار چھوڑا، جن میں زیادہ تر کتب منطق، طبیعات، امور عامہ، الٰہیات اور علم کلام وعقائد سے متعلق ہیں، تصانیف میں نقل وتقلید نہیں بلکہ اجتہاد وتحقیق کی شان نظر آتی ہے۔ بعض تصانیف کے اسما درج ذیل ہیں۔ حاشیہ افق مبین، حاشیہ تلخیص الشفا، حاشیہ قاضی مبارک، الہدیۃ السعیدیہ، الجنس العالی، شرح تہذیب الکلام، الروض المجود، الثورۃ الہندیہ وغیرہ☆

عربی کے بلند پایہ شاعر تھے، مولانا عبداللہ بلگرامی کے مطابق آپ کے عربی اشعار کی تعداد ۴ر ہزار سے متجاوز ہے، جن میں بیشتر نعت رسالت مآب ﷺ میں ہیں، ایک جہان نے آپ سے استفادہ کیا، آپ کے تلامذہ خود اپنے اپنے وقتوں میں ائمہ فن تسلیم کیے گئے۔

مولانا عبدالحق خیرآبادی: علامہ فضل حق خیرآبادی کے فرزند سعید شمس العلما مولانا عبدالحق خیرآبادی جنھوں نے اپنی تصانیف اور درسی خدمات سے اس خاندان کی عظمت کو نہ صرف یہ کہ برقرار رکھا بلکہ اوج ثریا تک پہنچا دیا، آپ کی ولادت ۱۲۴۴ھ/ ۹-۱۸۲۸ء میں ہوئی، جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل اپنے والد گرامی استاذ مطلق علامہ فضل حق خیرآبادی سے کی، لڑکپن میں ذہانت اور قابلیت کا یہ عالم تھا کہ اپنے والد کے حاشیہ قاضی مبارک پر محض ۱۴ر سال کی عمر میں برجستہ اور فی البدیہہ ایک صفحہ لکھ کر رکھ دیا (باغی ہندوستان: ص ۱۸۴/ ۱۸۵)

۱۶ر سال کی عمر میں تمام درسیات معقول ومنقول سے فارغ ہوئے (مرجع سابق ص ۳۱۴) زمانہ طالب علمی میں جس ''شاہین بچہ'' کا یہ حال ہو عمر اور علم میں اضافے کے بعد اس کی پرواز کہاں تک پہنچی اس کو سمجھنے کے لیے صرف یہ واقعہ نقل کرنا کافی ہوگا کہ ایک مرتبہ مولوی اکرام اللہ شہابی گوپاموی نے مولانا عبدالحق خیرآبادی سے پوچھا کہ ''بھائی صاحب! دنیا میں حکیم

☆ تفصیل کے لیے دیکھیے: تعارف تصانیف از مفتی نجم الحسن خیرآبادی، باغی ہندوستان، ص ۲۹۷ر تا ۳۱۲

کا اطلاق کن کن پر ہے؟ مولانا نے فرمایا ''بھیا ساڑھے تین حکیم دنیا میں ہیں، ایک معلم اول ارسطو، دوسرے معلم ثانی فارابی، تیسرے والد ماجد مولانا فضل حق اور نصف بندہ (مرجع سابق ص ۱۹۶)

مولانا عبدالحق خیرآبادی کی ساری عمر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزری، بعض مشہور تصانیف یہ ہیں (۱) حاشیہ قاضی مبارک (۲) حاشیہ غلام یحییٰ (۳) حاشیہ حمداللہ (۴) حاشیہ میر زاہد امور عامہ (۵) شرح ہدایۃ الحکمۃ (۶) شرح مسلم الثبوت (۷) شرح کافیہ (۸) شرح سلاسل الکلام (۹) الجواہر الغالیہ (۱۰) رسالہ تحقیق تلازم (۱۱) شرح مرقات (۱۲) التحفۃ الوزیریہ (۱۳) زبدۃ الحکمۃ (۱۴) حاشیہ عقائد عضدیہ (۱۵) شرح حواشی الزاہدیہ علی ملا جلال وغیرہ

سیکڑوں ہزاروں لوگوں نے آپ کی درس گاہ سے علوم عقلیہ کی تحصیل کی، جن میں والیان ریاست اور مقتدر علمی خانوادوں کے افراد کے علاوہ ہندو بیرون ہند کے بے شمار تشنگان علوم شامل ہیں۔ ۲۳ رشوال ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء کو رحلت فرمائی، اپنے آبائی وطن خیرآباد میں مخدوم شیخ سعد کی درگاہ کے احاطے میں سپرد خاک کیے گئے۔

مولانا اسدالحق خیرآبادی مولانا عبدالحق خیرآبادی کے صاحبزادے تھے، علم وفضل میں اپنے آباواجداد کی یادگار تھے، مولانا عبدالحق کے بعد والی ریاست رامپور نے آپ کو مدرسہ عالیہ کا پرنسپل مقرر کیا مگر بہت کم زندگی لے کر آئے تھے، والد کی وفات کے صرف ڈیڑھ برس بعد ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں انتقال ہوگیا، یہ غالباً اس خاندان علم وفضل کے آخری علمی چشم وچراغ تھے، آپ کے صاحبزادے حکیم ظفرالحق خیرآبادی تھے، مولانا برکات احمد ٹونکی سے تحصیل علم کی، بعد میں طب کو اختیار کیا، اور خیرآباد میں مطب کے ذریعے خدمت خلق میں مصروف رہے، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء میں وفات ہوئی، عین الحق خیرآبادی آپ کے صاحبزادے تھے، عصری تعلیم کے حصول کے بعد مچھریٹھا راجکیہ ودھیالیہ (ضلع سیتا پور کے ایک اسکول) میں ٹیچر ہوئے، ۲۰۰۵ء/۱۴۲۶ھ میں وفات ہوئی، آپ کے تین صاحبزادے ہیں، نوح الحق خیرآبادی، معین الحق خیرآبادی، اور سیف الحق خیرآبادی، اول الذکر بی. اے، ایل. ایل. بی. کرنے کے بعد ایک کالج میں استاذ ہیں، دوسرے تجارت کے پیشے سے وابستہ ہیں، اور چھوٹے ابھی زیر تعلیم ہیں، خانوادہ خیرآباد کے موجودہ وارثین میں یہی تینوں حضرات خیرآباد میں ہیں۔☆

☆ اس کتاب کی ترتیب کے دوران ۱۷ رمئی ۲۰۱۱ء کو میں محبّ گرامی مولانا خوشتر نورانی کے ساتھ خیرآباد حاضر ہوا تو محترم نوح الحق خیرآبادی صاحب سے ملاقات ہوئی، اور بعض خاندانی حالات کی اطلاع ملی۔

خانوادہ خیرآباد کی اہل علم خواتین

خانوادۂ خیرآباد کے رجال نے تو علم وفضل کے میدان میں اپنے جھنڈے نصب کیے ہی ہیں ان کی خواتین نے بھی اس میدان میں اپنی اہمیت اور قابلیت کو منوایا ہے، اس خاندان کی بعض خواتین جن کے تذکرے کتابوں میں محفوظ رہ گئے وہ علم وفضل میں اپنے عہد کی خواتین میں ممتاز نظر آتی ہیں، بقول بی بی ہاجرہ خیرآبادی(زوجہ مولانا عبدالحق خیرآبادی)''میر زاہدامور عامہ(فلسفہ وکلام کی منتہی کتاب) تک تو اس خاندان کی مستورات بھی شُد بُد رکھتی ہیں''-اس خاندان کی کم از کم تین خواتین کے بارے میں تاریخی شواہد موجود ہیں جن کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ خواتین معقول ومنقول اور علوم ادبیہ میں خاصا درک رکھتی تھیں، ممکن ہے اس خاندان کی اہل علم وفضل خواتین کی تعداد اس سے زیادہ ہو-

ان ۳رخواتین کا تذکرہ بھی کہیں تفصیل کے ساتھ نہیں ملتا، ضمناً بعض کتابوں میں کہیں سرسری تذکرہ آ گیا ہے، انہی منتشر معلومات کو جمع کرکے ہم یہاں پیش کررہے ہیں تاکہ ''خیرآبادیات'' کا یہ تابناک باب بھی روشنی میں آسکے-

(۱)بی بی سعیدالنساء حرماؔں خیرآبادی: آپ علامہ فضل حق کی صاحبزادی تھیں، آپ کا عقد احمد حسین رسؔوا کے ساتھ ہوا، منشی افتخار حسین مضطؔر خیرآبادی اور محمد حسین بسؔمل خیرآبادی آپ ہی کے فرزند تھے، معروف شاعر جاں نثار اختر آپ کے پوتے اور مضطؔر خیرآبادی کے بیٹے تھے-

بی بی حرماؔں خیرآبادی نے درسیات کی تکمیل اپنے والد ماجد ہی سے کی تھی، درسیات میں ان کی کیسی گہری نظر ہوگی اس کا اندازہ مولانا عبدالحق خیرآبادی کے اس مشہور جملے سے ہوسکتا ہے جو آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

اچھا ہوا کہ سعید النسا بہن ہوئیں، ورنہ ان کے سامنے ہمیں کون پوچھتا (باغی ہندوستان، ص:۳۳۳)

بی بی حرماں خیرآبادی ایک مرتبہ ٹونک تشریف لے گئی تھیں، حکیم برکات احمد ٹونکی کے صاحبزادے مولانا حکیم سید محمد احمد ٹونکی (م:۱۳۵۲ھ/۱۹۳۲ء) اپنا مشاہدہ تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے یہ عزت حاصل ہے کہ میں نے مجدد الحکمۃ الیونانیہ حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی **بردالله مضجعه** کی صاحبزادی **انار الله برهانها** کی زیارت کی ہے، اس عزت کو میں سرمایہ سعادت سمجھتا ہوں، ہماری انتہائی خوش قسمتی تھی اور سرزمین ٹونک کو انتہائی فخر کا موقع حاصل ہونا تھا کہ وہ ٹونک تشریف لائیں تھیں، نواب وزیر الدولہ بہادر جنت آرام گاہ (دوسرے والی ٹونک) کی علم دوستی نے جہاں ہزاروں اہل کمال کو اطراف ہند سے کھینچا تھا وہاں خیرآباد شریف کے بھی چند خاندانوں کو ٹونک بلالیا گیا تھا، اس کی برکت سے اخیر اخیر میں مجھے اور میرے خاندان کو یہ عزت حاصل ہوئی، مجھے اچھی طرح یاد ہے اور آج بھی وہ تصویر آنکھوں میں پھر رہی ہے کہ استاذ الہند مولانا برکات احمد صاحب قبلہ بی بی صاحبہ کے سامنے گردن جھکائے مؤدب ایک بے علم انسان کی طرح بیٹھے ہیں اور ان کے جوش تقریر کا یہ عالم ہے کہ کسی موضوع پر نہیں رکتیں، ضعیف القویٰ تھیں کبیر سن تھیں، اعضا میں رعشہ تھا، مگر معلوم ہوتا تھا تمام قوتیں قوت ناطقہ میں منجذب ہوگئی ہیں، کیا تقریر تھی، کیا اتار چڑھاؤ تھا، کیا شستگی تھی، کیا برجستگی تھی، کیسی پُر رعب آواز تھی۔'' (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص۱۰۳، ۱۰۴)

حضرت حرماں خیرآبادی کی کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا البتہ ان کی اردو اور فارسی شاعری کے کچھ نمونے مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے ''باغی ہندوستان'' میں اور مفتی نجم الحسن خیرآبادی نے ''خیرآباد کی ایک جھلک'' میں محفوظ کردیے ہیں۔

(۲) حضرت ہاجرہ بی خیرآبادی: آپ مولانا فضل الرحمٰن بن مولانا فضل امام خیرآبادی کی

صاحبزادی، علامہ فضل حق خیرآبادی کی بھتیجی اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کی زوجۂ محترمہ ہیں، ان کے علم وفضل کے ثبوت میں یہ واقعہ کافی ہے کہ جب مولانا برکات احمد ٹونکی مولانا عبدالحق خیرآبادی سے اخذ علم کررہے تھے تو ان کو احساس ہوا کہ اب وہ عالم ہوگئے ہیں ان کو واپس گھر جانا چاہیے، جب اجازت لینے کے لیے بی بی صاحبہ کے پاس گئے تو آپ نے پوچھا بیٹا کتنا پڑھ لیا؟ مولانا نے جواب دیا کہ میر زاہد امور عامہ تک پڑھ لیا، بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ میں تم سے امور عامہ کا کوئی سوال پوچھوں؟ یہ سن کر مولانا شرمندہ ہوئے اور واپس جانے کا ارادہ ترک کردیا، یہ پورا واقعہ خود مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی کی زبانی پڑھیے، آپ فرماتے ہیں:

> میں نے مروجہ درس نظامی کی تکمیل کر لی تھی، متقدمین حکما کی کتابیں پڑھ رہا تھا، مگر ناغوں کی کثرت کی وجہ سے ایک بار یاس کا سا عالم طاری ہوگیا اور میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اب اصل نصاب کی تکمیل ہوچکی ہے، غیر نصابی کتابیں بھی نکل جاتیں تو خوب تھا مگر ناغوں کی اس کثرت کے ساتھ تو کئی برس درکار ہیں، ادھر والد ماجد تقاضے فرمارہے تھے کہ جلد آؤ، اس لیے اب رخت سفر باندھنا چاہیے مگر علامہ سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس منزل کو تکمیل تصور فرماکر اجازت (مرحمت) فرمائیں، اس لیے بیوی صاحبہ (علامہ کی حرم محترم) رحمۃ اللہ علیہا سے رخصت کرنے کے لیے ڈیوڑھی (زنان خانہ) حاضر ہوا اور کہلوایا کہ برکات احمد واپس جارہا ہے، رخصت طلب کرنے اور سلام کرنے حاضر ہوا ہے، بیوی صاحبہ نے جب یہ پیغام سنا تو علامہ کی شفقت کے واسطے سے وہ بھی شفقت فرماتی تھیں، یہ اطلاع پاکر اتنی مضطرب ہوئیں اور پردہ کرواکر خود ہی ڈیوڑھی پر چلی آئیں اور فرمایا ''بیٹا مُلا برکت! ہم نے سنا ہے تم جاتے ہو، اور ماشاءاللہ تکمیل درس کرلی ہے، اللہ تعالیٰ مبارک کرے مگر بیٹا مولانا نے ہم سے ذکر نہیں کیا کہ تم فارغ ہوگئے، کیوں بیٹا کہاں تک پڑھ لیا؟
>
> مولانا نے ادب سے عرض کی کہ ''تمام نصاب درس کی تکمیل کر لی ہے اور

میرزاہد امورعامہ تک پڑھ لیا ہے''امورعامہ کا نام سن کر ہنستے ہوئے فرمایا ''بھئی امورعامہ تک پڑھ کر خود کو فارغ اور فاضل سمجھ رہے ہو، کیا میں امور عامہ کے متعلق کوئی سوال پوچھ سکتی ہوں؟ بیٹے! امور عامہ تک تو اس خاندان کی مستورات بھی شُد بُد رکھتی ہیں۔

مولانا فرماتے تھے کہ ''بیوی صاحبہ کی یہ تقریر سن کر انفعال سے حالت غیر ہوگئی اور میں نے بمشکل یہ الفاظ ادا کیے کہ میں اپنے فیصلے پر نادم ہوں، اپنا فیصلہ فسخ کرتا ہوں آپ سے استقلال کی دعا کی درخواست ہے (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص۱۵۴/۱۵۵)

جس خاندان میں ۱۲/۱۳/سال کے بچے (علامہ فضل حق خیرآبادی) الافق المبین جیسی منطق کی آخری کتاب پر محققانہ اور ناقدانہ گفتگو کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اور ۱۴/سال کے نوخیز (مولانا عبدالحق خیرآبادی) قاضی مبارک جیسی دقیق کتاب پر برجستہ حاشیہ تحریر کر جاتے ہوں اس خاندان میں اگر خواتین میرزاہد امورعامہ تک ''شُد بُد رکھتی ہوں'' تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔

(۳) بی بی رقیہ بنت عبدالحق خیرآبادی: علامہ عبدالحق خیرآبادی کی صاحبزادی بی بی رقیہ خیرآبادی ☆ بھی عالمہ اور فاضلہ تھیں، ان کے علم وفضل کے ثبوت کے لیے ان کی تفسیر قرآن ہی کافی ہے، ہم یہاں ان کی تفسیر قرآن کا مختصر تعارف کروائیں گے۔

اس تفسیر کا نام ''تفسیر طیبات بینات'' معروف بہ ''صراط مستقیم'' ہے، سرورق پر لکھا ہے کہ ''کتاب کا نام مولوی برکات احمد صاحب نے رکھا ہے''، یہ کتاب مصنفہ نے اپنی پھوپھی کی فرمائش پر تصنیف فرمائی تھی، سرورق پر جلی قلم سے مرقوم ہے ''حسب فرمائش جناب پھوپھی صاحبہ

☆ مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے مولانا عبدالحق خیرآبادی کی صرف ایک صاحبزادی عائشہ بی بی زوجہ محمد حسین بسمل کا ذکر کیا ہے (باغی ہندوستان: ص۳۲۹) البتہ مولانا عبدالحق کے صاحبزادے مولانا اسدالحق خیرآبادی کی صاحبزادی کا نام رقیہ بی بی (وفات: ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۴ء) زوجہ حسن رضا سندیلوی لکھا ہے (سابق: ص۳۳۱) ہمارے پیش نظر تفسیر کا جو قلمی نسخہ ہے اس کے سرورق پر رقیہ بی بی بنت مولانا عبدالحق درج ہے، مولانا برکات احمد کی تقریظ میں بھی یہی ہے، اور کتاب کے آخر میں مصنفہ نے بھی یہی لکھا ہے، یا تو مولانا شیروانی سے سہو ہوا ہے یا پھر یہ تفسیر نقل کرنے والے نے غلطی کی ہے، بہرحال جیسا قلمی نسخے پر درج ہے ہم یہاں ویسا ہی نقل کر رہے ہیں۔

دختر مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی' یہ تفسیر آسان اردو میں خاص طور پر عورتوں کے لیے لکھی گئی ہے، اس میں آپ نے زیادہ تر آیات احکام کے ترجمہ وتفسیر پر اکتفا کیا ہے، یہ تفسیر علامہ برکات احمد ٹونکی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) جیسے استاذ وقت کی تقریظ اور تصدیق سے مزین ہے ،اس پر دوسری تقریظ مولانا بشیر خان رامپوری (تلمیذ مولانا فضل حق رامپوری) صدر المدرسین مدرسہ نیازیہ خیرآبادکی ہے۔

اس تفسیر کا ایک نایاب قلمی نسخہ خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف (یو پی۔انڈیا) کے کتب خانے میں محفوظ ہے، اسی نسخہ کا عکس کتب خانہ قادریہ بدایوں میں ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، یہ تفسیر بڑی تقطیع پر ۱۷۹ صفحات پر مشتمل ہے، جلی خط میں ہر صفحہ پر ۱۵ سطریں ہیں، اس نسخے کے کاتب نثار احمد خیرآبادی ابن مشیر احمد ابن بشیر احمد خان بہادر ہیں۔

علامہ برکات احمد ٹونکی اپنی تقریظ میں فرماتے ہیں:

> آج تک جتنی تفاسیر اور تراجم عربی، فارسی، اردو میں قرآن پاک کی ہوئی ہیں گو وہ لا تعد ولا تحصیٰ سہی لیکن یہ تراجم صرف رجال امت کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اب تک کوئی تفسیر یا ترجمہ قرآن پاک کا ایسا نہیں گذرا جو نساے امت سے تعلق رکھتا ہو، سب سے پہلے ملک ہندستان میں جس نے اس میدان میں قدم رکھا وہ ملک العلما، شمس الفضلا، وحید العصر ،فرید الدہر علامہ زمن ،استاذ الکل ،شہسوار میدان تحقیقات علمیہ ،محرر تدقیقات حکمیہ استاذ نا ومولانا مولوی عبدالحق العمری الخیرآبادی رحمة الله علیه مع اساتذته رحمة واسعة کی صاحبزادی جنابہ رقیہ بی صاحبہ ہیں جنہوں نے عام اردو میں اکثر آیات احکامیہ کا ترجمہ کیا اور اس کے ذیل میں مفسرین کے اقوال سے اس کے فوائد بیان کیے، میں نے اس تفسیر کو اول سے آخر تک دیکھا ہے اس کے جملہ مضامین صحیح اور قابل عمل ہیں، ترجمہ نہایت سنجیدگی اور متانت سے کیا گیا ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اس تفسیر سے ملک کے افراد کو مستفیض کرے اور ہر فرد بشر اس

سے بہرہ مند ہو، اور سب کو عمل کی توفیق نصیب ہو- حررہ ابو محمد برکات احمد کفش بردار حضرت شمس العلما علامہ عبدالحق خیر آبادی قدس سرہ۔

مولانا بشیر خان رامپوری نے اپنی مختصر تقریظ میں لکھا ہے کہ:

تفسیر بی بی صاحبہ کو میں نے مختلف مقامات سے دیکھا جس کے مضامین کی خوبی اور ترجمہ کی عمدگی کیا بیان کی جائے جس کی تقریظ علامۂ زمن مولانا ابو محمد برکات احمد صاحب نے لکھی اور تعریف میں چند کلمات تحریر فرمائے ہیں دوسرا کیا قلم اٹھا سکتا ہے، آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ اس تفسیر سے افراد ملک کو فائدہ بخشے اور اس پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے، محمد بشیر غفرلہ صدر المدرسین مدرسہ نیازیہ خیر آباد۔

کتاب کی ابتدا خطبہ کے بعد ان جملوں سے ہوتی ہے:

''حمد اس خدا کو جو عالم کا پروردگار ہے اور درود اور سلام اس نبی پر جو سب نبیوں کا سردار ہے، میں نے قرآن شریف کا ترجمہ دیکھا اور تفسیر دیکھی تو آنکھیں کھل گئیں، دنیا کو دیکھا تو قرآن شریف سے بالکل خلاف چل رہی ہے، بہت لوگ ہمارے بھائی بندیہ بھی نہیں جانتے ہیں کہ قرآن شریف کیا چیز ہے اور کیوں اللہ تعالیٰ نے اس کو بھیجا، بہت لوگ ایسے ہیں کہ قرآن شریف کے خلاف ہر بات کرتے ہیں جو جی میں آتا ہے وہ کرتے ہیں اور اگر کوئی بات قرآن شریف کی کسی سے بیان کی جاتی ہے یا منع کیا جاتا ہے کہ ایسا نہ کرو تو یہ جواب دیتے ہیں ''تم ہی تو جانتی ہو'' اور ایک یہ جواب ہے کہ ''سبھی کرتے ہیں''، مثالیں دی جاتی ہیں کہ فلاں نے ایسا کیا- میں نے قرآن شریف کے کچھ حکم مع چند آیتوں کے اور ترجمہ و تفسیر لکھی ہے اردو صاف زبان میں جس کی صحت مولوی برکات احمد صاحب شاگرد رشید مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی و مولوی بشیر خان صاحب رامپوری شاگرد رشید مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی کر چکے ہیں، اب اس میں کسی بات کی غلطی نہیں ہے، اسے ہر شخص

اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے، پھر جس کو اللہ ہدایت دے گا وہ راہ پر آوے گا اور اس کتاب کا نام رکھا گیا ''تفسیر طیبات بینات المعروف بہ صراط مستقیم۔

کتاب کا اختتام ان جملوں پر ہوتا ہے:

اللہم بارک فی کتابنا، میں اپنی اس ناچیز کتاب کو مندرجہ بالا دعا پر ختم کرتی ہوں، اور ناظرین سے درخواست ہے کہ خود بھی پڑھیں اوروں کو بھی سناویں، مؤلفہ خاکپائے علما وخادمہ اہل جہاں رقیہ خاتون بنت وحید العصر علامۃ الدہر حضرت مولانا عبدالحق صاحب مرحوم ومغفور ابن جناب مولانا فضل حق صاحب مرحوم ومغفور خیرآبادی مدفون درکالا پانی، ابن مولانا فضل امام صاحب جعل الجنۃ مثواہ المرقوم ۲۶ / جمادی الاول ۱۳۴۵ ہجری المقدس نبوی۔

کتاب کی زبان نہایت آسان ہے، ترجمہ بہت سادہ الفاظ میں کیا گیا ہے تاکہ عام آدمی سمجھ سکے، تفسیر میں کسی قسم کے علمی مباحث کو نہیں چھیڑا گیا ہے، بلکہ آیت کریمہ سے جو ایک عمومی مفہوم مستفاد ہوتا ہے جس کا براہ راست تعلق فرد یا معاشرے کی اصلاح سے ہے اس کو داعیانہ اور مصلحانہ اسلوب میں بڑی سادگی سے بیان کر دیا گیا ہے، کہیں کہیں اودھ کی عام بول چال کا اسلوب بھی نظر آتا ہے، اور بعض جگہ ایسا محسوس ہوتا کہ مصنفہ آپ کے روبرو بیٹھ کر گفتگو فرما رہی ہیں۔

اس تفسیر کا تذکرہ اب تک کسی جگہ میری نظر سے نہیں گزرا، اور نہ ہی اس کے کسی دوسرے نسخے کا مجھے علم ہے، غالباً پہلی مرتبہ یہ تفسیر روشنی میں آ رہی ہے۔

☆☆☆

مدرسہ خیرآباد

برصغیر ہندوپاک میں گیارہویں صدی ہجری کے بعد معقولات کی درس وتدریس کے اکثر سلسلے ملا نظام الدین فرنگی محلی (وفات: ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کے توسط سے آگے بڑھتے ہیں، جو مشہور ''درس نظامی'' کے بانی ہیں، ملا نظام الدین کے تلامذہ میں ان کے صاحبزادے بحرالعلوم ملا عبدالعلی فرنگی محلی (وفات: ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) سے سلسلہ فرنگی محل آگے بڑھا، ملا نظام الدین کے دو اور باکمال شاگرد ملا کمال الدین سہالوی (وفات: ۱۱۷۵ھ/۱۷۶۱ء.)اور ملا حمداللہ سندیلوی (وفات: ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء) تھے، ان دونوں حضرات سے ملا اعلم سندیلوی (وفات: ۱۱۹۸ھ/ ۱۷۸۳ء) نے اخذ علم کیا، ملا اعلم سندیلوی اپنے زمانے کے باکمال مدرس اور معقولی تھے، بقول سید سلیمان ندوی ''فضل وکمال کا یہی وہ نخل بارآور ہے جس سے خیرآباد کی وہ شاخ نکلی ہے، جو پھیل کر خود ایک مستقل سلسلہ بن گئی ،اور جو سلسلہ خیرآباد کے نام سے مشہور ہے''۔ملا محمد اعلم سندیلوی کے تلامذہ میں مولانا عبدالواجد خیرآبادی کا نام اہمیت رکھتا ہے،جن سے مولانا فضل امام خیرآبادی نے کسب فیض کرکے مدرسہ خیرآباد کی بنیاد ڈالی،ان کے قابل فخر فرزند اور علمی جانشین علامہ فضل حق خیرآبادی ہوئے جن کی ذات سے برصغیر میں منطق وفلسفہ اور حکمت وکلام کا ایک مستقل مکتب فکر وجود میں آیا۔سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

> (مولانا فضل امام خیرآبادی)مرحوم کے جانشین ،صاحبزادہ اور شاگرد مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی تھے ،جن کے دم عیسوی نے معقولات میں وہ روح پھونکی کہ ابن سینائے وقت مشہور ہوئے ، دیار واطراف سے طلبہ نے ان کی طرف رجوع کیا اور منطق وفلسفہ کو نئے طور سے ملک میں

رواج دیا، شروح وحواشی کی بڑی بڑی کتابیں جو متأخرین کی نتائج طبع تھیں داخل درس ہوئیں (حیات شبلی: ص۲۳)

علامہ فضل حق خیرآبادی کی تدریسی خدمات اوران کے فیضان علمی کا تذکرہ کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں:

مولانا فضل حق خیرآبادی کے تلامذہ اور تلامذہ در تلامذہ نے سارے ملک میں پھیل کر علوم معقول کو بڑی رونق دی، اور وہ بڑے باکمال مدرس ثابت ہوئے، ان بزرگوں میں سے تین ارباب کمال کی درسگاہوں کو خاص شہرت حاصل ہوئی، مولانا عبدالحق خیرآبادی خلف الصدق مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا برکات احمد بہاری ٹونکی، مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری جونپوری۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی نے رؤسائے رامپور کی قدردانی سے رامپور کو اپنے فضل وکمال سے منور کیا، مولانا برکات احمد صوبہ بہار میں ضلع مونگیر کے ایک گاؤں کے تھے، ان کے والد حکیم دائم علی صاحب ٹونک جاکر رہ گئے تھے، مولانا برکات احمد صاحب نے رئیس ٹونک کی قدرشناسی سے ٹونک کو علم وفن کا مرجع بنایا، مولانا ہدایت اللہ خاں رامپور سے جونپور آئے، اور مدرسہ شیخ امام بخش میں علم وفضل کی مجلس آراستہ کی، ان میں سے ہرایک کی درسگاہ سے سیکڑوں علما تعلیم پاکر نکلے۔ (مرجع سابق: ص۲۳)

چودہویں صدی کے نصف اول تک معقولات کی درس وتدریس کو رونق مدرسہ خیرآباد کے فضلا سے ہی رہی، مولانا عبدالسلام خاں رامپوری لکھتے ہیں:

تیرہویں صدی میں معقولات کی گرم بازاری میں جس طرح اساتذہ فرنگی محل خصوصاً بحرالعلوم، ملاحسن اوران کے تلامذہ ومنتسبین کو دخل رہا ہے، اسی طرح چودہویں صدی میں یہ تسلسل خیرآبادی خاندان اوران کے تلامذہ ومنتسبین سے جاری رہا جو چودہویں صدی کے نصف اول سے کچھ زیادہ پر محیط ہے، مولانا عبدالحق خیرآبادی، شمس العلما مولانا ہدایت علی بریلوی،

مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری، مولانا فضل حق رامپوری، حکیم برکات احمد ٹونکی وغیرہ فضلا اسی صدی کے نصف اول اور اس کے بعد کے لوگ ہیں۔
(برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۵۶)

نصاب تعلیم: مدرسہ خیرآباد کا نصاب تعلیم بالجملہ تو وہی تھا جس کو ملا نظام الدین نے درس نظامی کے نام سے متعارف کروایا تھا، مگر وقت اور ضرورت کے ساتھ ساتھ اس میں خیرآبادی علما نے اضافے بھی کیے، لہٰذا حکیم محمود احمد برکاتی کے بقول مدرسہ خیرآباد کے نصاب تعلیم کو ''نظامی خیرآبادی'' کہنا زیادہ مناسب ہوگا، اس میں کچھ تو متقدمین کی کتب داخل کی گئیں مثلاً شرح اشارات طوسی، محاکمات رازی، افق مبین اور تجرید مع حواشی قدیمہ وجدیدہ وغیرہ اور کچھ خیرآبادی علما کی کتابیں داخل درس ہوئیں مثلاً مرقات (فضل امام خیرآبادی) ہدیہ سعیدیہ (فضل حق خیرآبادی) شرح مرقات، شرح ہدایت الحکمت، شرح مسلم الثبوت (عبدالحق خیرآبادی) وغیرہ، بعض مخصوص اور ذہین طلبہ کو علامہ کا حاشیہ افق مبین اور حواشی تلخیص الشفا بھی پڑھائے جاتے تھے۔ زواہد ثلاثہ☆ بھی خیرآبادی علما کی مخصوص درسی کتابیں تھیں، زواہد ثلاثہ کے ساتھ بحرالعلوم کے حواشی بھی پڑھائے جاتے تھے۔

علمائے خیرآباد گوکہ معقول ومنقول کے جامع ہوا کرتے تھے مگر مدرسہ خیرآباد کے نصاب تعلیم پر معقولیت کا رنگ غالب تھا، اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ عام طور پر طلبہ مدرسہ خیرآباد سے فراغت کے بعد علوم نقلیہ بالخصوص حدیث وتفسیر کی تحصیل کے لیے کسی دوسری درسگاہ کا رخ کیا کرتے تھے، مگر یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں تھا بلکہ بہت سے خیرآبادی افاضل کی درسگاہوں میں معقول ومنقول دونوں کا درس پوری مہارت اور محققانہ شان سے جاری ہوتا تھا، مثال کے طور پر تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی، مولانا برکات احمد ٹونکی اور مولانا امجد علی اعظمی کی درسگاہوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

مدرسہ خیرآباد کے عناصر اربعہ: علامہ فضل حق خیرآبادی کے بے شمار تلامذہ اپنی اپنی جگہ افق درس وتدریس پر آفتاب وماہتاب بن کر چمکے، اور ہر ایک کی درسگاہ سے علما وفضلا کی ایک جماعت

☆ علامہ میر زاہد ہروی کے تین حواشی حاشیہ رسالہ قطبیہ، حاشیہ ملا جلال اور حاشیہ امور عامہ کو زواہد ثلاثہ کہا جاتا ہے، ان حواشی کا تعارف آگے کسی مقام پر آرہا ہے۔

فارغ ہو کر نکلی، مگر ان تمام تلامذہ میں علامہ کے چار شاگردوں کی درسگاہیں شہرۂ آفاق ہوئیں۔

(۱) علامہ کے صاحبزادے مولانا عبدالحق خیرآبادی

(۲) تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی

(۳) استاذ العلما مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری

(۴) مولانا فیض الحسن سہارنپوری

ان چاروں حضرات کی درسگاہوں سے مدرسہ خیرآباد کا فیض علم وفضل آفاق میں پھیل گیا، پھر ان حضرات کی درسگاہوں نے بھی ایسے ایسے کاملان فن پیدا کیے جن کی درسگاہیں خود اپنے زمانوں میں طلبہ کا مرکز توجہ بن گئیں، مولانا عبدالحق خیرآبادی کی درسگاہ سے سیکڑوں طلبہ نے استفادہ کیا اور اپنے اپنے وقتوں میں علم وفن کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ ان کے تلمیذ راشد مولانا برکات احمد ٹونکی اس اعتبار سے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں کہ انہوں نے ''مدرسہ ٹونک'' کی بنیاد ڈالی جہاں سے علما کی ایک پوری فوج تیار ہو کر نکلی۔ ان کے تلامذہ میں علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری گوناگوں خوبیوں کے مالک ثابت ہوئے، انہوں نے بھی ہندوستان کے طول وعرض میں کئی جگہ اپنی درسگاہ آراستہ کی اور ایسے ایسے فاضل پیدا کیے جو خود اپنے اندر علم وفضل کی ایک انجمن ثابت ہوئے۔

اسی طرح تاج الفحول نے مدرسہ قادریہ بدایوں میں بیٹھ کر خیرآبادی فیضان علم کو عام کیا، آپ کے تلامذہ میں آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی اور مولانا محبّ احمد قادری بدایونی کی درسگاہیں اپنے زمانے میں شہرۂ آفاق ہوئیں اور ایک زمانے نے ان سے استفادہ کیا، ان دونوں حضرات کے تلامذہ نے آگے چل کر مدرسہ قادریہ کے تعلیمی کارواں کو آگے بڑھایا اور مدرسہ قادریہ غیر منقسم ہندوپاک میں علم وفضل اور تعلیم وتعلم کا ایک شجر سایہ دار تسلیم کیا گیا، رب قدیر ومقتدر کے فضل اور اس کی توفیق سے یہ ادارہ آج بھی طالبان علم معقول ومنقول کی خدمت کر رہا ہے، یہ بے بضاعت راقم الحروف اسی مدرسے میں درس نظامی وخیرآبادی کے ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے۔

مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری نے کچھ عرصہ مدرسہ عالیہ رامپور میں درس دیا، پھر جونپور

میں برسہابرس تدریس کرتے رہے، یہ سلسلہ آپ کی وفات پر ہی ختم ہوا، آپ کے حلقہ درس سے ایسے ایسے کاملین روزگار پیدا ہوئے جو خود صاحب مدرسہ تسلیم کیے گئے، آپ کے تلمیذ رشید مولانا امجد علی اعظمی اپنے زمانے میں درس نظامی کے بہترین مدرس ہوئے، اور انہوں نے ایک مستقل دبستان درس وتدریس کی بنیاد ڈالی جس کو ہم مدرسہ امجدیہ کہہ سکتے ہیں، اس مدرسے نے بھی معقول ومنقول دونوں میدانوں کے ایسے ایسے شہسوار پیدا کیے کہ زمانہ ان پر ناز کرتا ہے، مدرسہ امجدیہ کے بے شمار فارغین میں مولانا عبدالعزیز مرادآبادی کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، جنہوں نے ''مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم'' نام کے ایک چھوٹے سے مدرسے میں اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا جو بالآخر الجامعۃ الاشرفیہ (مبارکپور اعظم گڑھ) جیسی عظیم درسگاہ پر جاکر ختم ہوا، یہ ادارہ آج برصغیر ہندوپاک کے چند بڑے دینی تعلیمی اداروں میں سے ایک ہے اور آج بھی خیرآبادی فیضان پوری آب وتاب کے ساتھ یہاں سے جاری ہے۔

مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری کے تلامذہ میں ایک اہم نام مولانا یار محمد بندیالوی کا بھی ہے، جن کے شاگرد ملک المدرسین مولانا عطا محمد بندیالوی ہوئے، آخری دور میں مولانا عطا محمد بندیالوی مدرسہ خیرآبادکی آبرو قرار پائے، آپ کے شاگرد مولانا شاہ حسین گردیزی نے درست لکھا کہ:

> خیرآباد کی جانشینی کا ادعا آپ ہی کو زیب دیتا ہے، لاریب علم کے اس دور انحطاط میں آپ کا وجود مسعود خیرآباد کا روشن چراغ ہے (تجلیات مہر انور: ص ۵۷۰)

گزشتہ تیس چالیس برس میں پاکستان کے علمی افق پر جتنے بھی آفتاب وماہتاب درخشاں نظر آتے ہیں ان میں سے اکثر کا علمی شجرہ نسب مدرسہ بندیال تک پہنچتا ہے۔

مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے دیگر سیکڑوں افراد کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی نے علوم عربیہ میں خصوصی استفادہ کیا، یہ استفادہ اتنا جامع اور مکمل تھا کہ اس سلسلے کے کچھ واقعات لکھنے کے بعد علامہ شبلی کے شاگرد سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

> غرض اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مولانا فیض الحسن صاحب کے قلیل المدت درس کا نقش علامہ مرحوم (شبلی) پر کس قدر گہرا پڑا تھا، یہی وجہ تھی کہ استاذ مرحوم کو اپنے اساتذہ میں سے مولانا فیض الحسن صاحب کے ساتھ

مخصوص شیفتگی تھی۔ (حیات شبلی: ص۸۴)

علامہ شبلی کے مخصوص افکار و نظریات سے قطع نظر وہ خود ایک وسیع الحلقہ مدرس تھے، ندوۃ العلما کے زمانے میں ان سے علوم عربیہ اور دیگر فنون میں صدہا افراد نے استفادہ کیا، جن کے تلامذہ در تلامذہ آج بھی ملک کے طول و عرض میں موجود ہیں، ان حضرات کے شجر علمی کی جڑیں بھی علامہ شبلی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے ہوتے ہوئے مدرسہ خیرآباد تک پہنچتی ہیں۔

ان کے علاوہ علامہ کے شاگرد مولانا عبدالعلی خاں رامپوری سے مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی تک ،مولانا خیرالدین کے توسط سے مولانا ابوالکلام آزاد تک اور مولانا نادرالدین (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) کے توسط سے مولانا عبدالقدیر صدیقی حیدرآبادی سے ہوتا ہوا جنوب ہند تک مدرسہ خیرآباد کا فیضان علمی پہنچا۔☆

مدرسہ خیرآباد کے فیضان علمی کے تذکرے کو میں اس شعر پر ختم کرتا ہوں کہ

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

☆☆☆

☆ مدرسہ خیرآباد کی اس تفصیل کے بعد غالباً ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کے اس ریمارک پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ: ''علامہ محمد فضل حق خیرآبادی نے ایک کامل درجے کی مدرسانہ زندگی نہیں گزاری'' (علامہ فضل حق خیرآبادی اور جہاد آزادی: ص۱۸۰، بحوالہ علامہ محمد فضل حق خیرآبادی: ص٦٦)

خیرآبادی علما کا طریقہ درس اوراس کی خصوصیات

خیرآبادی علما اپنا ایک مخصوص طریقہ درس رکھتے تھے، جو ان کو دوسری درسگاہوں سے ممتاز کرتا ہے، طریقہ درس کے سلسلہ میں کچھ باتیں تمام خیرآبادی علما میں مشترک ہیں، اور کچھ خصوصیات شخصی طور پر کچھ اساتذہ نے اختیار کیں، پھر وہی خصوصیات ان کے تلامذہ میں منتقل ہوئیں۔

خیرآبادی طریقہ درس اوراس کی خصوصیات کے بارے میں مولانا سید نجم الحسن خیرآبادی فرماتے ہیں:

> اساتذہ خیرآباد کے طریق تعلیم کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ طالب علم کو کتاب کی چار دیواری میں مقید نہیں کرتے ہیں، بلکہ مسائل فن کو اس طرح ذہن نشین کرادیتے ہیں جس سے طالب علم کے اندر مجتہدانہ استعداد پیدا ہوجاتی ہے، وہ مقلد محض بن کر نہیں رہتا بلکہ بہ نظر دقیق ہر چیز کا تجزیہ کرتا ہے، اس کے برخلاف دوسرے اساتذہ عبارت پڑھوانے کے بعد ترجمہ کراتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی مطلب بھی بیان کرتے جاتے ہیں، لیکن اساتذۂ خیرآباد بقدر ضرورت عبارت کا ایک حصہ پڑھوانے کے بعد مسئلہ کی تقریر کر کے اس کے تمام پہلو طالب علم کے ذہن نشین کروادیتے ہیں، اس کے بعد ترجمہ کراتے ہیں تاکہ کتاب سے بھی مطابقت ہوجائے اور عبارت کی پیچیدگیاں دور ہوجائیں (مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت: ص ۱۶/۱۵)

مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی مدرسہ خیرآباد کے طریقہ تدریس کے بارے میں لکھتے ہیں:

سلسلہ خیر آباد میں عبارت پڑھوا کر خلاصہ مطلب بیان کیا جاتا ہے، اس کے بعد ترجمہ کرا کے لفظی مباحث کے بجائے تحقیق مسائل پر زور دیا جاتا ہے، یہ طریقہ زیادہ نافع اور باعث تسکین خاطر طلبہ ہے (باغی ہندوستان: ص ۱۸۶)

مولانا امجد علی اعظمی اپنے استاذ مولانا ہدایت اللہ رامپوری (تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی) کے طریقہ درس کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

ان کا مخصوص طلبہ کے ساتھ طریق تعلیم یہ تھا کہ سارا بوجھ طالب علم کے ذمہ ہوتا تھا، خود صرف اغلاط پر تنبیہ فرمایا کرتے تھے، نہ عبارت پڑھنے میں طالب علم کو کوئی مدد پہنچاتے تھے، نہ ترجمہ کرنے میں، اگر طالب علم نے عبارت غلط پڑھ دی یا ترجمہ غلط کیا تو اس عبارت کے غلط پڑھنے یا ترجمہ غلط کرنے کی وجہ دریافت کرتے کہ یہاں ایسا کیوں پڑھا؟ غرض یہ کہ طالب علم کو اپنی کوشش سے عبارت کو صحیح کرنا پڑتا تھا اور ترجمہ بھی عبارت کے مطابق کرنا پڑتا تھا، یہ تو معمولی باتیں ہیں جن کو بعض دیگر اساتذہ بھی برت لیا کرتے تھے، اگرچہ یہ اس زمانے میں بھی نادر تھا، مگر مولانا کی یہ خصوصیت خاصہ تھی کہ کتاب فہمی کا پورا بار طالب علم کے سر پر رکھا کرتے تھے، جس طرح کہ عموماً اساتذہ کا دستور ہے کہ تقریر کیا کرتے ہیں اور اپنی تقریر سے مضمون کو طلبہ کے ذہن نشین کیا کرتے ہیں، ان کے یہاں ایسا نہ تھا بلکہ طالب علم کو مطالعہ ایسا کرنا پڑتا تھا کہ کتاب کا پورا مضمون مطالعہ ہی کے ذریعے ذہن نشین ہوتا اور استاذ کے پاس سبق میں مطالعہ میں سمجھا ہوا مضمون پیش کرنا پڑتا، اگر صحیح ہے فبہا اور غلطی ہو تو اگر وہ اس کی استعداد سے زائد ہے تو مولانا اپنی تقریر سے طالب علم کی غلطی کا ازالہ فرماتے اور صحیح مطلب ذہن نشین کراتے اور ایسی غلطی ہوتی جو اس طالب علم کے لیے نہیں ہونی چاہیے تھی تو حضرت مولانا اس کی تقریر پر اعتراض کر دیا کرتے

اور یہ بتاتے کہ کتاب کے اس لفظ سے یہ مضمون کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟
طالب علم کو اپنے سبق میں یہ بھی بتانا پڑتا کہ مصنف نے یہ کہا تھا اس پر شارح نے یہ کہااور محشی نے یہ ،یعنی مضمون کا پورا سلسلہ اور مصنف، شارح،اور محشین کے اقوال کا ماحصل بتانااوران میں فرق دکھانا اگر کچھ فرق ہوضروری ہوا کرتا تھا۔(حیات صدرالشریعہ:ص۲۱)

مولانا حبیب الرحمٰن قادری بدایونی مدرسہ قادریہ کے فاضل اور خیرآبادی سلسلے کے ایک نامور فرزند تھے ان کے طریقہ درس کے بارے میں ان کے تلمیذ مولانا عبدالہادی قادری بدایونی لکھتے ہیں:

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن قادری (علیہ الرحمہ) کا طریق درس یہ ہے کہ طالب علم سے عبارت پڑھواتے ہیں (تھے) پھر مسئلہ پر تقریر فرماتے ہیں، پھر سوال کرتے ہیں کہ ''سمجھ گئے؟'' پھر ارشاد ہوتا ہے اب آہستہ آہستہ عبارت پڑھواور غور کرو کہ جومطالب میں نے بیان کیے ہیں وہ اس عبارت سے سمجھ میں آرہے ہیں یانہیں،ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ترجمہ کرنے کی عادت پڑگئی تو عربی عبارت کبھی سمجھ میں نہیں آئے گی۔(مقدمہ خمیازۂ حیات:ص۲۲)

مولانا فضل حق رامپوری نے بھی خیرآبادی طریقہ درس کی یہ خصوصیت بیان کی ہے فرماتے ہیں:

خیرآبادی فضلا صرف تقریر کرتے تھے اور ترجمہ کرانا اور اور تقریر کو منطبق کرانا اپنے آپ سے فروتر اور معلمین کا پیشہ سمجھتے تھے(برصغیر کے علمائے معقولات:ص۷۸)

مولانا فضل حق رامپوری کے شاگرد مولانا عبدالسلام خاں رامپوری مولانا عبدالحق خیرآبادی کے طریق درس کے بارے میں لکھتے ہیں:

مولانا کے درس کی یہ صورت تھی کہ طالب علم عبارت پڑھتا اور مولانا تقریر کرتے، تقریر کو عبارت پر چسپاں کرنا مولانا کا طریق درس نہ تھا(مرجع سابق،ص۶۹)

خیرآبادی علما کے بارے میں ایک اہم بات یہ بھی ملتی ہے کہ زیر تدریس کتاب خواہ بالکل ابتدائی

درجہ ہی کی کیوں نہ ہواس کو بھی بغیر مطالعہ کے نہیں پڑھاتے تھے،اوراس کو وہ اپنے اساتذہ خیرآباد کی ''سنت'' سمجھتے تھے،حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

مطالعہ غالباً صرف خیرآبادی سلسلہ کی مخصوص اصطلاح ہے ،استاذ اور شاگرد کے لیے یہ لازمی تھا کہ وہ زیر تعلیم و متعلم کتاب کا بقدر درس پہلے مطالعہ کر لیں ،اس کا اس قدر اہتمام والتزام کیا جاتا تھا کہ ابتدائی کتابوں تک کے درس سے پہلے مطالعہ کر لینا اساتذہ نے اپنے اوپر فرض کر رکھا تھا،اور جس روز اس کا موقعہ نہیں ملتا صبح بے تکلف کہہ دیتے تھے کہ آج سبق نہیں ہوگا رات مطالعہ نہیں کر سکا۔(مولانا معین الدین اجمیری کردار وافکار:ص ۲۸/۲۹)

مولانا عبدالحق خیرآبادی کے بارے میں حکیم صاحب لکھتے ہیں:

علامہ عبدالحق کو نحو کی کافیہ لابن حاجب کے درس کا ذوق تھا،اس کی شرح (تسہیل الکافیہ) بھی لکھی تھی،مگراس کا درس بھی مطالعہ کے بغیر نہیں دیتے تھے(مرجع سابق:۲۹)

مولانا برکات احمد ٹونکی کے بارے میں ان کے تلمیذ مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

بغیر مطالعہ کے حضرت شرح تہذیب وقطبی جیسی آسان ابتدائی کتابیں مشکل ہی سے پڑھاتے ،فرماتے تھے کہ بغیر دیکھے ہوئے کسی کتاب کا درس جائز نہیں ہے(حیات مولانا حکیم سید برکات احمد:ص ۵۷)

دور آخر میں خیرآبادی درس گاہ کی آبرو مولانا عطا محمد بندیالوی کے بارے میں ان کے تلمیذ رشید مولانا عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں:

بیسوں دفعہ درسی کتب پڑھانے کے باوجود ہر کتاب باقاعدہ مطالعہ کر کے پڑھاتے ہیں، پھر یہی نہیں کہ کتاب پر ایک سرسری نگاہ ڈال لی بلکہ نظر غائر سے مطالعہ فرماتے ہیں(تجلیات مہرانور:ص ۵۷۰/۵۷۱)

یہی بات میں نے دیگر اساتذہ خیرآباد کے بارے میں بھی پڑھی اور اپنے اساتذہ سے سنی ہے

۔اسی طرح اساتذہ خیرآباد اپنے طلبہ کو بھی مطالعہ کر کے آنے کی سخت تاکید کیا کرتے تھے،اس سلسلہ میں اپنے استاذ کے بارے میں مولانا امجد علی اعظمی کا بیان گزشتہ صفحات میں گزرا،مولانا عبدالحکیم شرف قادری اپنے استاذ مولانا عطامحمد بندیاوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> طلبہ سے مطالعہ کی سخت پابندی کرواتے ہیں کسی طالب علم کے متعلق اگر یہ محسوس کرلیں کہ اس نے پوری طرح مطالعہ نہیں کیا ہے تو اسے اچھی خاصی سرزنش فرماتے ہیں،اس لیے آپ کے یہاں غیر محنتی طالب علم کی بہت کم گنجائش ہوتی ہے(مرجع سابق:ص ۱۷۵)

طلبہ کے اوپر خیرآبادی اساتذہ کی بے پناہ شفقت بھی اپنے اندر ایک الگ شان رکھتی ہے،آئندہ سطور میں،ہم مدرسہ خیرآباد کے اس پہلو پر روشنی ڈالیں گے۔

☆☆☆

خیرآبادی اساتذہ کی شفقت

مدرسہ خیرآباد کی ایک امتیازی خصوصیت اساتذہ کی طلبہ کے ساتھ شفقت ومحبت ہے، اساتذہ خیرآباد اپنے طلبہ کو اپنی اولاد سے کم نہیں سمجھتے تھے،ان کی تمام ضروریات کا خیال رکھتے، اورتعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بڑی توجہ دیتے تھے،مولانا معین الدین اجمیری کے شاگرد مولانا اسرائیل پشاوری لکھتے ہیں:

> ہندوستان کے اکثر علما اپنے شاگردوں پرانتہائی شفقت اور بے حد مہربانی فرمایا کرتے تھے،مگر خاندان عالیہ خیرآبادیہ کے علما تو بالخصوص انہیں اپنی اولاد سمجھتے تھے، اوراپنی حویلی ،مکان، یا قریبی جگہ میں ٹھہرایا کرتے تھے، کیوں کہ ان کا مقصد صرف پڑھنا نہیں تھا ساتھ ساتھ صحیح تربیت بھی ہوتی تھی۔(مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت:ص ۹۷)

شفقت ومحبت کا یہ انداز بانی مدرسہ خیرآباد مولانا فضل امام خیرآبادی سے چلا آرہا ہے،ان کی تربیت وتعلیم کا نتیجہ تھا کہ یہ شفقت ومحبت خیرآبادی اساتذہ میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی، حضرت غوث علی شاہ پانی پتی (ولادت:۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء۔وفات:۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) مولانا فضل امام خیرآبادی کے تلمیذ ہیں،اپنے استاذ اوران کی اہلیہ کی شفقتوں کو یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> یہ(مولانا فضل امام خیرآبادی) مبرور مغفور ہمارے حال پرنہایت شفقت فرماتے تھے،اوران کی اہلیہ کو بھی مثل مادر مشفقہ محبت تھی حتیٰ کہ بغیر ہمارے کھانا تناول نہ فرمایا کرتی تھیں،ہم ان کے ساتھ پٹیالہ بھی گئے اورضروری کتب دینیہ اور منطق پڑھتے رہے جب وہ عالم قدس کورحلت فرما ہوئے تو

ہم کونہایت رنج والم ہوااس دن سے کتابیں بالائے طاق رکھ دیں کہ نہ اس شفقت سے کوئی پڑھائے گا نہ ہم پڑھیں گے۔(تذکرہ غوثیہ:ص۱۷)

مولانا فضل امام خیرآبادی نے اپنے طلبہ سے شفقت ومحبت کرنے کی تربیت کس طرح اپنے فرزند وجانشین علامہ فضل حق کو دی اس کا احوال بھی غوث علی شاہ نے لکھا ہے، علامہ فضل حق خیرآبادی درسیات سے فارغ ہوئے تو والد کے حکم سے مسند درس کو رونق بخشی،مولانا فضل امام نے ایک طالب علم کو علامہ کے پاس سبق پڑھنے بھیجا، یہ طالب علم درازعمر اور کند ذہن تھے،علامہ نوخیز، نازک مزاج اور ذہین وفطین،سبق پڑھانے کے دوران جھنجلا گئے ، غصے سے کتاب اٹھا کر پھینک دی اور طالب علم کو برا بھلا کہہ کر درس سے نکال دیا، طالب علم روتا ہوا مولانا فضل امام کے پاس پہنچا اور شکایت کی،مولانا فضل امام نے علامہ کو بلایا،غوث علی شاہ جواس واقعے کے عینی شاہد ہیں فرماتے ہیں:

مولوی فضل حق صاحب آئے اور دست بستہ کھڑے ہوگئے مولانا (فضل امام) صاحب نے ایک تھپڑ دیا ایسے زور سے کہ ان کی دستار فضیلت دور جا پڑی اور فرمانے لگے کہ تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، ناز ونعمت میں پرورش پائی،جس کے سامنے کتاب رکھی اس نے خاطر داری سے پڑھایا، طالب علموں کی قدر ومنزلت (تو) کیا جانے ،اگر مسافرت کرتا بھیک مانگتا اور طالب علم بنتا تو حقیقت معلوم ہوتی ارے طالب علمی کی قدر ہم سے پوچھ......خبر دارتم جانو گے اگر آئندہ ہمارے طالب علموں کو کچھ کہا، یہ چپ کھڑے روتے رہے، کچھ دم نہ مارا ،خیر قصہ رفع دفع ہوا ،لیکن پھر کسی طالب علم کو کچھ نہ کہا(تذکرہ غوثیہ:ص۱۳۰)

مولانا فضل امام کی یہی وہ تربیت تھی جو آگے چل کر خیرآبادی مدرسہ کی خصوصیت بن گئی،علامہ فضل حق خیرآبادی کے بارے میں ان کے تلمیذ مولانا عبداللہ بلگرامی لکھتے ہیں:

وکان رحمہ اللہ رؤفاً بالطلاب حریصاً علیٰ تدریس اولی الافھام والالباب(التحفۃ العلمیۃ حاشیہ ہدیہ سعیدیہ:۲۹)

ترجمہ: آپ طلبہ پر بہت شفیق، اور ذہین طلبہ پر نہایت مہربان تھے۔

آگے لکھتے ہیں:

ویسوی بین ولدہ وفلذۃ کبدہ وبین احد من الطلبۃ فی الرشاد والتعلیم (مرجع سابق)

ترجمہ: تعلیم وارشاد کے باب میں اپنے بیٹے اور جگر گوشے اور عام طلبہ کو برابر سمجھتے تھے، (یعنی کوئی فرق نہیں کرتے تھے)

استاذ کی یہی وہ شفقت ومحبت تھی جس سے طلبہ ایسے گرویدہ ہو جاتے تھے کہ تعلیم مکمل ہونے کے باوجود بھی برسہا برس استاذ کی خدمت میں رہتے تھے، علامہ کے شاگرد مولانا ہدایت اللہ رامپوری ایسے ہی طلبہ میں تھے، علامہ جب ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء میں رامپور پہنچے تو مولانا ہدایت اللہ صاحب علامہ کے حلقہ درس میں شامل ہوئے، یہاں علامہ تقریباً ۷/۸ برس رہے، رامپور سے علامہ لکھنؤ اور وہاں سے الور گئے، مگر مولانا ہدایت اللہ نے علامہ کا ساتھ نہ چھوڑا، اور اس وقت تک علامہ کی خدمت رہے جب تک علامہ قید کر کے انڈمان نہ بھیج دئے گئے۔

مولانا ہدایت اللہ رامپوری خود اپنے طلبہ پر بہت شفقت فرماتے تھے، جو طلبہ ذہین اور محنتی ہوتے تھے ان کے ساتھ خصوصیت سے شفقت کا معاملہ کرتے تھے، ان کے تلمیذ مولانا امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

حضرت مولانا عموماً جملہ طلبہ کے ساتھ نہایت شفقت ومہربانی فرماتے اور خصوصیت کے ساتھ مولانا محمد صدیق اور مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری، ان صاحبوں پر مخصوص کرم تھا (حیات صدر الشریعہ: ص۲۳)

مولانا عبدالحق اپنی تمام تر نازک مزاجی بلکہ تنک مزاجی کے باوجود اپنے تلامذہ پر بے حد شفیق تھے، ان کی طلبہ پر شفقت ومحبت کا تذکرہ باغی ہندوستان میں شیروانی صاحب نے کیا ہے، مولانا عبدالحق کے شاگرد مولانا برکات احمد ٹونکی کے بارے میں ان کے تلمیذ سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

صحبتوں میں وہ ایک مہربان دوست سے زیادہ معلوم نہیں ہوتے تھے، غیر درسی مجلسوں میں ہر قسم کے ذکر واذکار بلکہ کبھی کبھی کسی طالب علم سے

ظرافت بھی فرمالیا کرتے ،تواضع کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی وجہ سے کسی طالب العلم پر آپ خفا بھی ہوتے تو تھوڑی دیر بعد آپ کو منفعلانہ افسوس ہوتا اور اس کی تلافی کی کوئی نہ کوئی صورت پیدا فرمالیتے (حیات مولانا حکیم برکات احمد:ص ۵۶)

ایک مرتبہ غصے میں کسی سرحدی طالب علم کو اثنائے درس کچھ سخت سست کہہ دیا، وہ طالب علم خفا ہوکر درس گاہ سے اٹھ کر چلا گیا، مولانا گیلانی لکھتے ہیں:

اس وقت تو بات یوں ہی ہوگئی، مغرب کے بعد میں نے تاریکی میں دیکھا کہ کوئی آدمی اس کے حجرے میں داخل ہوا، اور مولوی ابوالبشر سے مرضاۃ بلکہ معافی کے کلمات کہہ رہا ہے، غور کیا تو وہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ تھے، اس تواضع اور انکسار پر دل نے عبرتوں کا ایک سبق حاصل کیا (مرجع سابق:ص ۵۷)

مولانا برکات احمد کے تلمیذ علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے بارے میں بھی یہی بات ان کے شاگرد مولانا نجم الحسن خیر آبادی نے لکھی ہے:

اگر کبھی کسی طالب علم سے ناراض ہوجاتے تھے تو دوسرے وقت اس کی پوری دلجوئی فرماتے تھے (مولانا معین الدین تلامذہ کا خراج عقیدت:ص ۲۶)

مزید فرماتے ہیں:

طلبہ کے حال پر شفقت وکرم کا یہ عالم تھا کہ دو ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مولانا اپنے دست مبارک سے کھانے کی سینی لے کر آئے ہیں (مولانا معین الدین تلامذہ کا خراج عقیدت:ص ۲۵)

مولانا برکات احمد اور مولانا معین الدین اجمیری کا ایک واقعہ اور پڑھ لیں جس سے استاذ کی اپنے شاگرد پر شفقت اور اس کی صلاحیتوں پر اعتماد کی ایک جھلک نظر آتی ہے، مولانا برکات احمد کے مدرسے میں سالانہ امتحان تھا، حسب روایت کوئی صاحب باہر سے امتحان لینے کے لیے آئے تھے، دستور کے مطابق امتحان گاہ میں استاذ مولانا برکات احمد، تمام طلبہ اور بعض طلبہ کے والدین بھی موجود تھے، مولانا معین الدین اجمیری کی باری آئی تو انہوں نے نہایت عمدگی، اعتماد اور بے

تکلفی سے جوابات دئے،اس پر استاذ مولانا برکات احمد اور مولانا اجمیری کے والد مولوی عبدالرحمٰن سمیت سبھی حاضرین بہت خوش ہوئے،مگر طالب علم کی یہ حاضر جوابی اور خود اعتمادی ممتحن کو گراں گزری،انہوں نے زیر امتحان کتاب کے معیار سے بلند سوالات پوچھنا شروع کر دیے، یہ سوالات اگر چہ مولانا معین الدین کی پڑھی ہوئی کتاب کے نہیں تھے،مگر پھر بھی انہوں نے شافی جواب دیا،اس کے بعد ممتحن نے مولانا کا امتحان ختم کیا اوران کو جانے کی اجازت دی، آگے کا حال حکیم محمود احمد برکاتی کے الفاظ میں پڑھیے:

> اب مولانا جواس صورت حال اور ممتحن کے اس طرز عمل پر برہم ہو چکے تھے کہ یہ طالب علم کے ساتھ زیادتی ہے، ممتحن سے مخاطب ہوئے کہ ''ابھی سوالات کا سلسلہ بند نہ کیجیے اور پوچھیے جو کچھ پوچھنا چاہیں پوچھیے، یہ سب کے جوابات دے گا اور اگر یہ جواب نہ دے سکا تو میں اسی محفل میں ذبح کر دوں گا'' یہ تھا اپنے طلبہ پر اعتماد، یہ تھی محبت کہ ان کے ساتھ ممتحن کی زیادتی پر برہم ہوئے ،ان کو ملال ہوا اور عالم جلال میں طالب علم کے والد کے سامنے یہ اعلان کر گئے کہ ''اگر یہ جواب نہ دے سکا تو میں اسے اسی محفل میں ذبح کر دوں گا'' (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم :ص ۱۲۵/۱۲۶)

مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھوی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) بھی اپنے طلبہ پر نہایت شفیق ومہربان تھے،حضرت مولانا عبدالقدیر بدایونی رامپور میں سید صاحب کی خدمت میں معقولات کی تحصیل کرنے گئے تو آپ کے ساتھ آپ کے طلبہ بھی گئے، حضرت دن میں سید صاحب سے پڑھتے تھے،اور خالی اوقات میں اپنے طلبہ کو پڑھاتے تھے،اسی دوران یونیورسٹی کے امتحانات کا زمانہ آگیا،حضرت نے طلبہ کو خرچہ دے کر دہلی روانہ کیا،اب آپ کے پاس رقم ختم ہوگئی تو ملازم کو بدایوں بھیجا کہ اور رقم لے کر آجائے، ملازم بدایوں آیا تو اس نے سوچا جب آیا ہوں تو دو ایک روز اپنے گاؤں بھی رہ لوں، ادھر حضرت کے پاس پیسے ختم ہو گئے ،اور فاقوں کی نوبت آگئی،مگر درس ترک نہیں کیا، چہرے سے کمزوری کے آثار ظاہر ہونے لگے،استاذ مولانا سید عبدالعزیز نے بھانپ لیا درس کے بعد فرمایا کہ آؤ آج تمہاری قیام گاہ پر چلیں،آگے کا واقعہ مولانا عبدالہادی

بدایونی کے الفاظ میں سنیں جن کا کہنا ہے کہ مجھے یہ واقعہ خود میرے والد مولانا عبدالقدیر بدایونی نے سنایا، جب حضرت مولانا عبدالقدیر بدایونی اور ان کے استاذ مولانا سید عبدالعزیز حضرت کی قیام گاہ پر پہنچے تو:

> وہاں دروازہ پر قفل تھا، انھوں نے بڑھ کر قفل کھولا، استاذ نے پوچھا تمہارے شاگرد کہاں ہیں؟ عرض کیا امتحان دینے دہلی گئے ہیں، استاذ نے پوچھا اور ملازم؟ عرض کیا وہ کام سے بدایوں گیا ہے۔ استاذ نے سارا معاملہ سمجھ لیا اور کہا اچھا تم بیٹھو، وہ اپنے گھر گئے وہاں سے کھانا لے کر آئے اور خود کھلایا اور فرمایا مجھ سے کیوں نہ کہا؟ ایسی تکلیف کیوں اٹھائی؟ اور جب تک ملازم بدایوں سے واپس نہ آیا استاذ المولوی (مولانا عبدالقدیر بدایونی) کے کھانے کا انتظام کرتے رہے۔ (احوال ومقامات: ص۵۴)

یہ ہے خیرآبادی اساتذہ کی اپنے طلبہ کے ساتھ شفقت ومحبت، جس کو مدرسہ خیرآباد کا امتیاز کہا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

خیرآبادی تلامذہ کی عقیدت

خیرآبادی اساتذہ کا اپنے شاگردوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا معاملہ آپ نے دیکھ لیا، جب خیرآبادی اساتذہ اس انداز میں اپنے شاگردوں کو نوازا کرتے تھے تو تلامذہ بھی ان کے بندۂ بے دام ہو جاتے تھے، اور ایک خیرآبادی تلمیذ اپنے استاذ سے اتنی ہی عقیدت و محبت رکھتا تھا جتنا ایک مرید اپنے پیر سے رکھتا ہے، بقول مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی:

> اسی طرز تعلیم اور شفقت کا یہ نتیجہ ہے کہ شاگرد اپنے استاذ کا عاشق وفدا کار نظر آتا ہے، ایک جاں نثار مرید کو اپنے پیر سے اتنی ہی عقیدت ہو سکتی ہے جتنی سلسلہ خیرآباد کے تلامذہ کو اپنے اساتذہ سے ہوا کرتی ہے (باغی ہندوستاں: ص ۱۸۶)

یہ اساتذہ سے محبت وعقیدت کا ہی کرشمہ ہے کہ بہت سے خیرآبادی افاضل عقیدہ و مسلک کے باب میں اپنا انتساب خیرآباد کی طرف کیا کرتے تھے اور خود کو فخریہ ''خیرآبادی'' کہا اور لکھا کرتے تھے، علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے شاگرد مولانا محمد اسرائیل پشاوری کے بارے میں حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

> مولانا اسرائیل اپنے مکتب فکر (خیرآباد) سے شیفتگی کی بنا پر اپنے نام کے ساتھ مستقلاً ''خیرآبادی'' لکھا کرتے تھے (مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت: ص ۸)

مولانا معین الدین اجمیری کے ایک دوسرے شاگرد شیخ الاسلام خواجہ قمرالدین سیالوی کے بارے میں ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی (ابن مولانا عبدالحکیم شرف قادری پاکستان) نے راقم کو بتایا کہ ایک بار کسی نے آپ سے آپ کے مسلک کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ

''میں خیرآبادی ہوں''۔

مولانا ہدایت اللہ رامپوری: مولانا ہدایت اللہ رامپوری (تلمیذ علامہ فضل حق خیرآبادی) اپنے استاذ زادے مولانا عبدالحق خیرآبادی سے کیسی والہانہ محبت کرتے تھے اس کی ایک جھلک مولانا برکات احمد ٹونکی کے صاحبزادے حکیم سید محمد احمد ٹونکی کی اس تحریر میں ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں:

استاذ کی یاد سے مجبور ہو کر ہر چند مہینے بعد مولانا عبدالحق (اپنے استاذ زادے) کے یہاں چلے آتے تھے اور فرماتے ''باز گو از نجد و یاران نجد'' مولانا عبدالحق بھی ان کا بڑا احترام فرماتے تھے اور انہیں اپنے حلقے کا قابل فخر رکن سمجھتے تھے، مگر ان کی فرمائش سے مجبور ہو کر سبق پڑھانے بیٹھ جاتے، مولانا عبدالحق مسند درس پر بیٹھتے اور مولانا ہدایت اللہ خاں حلقہ تلامذہ میں کتاب کھول کر بیٹھتے، دوسرے علما اور مدرسین بھی دور دور سے مولانا ہدایت اللہ کی آمد کی خبر سن کر آجاتے تھے، اور حلقۂ درس آراستہ ہو جاتا تھا مولانا عبدالحق خاص طور پر تیاری کر کے سبق پڑھانے بیٹھتے، تقریر درس کے بعد مولانا ہدایت اللہ خاں اپنے شبہات پیش کرتے مولانا عبدالحق جواب دیتے یہ سلسلہ گھنٹوں دراز رہتا، شریک درس دوسرے علما و طلبہ حیرانی کے ساتھ یہ منظر دیکھتے انہوں نے بھلا مولانا عبدالحق کو اس تیاری اور اہتمام سے پڑھاتے اور مولانا ہدایت اللہ خاں جیسے منجھے ہوئے مدرس، دقیقہ رس اور وسیع النظر فاضل کو پڑھتے اور شبہات وایرادات وارد کرتے کہاں دیکھا ہوگا، مولانا ہدایت اللہ خاں بایں ہمہ فضل وکمال جب شاگرد بن کر بیٹھتے تو اس عجز وانکسار اور خفض جناح کے ساتھ کہ طلبہ کے لیے ادب کا ایک نمونہ ہوتا، پھر استاذ زادے کی ادائے برہمی کا نظارہ کرنے اور استاذ علامہ کی یاد تازہ کرنے کے لیے کوئی مہمل سوال کر دیتے بس پھر مولانا عبدالحق کو کچھ یاد نہ رہتا اور برہم ہو کر کتاب اٹھا کر پھینک دیتے اور کہتے ''مہمل سمجھتا کیوں نہیں'' فاضل جونپوری کتاب اٹھا کر لاتے اور پھر مؤدبانہ آبیٹھتے اور فرماتے اب انشاء اللہ غلطی نہیں ہوگی، ذرا یہ شبہ اور رفع

فرمادیجیے،مولانا عبدالحق سرگرمِ جواب ہوجاتے

اب کہاں سے لاؤں وہ دشت جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلیٰ رہی ، لیلیٰ کے دیوانے رہے

(مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم:ص ۵۰)

مولانا ہدایت اللہ رامپوری اپنے استاذ یا استاذ زادے تو درکنار استاذ زادے کے نوکر کا وہ ادب واحترام کرتے تھے کہ شاید آج کل لوگ اپنے استاذوں کا نہ کرتے ہوں،مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی لکھتے ہیں:

مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ استاذ زادہ مولانا عبدالحق کا ملازم وخادم لالو جب کبھی جونپور پہنچ جاتا تھا،اور مولانا اس کی آواز سن پاتے تھے تو پیرانہ سالی اور ضعف بصارت کے باوجود تعظیم کو کھڑے ہوجاتے ،کھانا ساتھ کھلاتے اور سفرخرچ وغیرہ دے کر عزت ومسرت کے ساتھ رخصت فرماتے (باغی ہندوستان:ص ۱۸۶)

مولانا ہدایت اللہ رامپوری کو جیسا عشق اپنے استاذ سے تھا ویسے ہی آپ کے تلامذہ بھی آپ سے محبت کرتے تھے،آپ کے تلامذہ میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے،سید سلیمان ندوی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری صاحب کو حقیقت یہ ہے کہ اپنے استاذ کے ساتھ عقیدت ہی نہیں عشق تھا،ان کے حالات جب سناتے تو ان کے طرز بیان اور گفتار کی ہر ادا سے والہانہ عقیدت تراوش کرتی تھی (معارف اعظم گڑھ ۱۳۳۹ھ بحوالہ سید سلیمان اشرف بہاری حیات وکارنامے:ص ۲۸)

اساتذہ کی تقریر اور اداؤں کا استحضار: مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھوی (وفات:۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء) کو اپنے استاذ مولانا عبدالحق خیرآبادی سے ایسی والہانہ محبت تھی کہ انہیں اپنے استاذ کی درسی تقریریں تو ایک طرف استاذ کی ادائیں بھی یاد تھیں،مولانا عبدالسلام خاں رامپوری لکھتے ہیں:

مولانا (عبدالحق خیرآبادی) کی اکثر تقریریں ان کے الفاظ اور ان کے ہاتھوں

کے اشاروں کے ساتھ محفوظ تھیں (برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۷۱)

یہی بات میرے دادا مولانا عبدالقدیر بدایونی بھی فرماتے تھے، ان کے صاحبزادے مولانا عبدالہادی ان سے روایت کرتے ہیں کہ آپ فرماتے تھے:

میرے استاذ (مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھوی) کو اپنے استاذ (مولانا عبد الحق خیرآبادی) کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ تو یاد تھے ہی، ان کی ادائیں بھی یاد تھیں، ایک روز پڑھانے بیٹھے تو اگال دان مانگا، حالانکہ وہ پان کھاتے نہیں تھے اور کتاب پڑھاتے ہوئے اگالدان پر انگلی مارتے جاتے تھے، پڑھا چکے تو فرمایا سمجھ میں آیا؟ عرض کیا جی سمجھ میں آیا، استاذ نے اگالدان پر انگلی مارتے ہوئے پوچھا اور یہ؟ عرض کیا یہ تو میں نہیں سمجھا تو فرمایا ''استاذ محقق نے جب یہ سبق پڑھایا تھا تو اگالدان بجارہے تھے اس کے بغیر سبق ادھورا رہتا ہے''۔ (احوال ومقامات: ص ۵۳)

مولانا عبدالعزیز انبیٹھوی کو تو اپنے استاذ کی درسی تقریریں لفظ بلفظ یاد تھیں مگر ان کے بعض تلامذہ کو بھی اپنے استاذ مولانا عبدالعزیز کی درسی تقریریں بلفظہ یاد ہوگئی تھیں، آپ کے تلامذہ میں ایک مولانا رفیق صاحب تھے جب مولانا عبدالقدیر بدایونی رامپور میں مولانا عبدالعزیز کے یہاں تحصیل کررہے تھے اس زمانے میں مولانا رفیق صاحب بھی مولانا عبدالعزیز کی خدمت میں تھے، والد محترم بتاتے ہیں کہ ان کے سامنے کئی مرتبہ ان کے والد حضرت مولانا عبدالقدیر بدایونی نے فرمایا کہ میرے استاذ بھائی مولانا رفیق کو اپنے استاذ مولانا عبدالعزیز کی درسی تقاریر بلفظہ یاد ہوگئی تھیں۔

سلسلہ خیرآباد کے اور بھی بہت سے بادہ نوش ایسے تھے جن کو اپنے اساتذہ کی درسی تقریریں مع ان کی اداؤں کے یاد تھیں، رامپور کے نواب زادہ محمد علی خاں عرف چھٹن صاحب (وفات: ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء) تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی کے بارے میں ان کے معاصر مولانا فضل حق رامپوری کا بیان ہے کہ:

ان کی تقریر کا انداز بالکل مولانا (عبدالحق) جیسا تھا، حتیٰ کہ جن موقعوں پر

مولانا ہاتھ سے اشارہ کرتے یہ بھی ان ہی موقعوں پر ان ہی جیسا اشارہ کرتے (برصغیر کے علمائے معقولات:ص ۸۳/۸۲)

اساتذہ کی درسی تقریریں لفظ بہ لفظ یاد ہونے کا ایک حیرت انگیز واقعہ انہیں نواب زادہ چھٹن کے ساتھ جھانسی میں پیش آیا، ایک مرتبہ جھانسی میں ان کی ملاقات حافظ بخاری شاہ عبدالصمد سہسوانی (تلمیذ تاج الفحول) سے ہوگئی، نواب صاحب نے فرمائش کی کہ حضرت ان کو علامہ فضل حق خیرآبادی کا رسالہ الروض المجو د پڑھادیں، چنانچہ بعد فجر یہ درس شروع ہوا، اور تقریباً دن میں بارہ بجے رسالہ اپنے اختتام کو پہنچا، جب حافظ بخاری نے رسالے کا درس ختم کیا تو نواب صاحب نے حیرت واستعجاب میں فرمایا کہ:

میں نے اس رسالہ کو سبقاً سبقاً اپنے استاذ حضرت مولانا عبدالحق صاحب سے پڑھا تھا، مگر واللہ حضور نے بجنسہ وہی تقریر فرمائی جو حضرت مولانا صاحب کیا کرتے تھے، نہ ایک لفظ کم نہ ایک لفظ زیادہ ہوا۔ (ملفوظ مصابیح القلوب:ص ۴۰)

درس کی اس حیرت انگیز مماثلت کی اس کے علاوہ اور کیا توجیہ کی جائے کہ یہ رسالہ مولانا عبدالحق خیرآبادی اور حضرت تاج الفحول نے اپنے استاذ علامہ فضل حق خیرآبادی سے پڑھا ہوگا، اور ان کی تقریر بالفاظہ ذہن میں محفوظ ہوگی، اس کے بعد ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے شاگردوں کو انہیں الفاظ میں درس دیا ہوگا، مولانا شاہ عبدالصمد نے اپنے استاذ حضرت تاج الفحول کی تقریر کو بالفاظہ یاد رکھا ہوگا، اور انہیں الفاظ میں انہوں نے رسالہ کی تشریح نواب زادہ صاحب کے سامنے کردی۔

ان استاذ وشاگرد (تاج الفحول اور حافظ بخاری) کی تقریر میں حیرت انگیز مماثلت کی طرف مولانا ضیاء القادری (جنہوں نے دونوں کی زیارت کی ہے) نے بھی اشارہ کیا ہے، لکھتے ہیں:

حضور تاج الفحول رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ کا پورا لطف آپ (حافظ بخاری) کے وعظ میں آجاتا تھا، بعض وقت بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ خود حضور پرنور (تاج الفحول) قدس سرہ العزیز بول رہے ہیں (دربار عرس شریف:ص ۴۶)

مولانا محمود رفاقتی کے بقول:

وعظ میں انداز بیان واستدلال حضرت مولانا تاج الفحول کی طرح تھا، بعض وقت اجنبی دھوکا کھاجاتے کہ حضرت تاج الفحول بیان فرمارہے ہیں۔

(تذکرہ علمائے اہل سنت:ص ۱۲۹/۱۳۰)

اساتذہ کی کتب سے محبت: خیرآبادی فضلا صرف اپنے استاذوں ہی سے محبت نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی تصانیف سے بھی عشق کرتے تھے، علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے بارے میں ان کے تلمیذ مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی لکھتے ہیں کہ:

(علامہ فضل حق کے)اس حاشیہ قاضی سے حضرت الاستاذ مولانا اجمیری مرحوم کو عشق تھا، سفر وحضر ہر جگہ اپنے ساتھ رکھتے تھے، اور وقتاً فوقتاً مطالعہ کرتے رہتے تھے(باغی ہندوستاں:ص ۱۸۵)

مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسوی مولانا امجد علی اعظمی کے واسطے سے سلسلہ خیرآباد سے منسلک ہیں، ان کو اپنے خیرآبادی اساتذہ کی کتب سے اتنا شغف تھا کہ ان کے بارے میں مَیں نے اپنے استاذ حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی زبانی بارہا سنا کہ مولانا حبیب الرحمٰن اڑیسوی منطق کے نصاب میں ملاحسن کی شرح سلم کی جگہ مولانا عبدالحق خیرآبادی کی شرح مرقاۃ اور فلسفہ میں میبذی کی جگہ مولانا عبدالحق خیرآبادی کی شرح ہدایت الحکمۃ پڑھایا کرتے تھے، غالباً انہوں نے اپنے مدرسے کے نصاب میں علامہ فضل حق خیرآبادی کا رسالہ ''الروض المجود'' بھی داخل کیا تھا۔ مولانا برکات احمد ٹونکی کے حالات میں ملتا ہے کہ انہوں نے بھی اپنے مدرسہ خلیلیہ نظامیہ کے نصاب تعلیم میں مولانا عبدالحق خیرآبادی کی شرح مرقاۃ اور شرح ہدایت الحکمۃ داخل کی تھیں۔ اکثر خیرآبادی تلامذہ اپنے اساتذہ خیرآباد کی کتابوں کے قلمی نسخے بڑے اہتمام سے اپنے ذاتی کتب خانوں میں محفوظ کرتے تھے، فوٹو کاپی کا زمانہ نہیں تھا اس لیے خود بیٹھ کر بڑی دیدہ ریزی سے ان ضخیم کتابوں کو نقل کیا کرتے تھے، یہ بھی اپنے اساتذہ سے غیر معمولی تعلق خاطر ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کی نایاب اور غیر مطبوعہ کتابوں کی طباعت واشاعت کا اہتمام کرتے تھے (اس کی قدرے تفصیل اپنے مقام پر آئے گی)

مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی: سلسلہ خیرآباد کے قابل فخر فرزند اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے حلقہ

درس کے ایک نمایاں فرد تھے، استاذ اور استاذ زادوں سے محبت اور عقیدت کے معاملہ میں اپنے خیرآبادی مسلک پر گامزن تھے، ان کے پوتے مولانا حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

> مولانا (برکات احمد ٹونکی) اپنے اساتذہ سے شیفتگی کی حد تک محبت کرتے تھے، اور ان کی ہر ہر ادا سے پیار کرتے تھے، خصوصاً علامہ عبدالحق سے ان کی عقیدت ایک شان امتیاز رکھتی تھی۔ (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص ۱۰۰)

محبت و عقیدت کا یہ تعلق زمانہ طالب علمی کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ:

> تحصیل علم سے فراغت کے بعد ہر سال علامہ کے در حکمت پر حاضری دیتے، ایک بار ایک شدید مرض کے دوران زیادہ مدت تک مقیم رہ کر تیمارداری کی سعادت حاصل کی، اور استاذ کی دعائیں سمیٹیں، ہر بار خیرآباد سے رخصت کے وقت پابوس ہوتے تو علامہ اپنے دست مبارک سے ان کا سر اٹھاتے۔ (مرجع سابق ص ۱۰۰/۱۰۱)

اپنے استاذ زادوں کے ادب و احترام میں بھی مولانا برکات احمد ٹونکی ایک نمایاں شان رکھتے تھے، اپنے استاذ مولانا عبدالحق خیرآبادی کے پوتے حکیم ظفر الحق خیرآبادی کو تعلیم و تربیت کے لیے اپنے ساتھ ٹونک لائے، ٹونک میں کس شان سے استاذ زادے کی تعلیم ہوئی ملاحظہ فرمائیں:

> مولانا سید برکات احمد جب ان (حکیم ظفر الحق) کو اپنے ساتھ ٹونک لے کر آئے تاکہ خود ان کی تعلیم و تربیت کی سعادت حاصل کرسکیں تو آتے ہی سب کو متنبہ کردیا گیا کہ یہ ہمارے استاذ زادے ہیں شاہ زادے ہیں سب ان کا ادب کریں اور ان کی پسند و ناپسند کو ہر ہر بات میں ہر ہر قدم پر ملحوظ رکھیں، ان کے درس کی شان یہ ہوتی کہ میاں ظفر الحق پلنگ پر تشریف فرما ہوتے اور استاذ (مولانا سید برکات احمد) اور دوسرے رفقائے درس (مولانا معین الدین اجمیری وغیرہ) پلنگ کے نیچے فرش پر۔ (مرجع سابق ص ۲۴۲)

استاذ زادے سے محبت اور اس کے ادب و احترام کی یہ ادا بھی ملاحظہ فرمائیں:

مولانا (سید برکات احمد) دونوں وقت کھانے کا خوان خود لے کر ان (حکیم ظفرالحق صاحب) کے کمرے میں جاتے مگر کسی معمولی سی فروگزاشت پر (حکیم ظفرالحق) خوان اٹھا کر پھینک دیتے، مولانا (برکات احمد) پھر خوان سجا کر لے جاتے، مناتے اور اپنے سامنے کھانا کھلا کر لوٹتے۔ (مرجع سابق ص۲۴۲)

حکیم ظفرالحق صاحب تو پھر بھی استاذ کے پوتے تھے، مولانا برکات احمد ٹونکی تو استاذ کے نوکروں اور خادموں تک سے عقیدت واحترام کا معاملہ فرماتے تھے، مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی کے بقول:

مولانا حکیم برکات بہاری ٹونکی طبیب خاص ریاست ٹونک (استاذ حضرت الاستاذ مولانا معین الدین اجمیری) کو زمانہ تعلیم وقیام خیرآباد میں اپنے استاذ گرامی مولانا محمد عبدالحق کے خدام کو بسا اوقات پورے مہینے کے مصارف کی رقم نذر کر دینی پڑتی اور ٹونک سے دوسری بار روپیہ منگانا پڑتا تھا (باغی ہندوستاں: ص۱۸۶)

مولانا سید برکات احمد ٹونکی نے اپنے اخلاف وتلامذہ کی تربیت بھی ایسی ہی کی تھی کہ وہ بھی استاذ اور استاذ زادوں کا ادب واحترام کرنے میں اپنی مثال آپ ہوگئے تھے، حکیم ظفرالحق خیرآبادی ۱۹۵۴ء/۱۹۵۵ء میں کراچی تشریف لے گئے، مولانا سید برکات احمد ٹونکی کے پوتے حکیم محمود احمد برکاتی فرماتے ہیں:

غریب خانے کو بھی عزت بخشی تھی، میں نے حسب دستور قدیم قدم بوسی کی، اور اپنے بڑے لڑکے سہیل (اب ڈاکٹر سہیل برکاتی) کا جو اس وقت ۷/۸ سال کا تھا سر ان کے قدموں پر جھکایا اور نذر پیش کروائی (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص۱۰۰)

یہی حکیم ظفرالحق خیرآبادی صاحب کبھی کبھی اجمیر شریف حاضری کے لیے تشریف لے جاتے تو:

جوں ہی مولانا معین الدین (اجمیری تلمیذ مولانا برکات احمد ٹونکی) کو خبر

ہوتی وہ تشریف لاتے اور آداب واحترام بجالاتے ،ایک بار مولانا کو حکیم ظفر الحق کی آمد کی خبر ایسے وقت ملی جب انہیں مدرسہ سے ماہانہ معاوضہ ملا تھا،مولانا تشریف لائے اور پوری جیب حکیم ظفر الحق کے قدموں پر الٹ دی (مرجع سابق ص۲۴۴)

مولانا معین الدین اجمیری کے چھوٹے بھائی حکیم نظام الدین اجمیری بھی مولانا برکات احمد ٹونکی کے ارشد تلامذہ میں شامل تھے،استاذ اور استاذ زادوں کے ادب واحترام میں اپنی مثال آپ تھے،حکیم محمود احمد برکاتی فرماتے ہیں:

اساتذہ خصوصاً سید برکات احمد کے ساتھ شیفتگی اور حسن عقیدت میں کم سے کم میری نظر میں وہ اپنی مثال آپ تھے، بہت سے مرید اپنے شیوخ کا اتنا ادب نہیں کرتے جتنا وہ اپنے استاذ گرامی کا ادب کرتے تھے،صرف استاذ کا نہیں استاذ کے متوسلین کا ادب وہ بھی صرف رسمی اور زبانی نہیں عملاً،مَیں کہ ان کے استاذ (مولانا برکات احمد ٹونکی) سے صرف نسبی نسبت ہی رکھتا ہوں نہ ان کے علم سے مجھے حصہ ملا ہے نہ ان کے اخلاق وکردار سے،سات مہینے ان کے ساتھ ایک ہی کمرے میں مقیم رہا مگر وہ خود زمین پر سوتے رہے،اور مجھے بااصرار پلنگ پر سلاتے رہے،میرا الحاح وانکار بے نتیجہ رہا اور وہ کمرے میں دوسرا پلنگ بچھوانے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے،اور فرش پر استراحت فرماتے رہے۔(مرجع سابق ص۲۴۸)

مولانا عبدالجلیل سرحدی: مولانا برکات احمد ٹونکی کے ایک اور مایہ ناز شاگرد مولانا عبدالجلیل سرحدی (متوفی:۱۹۶۳ء) تھے،ان کو استاذ سے ایسی عقیدت ومحبت ہوئی کہ کسی طرح استاذ کا در چھوڑنے کو تیار ہی نہیں ہوتے تھے،جو کتابیں پڑھ چکے تھے دوبارہ سہ بارہ پڑھتے چلے جاتے تھے،حکیم صاحب فرماتے کہ ''تم تو یہ کتاب پڑھ چکے ہو''تو جواب دیتے کہ ''ابھی ہمارا تشفی نہیں ہوا ہے''،کہیں سے خط آتا کہ فلاں مدرسے میں کسی لائق استاذ کی ضرورت ہے بھیج دیں،مولانا برکات احمد صاحب ان سے کہتے مگر یہ کسی بھی حال میں جانے کو تیار نہیں ہوتے ،ایسے ہی ایک

موقع پر جھنجلا کر استاذ سے کہہ دیا کہ ''ہم تم کو مار کر جائے گا''یعنی آپ کے جیتے جی یہ در نہیں چھوٹے گا،ایک مرتبہ دہلی کے کسی مدرسے کے لیے مدرس کی ضرورت تھی،مولانا برکات احمد نے فرمایا میں وہاں کسی ایسے آدمی کو بھیجنا چاہتا ہوں جو وہاں میرا نام روشن کرے، یہ سنتے ہی مولانا جلیل نے نعرہ لگایا کہ ''ہم تمہارا نام روشن کرے گا''، (باختصار و تلخیص از مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص۲۷۴) خدا خدا کر کے دہلی پہنچے، وہاں ایک لطیفہ پیش آ گیا جس کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے،اور اس سے بھی خیر آبادی درسگاہ کا معیار تعلیم معلوم ہوتا ہے،حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

> ایک بار ترنگ میں آ کر طبیہ کالج دہلی میں داخلہ لے لیا، وہاں کلیات قانون کا سبق شروع ہوا تو پہلے ہی سبق میں استاذ کے پسینے چھوٹ گئے، بھلا اس خیر آبادی اور برکاتی فاضل معقولات کے اعتراضات کا سامنا کون کر سکتا ہے، جب معلم کلیات کو معلوم ہوا کہ یہ مولانا برکات احمد سے نسبت تلمذ رکھتے ہیں تو انہوں نے بے تکلف اور برملا سپر ڈال دی اور صاف کہہ دیا کہ آپ کو مطمئن کرنا ہمارے بس میں نہیں اور پھر وہ درس کلیات سے مستثنیٰ قرار دے دیے گئے۔(مرجع سابق ص۲۷۵)

بات چل رہی تھی خیر آبادی تلامذہ کے اپنے اساتذہ سے عشق و محبت کی، اس ضمن میں سابق الذکر مولانا عبدالجلیل سرحدی کا ایک واقعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے، ایک مرتبہ دہلی میں اپنی درسگاہ میں محو تدریس تھے،شرح تہذیب کا درس ہو رہا تھا،مولانا کے استاذ کے پوتے حکیم محمود احمد برکاتی جو اس وقت نوجوان تھے، درس میں پہنچ گئے اور طلبہ کی صف میں خاموش دو زانو بیٹھ گئے، آگے کا حال خود حکیم محمود احمد برکاتی کی زبانی ملاحظہ کریں، لکھتے ہیں:

> مولوی صاحب ادائے خاص سے سرگرم تقریر تھے،مگر چند لمحے بعد ہی دیکھا کہ تقریر کا زور ٹوٹ گیا اور مولوی صاحب الجھنے لگے،رک رک کر بولنے لگے، اٹکنے لگے،آخر گھبرا کر میری طرف دیکھا،اور خود کلامی کے سے انداز میں کہنے لگے ''یہ ہم کو کیا ہو گیا سارا مضمون خبط ہو گیا شاید استاذ کا

روح آ گیا''، پھر مجھ سے مخاطب ہوکر پوچھا''تم کو ہمارے استاذ سے نسبت ہے؟''میں نے کہا''جی ہاں میں محمود میاں ہوں'' یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے اچھلے اور میری گود میں سر رکھ کر چیخ چیخ کر رونے لگے، بڑی دیر میں اور بمشکل جذبات کا سیلاب کم ہوا(مرجع سابق ص ۲۷۵)

مولانا عبدالقدیر بدایونی: راقم الحروف کے دادا عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی بھی حکیم برکات احمد ٹونکی کے تلمیذ ہیں، اپنے مشائخ طریقت اور اساتذہ کی نسبتوں کے احترام میں آپ بھی ایک الگ شان رکھتے تھے، استاذ زادے کے ادب واحترام کا ایک واقعہ عم مکرم حضرت عبدالمجید اقبال قادری صاحب (مقیم کراچی) نے سنایا، انہوں نے فرمایا کے غالباً ۱۹۵۷ء یا ۵۸ میں جب حضرت عاشق الرسول آخری بار کراچی تشریف لائے تو صدیق بھائی کے گھر قیام پذیر تھے، صحت بہت خراب تھی بغیر سہارے کے خود سے اٹھ بھی نہیں سکتے تھے، مریدین ومتوسلین کا مجمع تھا، اسی درمیان حکیم محمود احمد برکاتی (جو اس وقت نوجوان تھے) آئے اور مصافحہ کر کے ایک کونے میں خاموشی سے بیٹھ گئے، کافی دیر کے بعد کسی نے حضرت کو بتایا کے مولانا برکات احمد ٹونکی کے پوتے یہاں تشریف فرما ہیں، یہ سنتے ہی حضرت اپنی تمام تر کمزوری کے باوجود کھڑے ہوئے ، حکیم صاحب کو آگے بلایا، دست بوسی کی اور فرمایا کہ

صاحبزادے آپ نے اپنا تعارف بھی نہیں کروایا اگر آپ ایسے ہی اٹھ کر چلے جاتے تو میں قیامت میں استاذ کو کیا جواب دیتا

اس واقعہ کی طرف خود حکیم محمود احمد برکاتی نے بھی مختصراً اشارہ کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

۱۹۵۷ء میں آخری بار کراچی تشریف لائے تھے، میں ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو مفلوج ہونے کے باوجود دوسروں کا سہارا لے کر مجھے تعظیم دی، صرف مولانا سید برکات احمد سے صلبی نسبت کی بنا پر۔(مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص ۲۷۹)

جب استاذ اور استاذ زادوں سے خیرآبادیوں کے عشق ومحبت اور ادب واحترام کا ذکر چل رہا ہے تو یہاں یہ واقعہ بھی بے محل نہیں ہوگا کہ ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء میں خانقاہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف

میں حضرت سید محمد اکبر میاں چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی کا جلسہ تھا، جس میں اپنے وقت کے اجلۂ علما تشریف فرما تھے مگر جلسہ کی صدارت کے لیے بانی محفل حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر بدایونی کا نام پیش کیا، اور اس کی وجہ بھی خود ہی بیان فرما دی، جلسہ کی روداد کے مرتب حکیم ظہیر السجاد لکھتے ہیں:

> جلسہ کی صدارت کے واسطے حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب بدایونی کا نام نامی اس مختصر تقریر کے ساتھ پیش فرمایا ''حضرات! اس قصبہ پھپھوند میں مسلمانوں کو جس ذات اقدس کی وجہ سے علم و مذہب سے ذوق وشوق پیدا ہوا وہ میرے حضرت قبلہ عالم (مولانا شاہ عبدالصمد سہسوانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات اقدس تھی، چوں کہ میرے حضرت قبلہ عالم نے تمام تر فیض علم حضرت تاج الفحول مولانا شاہ عبدالقادر (بدایونی) صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل فرمایا جو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر صاحب کے والد ماجد تھے، پس میں نے اسی لحاظ سے حضرت مولانا (عبدالقدیر بدایونی) کا نام نامی پیش کیا ہے''۔ (یوم فضیلت: ص ۳۸)

اس سے اندازہ ہوتا ہے خیرآبادی سلسلے میں نہ صرف تلامذہ اپنے استاذ اور استاذ زادوں کا لحاظ فرماتے تھے بلکہ تلامذہ کے اخلاف وجانشین بھی اپنے اکابر کے استاذ زادوں کا ادب واحترام فرماتے تھے، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پھپھوند شریف میں آج بھی یہ روایات زندہ ہیں، والد گرامی حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں) نہ صرف یہ کہ عمر میں حضرت سید شاہ محمد اکبر میاں رحمۃ اللہ علیہ سے چھوٹے ہیں بلکہ رشتے میں ان کے داماد بھی ہیں، مگر میرے نانا حضرت اکبر میاں نے ان سے کبھی دامادوں والا معاملہ نہیں کیا بلکہ والد گرامی کو ہمیشہ حضرت حافظ بخاری کے استاذ زادے کی حیثیت سے ہی مقام ومرتبہ دیا، اور آج بھی ان کے اخلاف اسی روش پر قائم ہیں۔

☆☆☆

استاذ بھائی کا رشتہ

خیرآبادی سلسلے میں تلامذہ پر اساتذہ کی شفقت اور تلامذہ کا اپنے استاذوں کا ادب اور ان کی محبت کی ایک جھلک آپ نے دیکھ لی، اب سلسلہ خیرآباد کے وابستگان کی ایک اور خصوصیت بھی دیکھتے چلیں، میخانۂ خیرآباد کے بادہ خوار آپس میں ایک رشتہ محبت وخلوص رکھتے تھے جس کو ''استاذ بھائی'' کا رشتہ کہا جاتا تھا، ایک خیرآبادی استاذ کے شاگرد آپس میں ایک دوسرے کو بھائی گمان کرتے تھے، یہ رشتہ اخوت کسی بھی طرح حقیقی بھائیوں سے کم نہیں ہوتا تھا، حد یہ ہے کہ ایک استاذ کے شاگرد اپنے استاذ کے استاذ بھائی کو چچا کہا کرتے تھے، اور وہ ان کو کسی بھتیجے سے کم نہیں سمجھتے تھے، باہم پیار تھا، محبت تھی، خلوص تھا، بے تکلفی تھی اور ہر مرحلے میں اپنے استاذ بھائی کی مدد کرنے کا جذبہ تھا، آپس میں بے تکلفی کے نتیجے میں طنز ومزاح اور ظرافت طبع کے نمونے بھی سامنے آتے تھے، گویہ بھی محبت وخلوص ہی کا نتیجہ تھا۔

مولانا ہدایت اللہ رامپوری اور تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی علامہ فضل حق خیرآبادی سے نسبت تلمذ کی بنیاد پر آپس میں استاذ بھائی تھے، ایک مرتبہ مولانا ہدایت اللہ صاحب نے حافظ بخاری مولانا عبدالصمد سہسوانی (تلمیذ تاج الفحول) کو ایک ضرورت کے تحت جمادی الاول ۱۳۲۲ھ کو خط تحریر فرمایا، خط میں مولانا نے یہ وضاحت بھی کردی کہ آخر کس استحقاق کی بنیاد پر وہ انہیں یہ خط لکھ رہے ہیں، مکتوب میں مولانا ہدایت اللہ رامپوری فرماتے ہیں:

> یہ نیاز نامہ ایک خاص وجہ سے ارسال خدمت عالی ہے، اور قبول گزارش کی نہایت تمنا وآرزو، مگر قبل التماس مدعا مناسب ہے کہ میں اپنا وہ استحقاق ظاہر کردوں جس سے مجھے اس التماس کی جرأت ہوئی، میں اور مولانا عبدالقادر

صاحب بدایونی قدس سرہ بھائی بھائی تھے، مولانا فضل حق صاحب انار اللہ برھانہ وابرد اللہ العزیز مضجعہ کی کفش برداری نے یہ رشتہ ایسا محکم باندھا تھا کہ جسے بجز رحلت دار فانی اور کوئی نہ توڑ سکا، میرے خیال میں مولانا (تاج الفحول) غریق رحمت سے اس تعلق کا ہونا اپنی ایک دلی آرزو کے بیان کو کافی ووافی ہے۔ (ملفوظ مصابیح القلوب: ص۴۲)

اسی استاذ بھائی کے رشتے کی مضبوطی کا ایک اور نمونہ کچھوچھہ شریف میں دیکھنے میں آیا، ۱۸؍جمادی الاخریٰ ۱۳۷۶ھ/۲۰؍جنوری ۱۹۵۷ء کو خانقاہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف میں میرے نانا (اور آگے چل کر اس خانقاہ صمدیہ کے صاحب سجادہ) حضرت سید شاہ محمد اکبر چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی دستار فضیلت کا موقع تھا، حضرت سید محمد اکبر چشتی نے مفتی رفاقت حسین صاحب (تلمیذ مولانا امجد علی اعظمی، تلمیذ مولانا ہدایت اللہ رامپوری) کی درسگاہ میں تکمیل درسیات فرمائی تھی، حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی بھی مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے شاگرد تھے، اس رشتے کی بنیاد پر مولانا امجد علی اعظمی اور خواجہ مصباح الحسن چشتی استاذ بھائی ہوئے، اس جلسۂ دستار بندی کی صدارت بھی سلسلہ خیرآباد کے ایک مایہ ناز فرزند عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی فرمارہے تھے، جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں گزرا، حضرت سید اکبر میاں صاحب کی دستار بندی سے پہلے حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

اگرچہ مفتی (رفاقت حسین) صاحب فارغ التحصیل اور متبحر عالم ہیں، لیکن مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ مفتی صاحب کی دستار بندی ابھی تک نہیں ہوئی، لہٰذا میں ضروری اور مناسب سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر حضرت مفتی صاحب کی بھی دستار بندی کر دی جائے، اور چوں کہ مفتی صاحب کے استاذ حضرت صدر الشریعہ (مولانا امجد علی اعظمی) میرے استاذ بھائی اور بے تکلف دوست تھے، اور اسی رشتہ کی بنیاد پر مفتی صاحب مجھے چچا کہتے ہیں لہٰذا اسی لحاظ سے میں ان کا یہ حق اپنے اوپر ضروری سمجھتا ہوں کہ میں خود ان کی دستار بندی کروں۔ (یوم فضیلت: ص۳۹)

میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی پھپھوندوی مولانا محبؔ احمد بدایونی کو ''چچا'' کہا کرتے تھے، کیوں کہ مولانا محبؔ احمد بدایونی اور حافظ بخاری مولانا عبدالصمد سہسوانی آپس میں استاذ بھائی تھے، اور تاج الفحول کی درسگاہ کے ہم سبق ساتھی تھے۔

ہم نے عرض کیا تھا کہ استاذ بھائی کے رشتہ کی وجہ سے آپس میں مزاح لطیف اور طنز ملیح بھی ہوا کرتا تھا، جس سے دوسرے کی توہین وتحقیر مقصود نہیں تھی بلکہ یہ بھی ایک گونہ آپس میں خلوص ومحبت ہی کا نتیجہ تھا، جب مولانا عبدالقدیر بدایونی مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھوی کی خدمت میں تحصیل علم کے لیے گئے، تو انہوں نے پوچھا کہ اب تک کیا کرتے رہے، آپ نے عرض کیا کہ حکیم برکات احمد ٹونکی کی درسگاہ میں تحصیل کررہا تھا، چونکہ حکیم برکات احمد ٹونکی اور مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھوی مولانا عبدالحق خیرآبادی سے نسبت تلمذ کی بنیاد پر استاذ بھائی تھے اس لیے انہوں نے ہنستے ہوئے فرمایا

یہ تو مان سکتا ہوں کہ استاذ نے بڑھاپے میں خدمت گار رکھ لیا تھا ورنہ برکات کا علم سے کیا تعلق؟

مولانا عبدالقدیر بدایونی نے عرض کیا آپ استاذ بھائی ہیں ایک دوسرے کو جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، مگر میں تو حکیم صاحب کا شاگرد ہوں، میرے سامنے کچھ نہ فرمائیں۔ سید صاحب خوش ہوگئے فرمایا ''ادب جانتے ہو شاید پڑھ جاؤ'' (احوال ومقامات: ص۵۳)

اس آخری جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً سید صاحب نے یہ جملہ اس لیے فرمایا ہو کہ وہ امتحان لینا چاہتے تھے کہ یہ طالب علم اساتذہ کے ادب واحترام کا ''خیرآبادی سلیقہ'' رکھتا ہے یا نہیں۔

اسی استاذ بھائی کے رشتے کا ایک واقعہ خود راقم کے سامنے پیش آیا، ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۷ء تک راقم الحروف نے (دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد میں) حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی کفش برداری کی سعادت حاصل کی، اور آپ کی درس گاہ میں معقولات کی اعلیٰ کتب کی تحصیل کی، اسی زمانے میں ایک مرتبہ مولانا غلام آسی چشتی ابو العلائی مدرسہ میں تشریف لائے، یہ مولانا سردار احمد لائل پوری (تلمیذ مولانا امجد علی اعظمی، تلمیذ مولانا ہدایت اللہ

رامپوری) کے شاگرد تھے، میرے استاذ کے ایک استاذ حضرت مولانا معین الدین خاں اعظمی بھی مولانا سردار احمد کے شاگرد اور مولانا غلام آسی چشتی کے استاذ بھائی تھے، استاذ محترم نے مہمان کی تواضع کی، چائے ناشتہ کے بعد استاذ محترم نے حسب عادت سگرٹ سے شغل کرنا چاہا، جیسے ہی مولانا غلام آسی نے خواجہ صاحب کے ہاتھ میں سگرٹ دیکھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''خواجہ صاحب آپ میرے سامنے سگرٹ پی رہے ہیں حالانکہ میں آپ کے استاذ مولانا معین الدین خاں کا استاذ بھائی ہوں، اس رشتہ سے آپ میرے بھتیجے ہوتے ہیں''، یہ سنتے ہی حضرت استاذ نے سگرٹ بجھا دی اور فرمایا ''حضرت غلطی ہوگئی معافی کا خواستگار ہوں''، سچ ہے کہ

جن کے رتبے ہیں سوا ان سے سوا مشکل ہے

☆☆☆

بدایوں میں سلسلہ خیر آباد

بدایوں صدیوں سے علم وفن کا مرکز رہا ہے، مختلف ادوار میں یہاں کی علمی درسگاہیں ملک وبیرون ملک میں شہرۂ آفاق رہی ہیں، اور ایک عالم نے ان سے استفادہ کیا ہے، جب مولانا فضل امام خیر آبادی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کی شکل میں درس وتدریس کا باقاعدہ ایک مکتب فکر وجود میں آیا تو اہل بدایوں بھی اس سے استفادہ کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے، علمائے بدایوں میں سے کئی نام پیش کیے جاسکتے ہیں جنھوں نے براہ راست مولانا فضل امام خیر آبادی، علامہ فضل حق خیر آبادی یا ان کے تلامذہ سے استفادہ کیا ہے، خیر آبادی سلسلے سے استفادہ کرنے والے تمام اہل بدایوں کا بالاستیعاب تذکرہ نہ یہاں ممکن ہے اور نہ اس کے لیے فی الحال ہمارے سامنے مواد ہے، لہٰذا ہم یہاں صرف خاندان عثمانیہ قادریہ کے چند ایسے حضرات کا تذکرہ کریں گے جنھوں نے خیر آبادی اساتذہ سے اکتساب علم کیا ہے، اور ساتھ ہی ان کے بعض نامور تلامذہ کا بھی مختصراً تذکرہ کریں گے تاکہ مدرسہ خیر آباد کی تاریخ کا یہ باب بھی ریکارڈ میں آسکے۔

خانوادۂ عثمانیہ کے متعدد افراد نے اپنے اپنے وقتوں میں خیر آبادی فضلا کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور معقولات میں درسگاہ خیر آباد سے استفادہ کیا۔ ان میں مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں:

(۱) مولانا سناء الدین عثمانی: مولانا سناء الدین عثمانی بن مولانا محمد شفیع عثمانی بن مولانا عبدالحمید عثمانی، آپ شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایونی کے بھتیجے اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے چچا زاد بھائی تھے، ۲۵؍ ذی الحجہ ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۵ء کو ولادت ہوئی اور ۵؍ محرم ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء کو وفات پائی، ابتدائی تعلیم اپنے عم مکرم شاہ عین الحق عبدالمجید قادری بدایونی سے حاصل کی، علوم عقلیہ کی تکمیل مولانا فضل امام خیر آبادی کی درسگاہ میں کی، اجازت حدیث شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

سے حاصل کی، مولانا ضیاء القادری لکھتے ہیں:

علم ادب میں اپنا نظیر نہ رکھتے، محاورات عرب پر عبور کامل حاصل، فن لغت اور علم نحو میں استاذ وقت تھے۔ (اکمل التاریخ: ج ا رص ۸۳)

عربی لغت کی مشہور کتاب القاموس کا حاشیہ تحریر فرمایا، علم نحو میں فوائد معتمدہ بھی آپ کی تصنیف ہے، اس کے علاوہ دو تین مجلدات میں مسودات اپنی یادگار چھوڑے جس میں مختلف علوم وفنون میں فوائد وحواشی تحریر ہیں۔ (مرجع سابق ص ۸۴)

آپ کو کتابوں کا بے حد شوق تھا، نادر ونایاب کتابیں دور دراز سے منگوا کر آپ نے اپنا ذاتی کتب خانہ ترتیب دیا تھا، آپ کی وفات کے بعد آپ کا ذاتی کتب خانہ کتب خانہ قادریہ مدرسہ قادریہ میں ضم کر دیا گیا، آج بھی کتب خانۂ قادریہ میں موجود مخطوطات میں ایک بڑا حصہ آپ ہی کے ذخیرہ کتب کا ہے۔ علامہ فضل حق خیرآبادی کا جو قلمی مجموعہ قصائد کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہے وہ آپ ہی کے قلم کا ہے۔

(۲) مولانا نور احمد عثمانی بدایونی: آپ سابق الذکر مولانا سناء الدین عثمانی کے چھوٹے بھائی ہیں، ۱۳ر جمادی الآخر ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء میں ولادت ہوئی، ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں وفات پائی، آپ نے جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل وتکمیل مجاہد آزادی مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی سے کی تھی، معقولات کی بعض منتہی کتابیں پڑھنے کا شوق آپ کو علامہ فضل حق خیرآبادی کی درسگاہ میں لے گیا، علامہ کے زمانہ قیام لکھنؤ میں آپ علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر جب علامہ لکھنؤ سے ریاست الور منتقل ہوئے تو آپ بھی ان کے ساتھ الور آ گئے، الور سے علامہ نے مولانا سلطان حسن خاں کو خط لکھا اس میں لکھتے ہیں کہ "مولوی نور احمد صاحب افق مبین مع حاشیہ پڑھ رہے ہیں" (باغی ہندوستان :ص ۲۴۶)

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس زمانے میں مولانا نور احمد بدایونی علامہ سے استفادہ کر رہے تھے اس وقت آپ کی عمر ۴۰ برس سے متجاوز تھی، فراغت کے بعد بدایوں میں اپنے آبائی مدرسے میں درس وتدریس میں منہمک تھے، جب تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی فراغت کے بعد علامہ کی خدمت میں جانے کو تیار ہوئے، تو معقولات کی مخصوص کتابوں کی

تحصیل کا شوق مولانا نور احمد بدایونی کو بھی تاج الفحول کے ساتھ علامہ کی خدمت میں لے گیا ،حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

> مگر اس سال (۱۲۷۲ھ میں) مولانا نور احمد ۴۲ ؍سال کے تھے، جو تعلیم کی عمر نہیں ہے، مگر اس مکتوب میں مولانا کی زیر درس کتابوں کی بنا پر میرا قیاس ہے کہ یہ مولانا کے تعلم کا دور ثانی تھا، یہ کتابیں الافق المبین اور اس کا حاشیہ تھیں جو داخل نصاب نہیں ہیں، بلکہ یہ کتابیں فراغت کے بعد ان طلبہ کو پڑھائی جاتی تھیں جن کو خصوصی ذوق اور صلاحیت ہوتی تھی۔موجودہ اصطلاح میں یہ درجہ تخصص کی کتابیں ہیں۔(مقالہ علماے خیر آباد و بدایوں کے روابط: تاج الفحول نمبر: ص ۴۳۱)

مزید لکھتے ہیں:

> مولانا نور احمد نے نصابی کتابیں تو اپنے وقت پر اور اس عمر سے بہت پہلے پڑھ لی ہوں گی اور اب وہ خارج از نصاب کتابیں پڑھنے کے لیے گئے ہوں گے۔مولانا فضل حق نے اپنے مکتوب میں الافق المبین کے ساتھ حاشیہ بھی لکھا ہے، یہ حاشیہ خود مولانا کا لکھا ہوا ہے۔(مرجع سابق ،نفس صفحہ)

تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی مولانا نور احمد بدایونی کے شاگرد بھی ہیں اور خیر آباد کے رشتے سے استاذ بھائی بھی، تاج الفحول آپ کے بارے میں لکھتے ہیں: (۱)

> ترجمہ: ان بلاد میں عمی واستاذی (مولانا نور احمد بدایونی) علیہ الرحمۃ کی نظیر دیکھنے میں نہ آئی، بلا شبہ آپ وحید عصر اور یکتائے زمانہ تھے،طلبہ کی تعلیم وتدریس اور غربا وفقرا کی اعانت کے علاوہ شب و روز میں آپ کو کوئی اور کام مرغوب نہ تھا،آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے...........
>
> تمام بدایوں میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو آپ کا شاگرد یا آپ کے شاگرد کا شاگرد نہ ہو۔(تحفۂ فیض: ص ۲۸؍ ۲۹)

(۳) تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی: تاج الفحول مولانا عبدالقادر محبّ رسول قادری بدایونی متخلص بہ فقیر قادری (ولادت: ۱۲۵۳ھ؍ ۱۸۳۷ء۔وفات: ۱۳۱۹ھ؍ ۱۹۰۱ء) مولانا شاہ

فضل رسول قادری بدایونی کے فرزند ارجمند ہیں، اپنے زمانہ میں امام اہل سنت تسلیم کیے جاتے تھے، مختلف علوم پر آپ کی تصانیف آپ کے تبحر علمی پر شاہد عدل ہیں، پہلے اپنے والد اور مولانا نور احمد بدایونی سے اکتساب علم کیا، آپ کے والد مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے درمیان جو مراسم خلوص ومحبت تھے ان کا تذکرہ اسی کتاب میں آگے آتا ہے، انہیں مراسم محبت کا نتیجہ تھا کہ مروجہ نصاب تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کے والد نے آپ کو معقولات کی اعلیٰ کتابیں پڑھنے کے لیے علامہ کی خدمت میں بھیجا، پہلے آپ لکھنؤ حاضر ہوئے اور وہاں علامہ سے استفادہ کیا، ڈاکٹر ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق لکھنؤ میں اس وقت جو حضرات علامہ سے اکتساب فیض کر رہے تھے ان میں یہ حضرات قابل ذکر ہیں:

(۱) مولانا محمد محسن ترہتی مصنف الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی

(۲) مولانا عبداللہ بلگرامی (وفات:۱۳۰۵ھ)

(۳) مولانا شاہ عبدالحق کانپوری (وفات:۱۳۱۲ھ)

مولانا نور احمد بدایونی تو آپ کے ساتھ ہی گئے تھے، جب علامہ لکھنؤ سے الور منتقل ہوئے تو آپ بھی ان کے ساتھ الور آ گئے۔

مولانا ضیاء القادری نے اکمل التاریخ میں تاج الفحول کے بارے میں کچھ تعریفی وتوصیفی جملے علامہ کی طرف منسوب کر کے لکھے ہیں، جن سے استاذ کی نظر میں شاگرد کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

> (علامہ فضل حق خیرآبادی) اکثر فرمایا کرتے کہ صاحب قوت قدسیہ ہر زمانہ میں ظاہر نہیں ہوتے وقتاً بعد وقتٍ اور عصراً بعد عصرٍ پیدا ہوتے ہیں اگر اس زمانہ میں کسی کا وجود مانا جائے تو آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے کہ یہ ہیں، یہ ہی بار بار کہا کرتے کہ ان کے ذہن کی جودت وسلامت ابوالفضل و فیضی کے اذہان ثاقبہ کی جودت کو مات کرتی ہے (اکمل التاریخ:ص۲۰۷)

مولانا ضیاء القادری کی پیدائش (۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء) علامہ فضل حق خیرآبادی کی وفات (۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) کے ۲۲ / برس بعد ہوئی، ظاہر ہے کہ انہوں نے علامہ کے یہ جملے مدرسہ قادریہ

میں ہی کسی ثقہ کی زبانی سنے ہوں گے،لہٰذا اس روایت پر اعتماد کیا جاسکتا ہے،مگر انہوں نے اس کا حوالہ نہیں دیا،ممکن ہے کوئی ناقد اس کو بنیاد بنا کر ان جملوں کے انتساب پر شبہ ظاہر کرے، مجھے ان کی صحت انتساب پر اصرار نہیں ہے،تاج الفحول کی ذہانت وفطانت اور علمی گہرائی وگیرائی کے ثبوت میں اس کے علاوہ بے شمار دلائل وشواہد موجود ہیں،اور پھر ان کے بارے میں ان کے استاذ علامہ فضل حق خیرآبادی کا یہ جملہ اپنے اندر بڑی اہمیت اور معنویت رکھتا ہے کہ:

> اعز از جاں مولوی عبدالقادر شرح اشارات ومحاکمات وشرح قاضی وحاشیہ می خوانند وفہم درست دارند(باغی ہندوستان:ص۲۴۶)
>
> ترجمہ:عزیز تر از جاں مولوی عبدالقادر شرح اشارات،محاکمات،شرح قاضی اور حاشیہ پڑھ رہے ہیں اور اچھی سمجھ رکھتے ہیں۔

علامہ کا اپنے ایک تلمیذ کے بارے میں ''فہم درست دارند''فرمانا سند کا درجہ رکھتا ہے۔

مولانا ضیاءالقادری نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

> مولانا فضل حق علیہ الرحمۃ کے صدہا شاگردوں میں چار بزرگ عناصر اربعہ سمجھے جاتے ہیں۔ ایک مولانا کے صاحبزادہ مولانا عبدالحق صاحب، دوسرے مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوری،تیسرے مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب رامپوری، چوتھے حضرت تاج الفحول رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین لیکن بقول حضرت مولانا عبدالحق صاحب خیرآبادی ہر سہ اصحاب کسی خاص فن میں یکتائے عصر اور وحید روزگار ہیں مگر حضرت تاج الفحول کا تبحر اور جامعیت جملہ علوم وفنون میں ہے۔(اکمل التاریخ:ص۲۰۷)

حضرت تاج الفحول کو اپنے استاذ اور استاذ زادے سے بے حد محبت تھی، یہ استاذ سے عقیدت ومحبت ہی کی دلیل ہے کہ علامہ کی کتاب ''تحقیق الفتویٰ'' حضرت تاج الفحول نے اپنے ہاتھ سے نقل کر کے اپنے کتب خانے میں محفوظ کی،اپنے استاذ زادے مولانا عبدالحق خیرآبادی سے بھی حضرت کے مخلصانہ روابط تھے،اور ملاقاتوں کا سلسلہ بھی تھا،کسی جگہ میں نے حضرت تاج الفحول کے سفر خیرآباد اور مولانا عبدالحق خیرآبادی سے ملاقات کا احوال پڑھا تھا،مگر فی الحال وہ کتاب

پیش نظر نہیں ہے۔

(۴) عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی: عاشق الرسول مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی (ولادت: ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء - وفات :۱۳۷۹ھ / ۱۹۶۰ء) حضرت تاج الفحول کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، مدرسہ عالیہ قادریہ میں دیگر اساتذہ کے علاوہ خصوصی طور سے مولانا محبّ احمد قادری بدایونی اور مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی سے اکتساب علم کیا، مروجہ نصاب کی تکمیل کے بعد مولانا برکات احمد ٹونکی اور مولانا سید عبدالعزیز انبیٹھوی کی خدمت میں حاضر ہوکر معقولات کی اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ تکمیل کے بعد مدرسہ قادریہ کی مسند تدریس کو زینت بخشی، طلبہ کی ایک تعداد نے آپ سے استفادہ کیا، ابتدائی دور کے تلامذہ میں مولانا عبدالحامد قادری بدایونی صدر جمعیت علمائے پاکستان (م:۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) اور مولانا خواجہ غلام نظام الدین (م:۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) بدایونی شامل ہیں (اکمل التاریخ: ج۱/ص ۲۰۶، اور ص ۲۱۷) تحریک خلافت اور ترک موالات کے زمانے میں عملی طور پر قومی سیاست میں حصہ لیا، ایک زمانے تک عدالت عالیہ ریاست حیدرآباد میں مفتی اعظم کے عہدے پر فائز رہے۔

مولانا عبدالعزیز انبیٹھوی کی درسگاہ میں آپ کی تعلیم کے آغاز کا واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے، مولانا محمد عبدالہادی قادری لکھتے ہیں:

> استاذ (مولانا سید عبدالعزیز صاحب) کی خدمت میں حاضری دی انھوں نے پوچھا کون ہو کیوں آئے ہو؟ انھوں نے عرض کیا بدایوں سے پڑھنے آیا ہوں، بدایوں کا نام سن کر وہ چونکے، والد کا نام پوچھا، انھوں نے بتایا مولوی عبدالقادر قادری، سید صاحب نے فرمایا ''تمہارے والد میرے استاذ کے بھائی تھے، انھوں نے اتنا پڑھ لیا ہے کہ سات پشتوں تک کافی ہے، اب تم کیا پڑھو گے''؟ المولوی (مولانا عبدالقدیر بدایونی) نے عرض کیا آپ پڑھائیں گے تو میں بھی پڑھا ہوا ہو جاؤں گا، سید صاحب نے پوچھا ابھی تک کیا کرتے رہے ہو؟ انھوں نے عرض کیا درسیات کی تکمیل گھر پر ہی کی پھر حکیم برکات احمد صاحب کے پاس ٹونک گیا۔ استاذ ہنسے اور فرمایا ''یہ تو مان سکتا ہوں کہ استاذ

نے بڑھاپے میں خدمت گار رکھ لیا تھا اور نہ برکات کا علم سے کیا تعلق''؟ المولوی (مولانا عبدالقدیر بدایونی) نے عرض کیا آپ استاذ بھائی ہیں ایک دوسرے کو جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، مگر میں تو حکیم صاحب کا شاگرد ہوں، میرے سامنے کچھ نہ فرمائیں۔ سید صاحب خوش ہو گئے فرمایا ''ادب جانتے ہو شاید پڑھ جاؤ مگر میں بڑی کتابیں نہیں پڑھاتا''۔ المولوی (مولانا عبدالقدیر بدایونی) نے عرض کیا ''جو کتاب آپ کہیں وہی پڑھوں گا مجھے تو آپ سے پڑھنا ہے''۔ سید صاحب نے فرمایا ''ایساغوجی لاؤ'' (منطق کا پہلا قاعدہ) دوسرے روز ایساغوجی لے کر پہنچے، پوچھا کون سی کتاب لائے؟ عرض کیا جو آپ نے فرمائی تھی وہی لایا ہوں ایساغوجی، انھوں نے پڑھانا شروع کیا، پہلی کتاب میں وہ مطالب بیان کرنا شروع کیے جو بڑی سے بڑی کتابوں میں ہی ملتے ہیں۔ درس ختم ہوا تو فرمایا کل سے اپنی پسند سے جو کتاب چاہو لاؤ۔ (احوال ومقامات: ص۵۳)

مصنف اکمل التاریخ کے مطابق حضرت عاشق الرسول مولانا برکات احمد ٹونکی کے پاس تین ماہ رہے، اور مولانا سید عبدالعزیز کی درسگاہ میں بھی چند ماہ استفادہ کیا، یہ ۱۳۳۱ھ کا زمانہ تھا، حضرت عاشق الرسول کو بھی اپنے خیرآبادی اساتذہ اور ان کی تصانیف سے والہانہ محبت تھی، اپنے استاذ زادے کے غایت ادب واحترام کا واقعہ ہم نے گزشتہ صفحات میں ذکر کیا ہے، زمانہ تحصیل علم میں علامہ فضل حق خیرآبای کا حاشیہ قاضی مبارک آپ کے زیر مطالعہ رہا، اور اس پر آپ نے مختصر حواشی بھی قلم بند فرمائے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

مولانا ضیا احمد صدیقی بدایونی (صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے مسئلہ وحدۃ الوجود پر ایک تحقیقی مضمون لکھا، حضرت نے ایک مکتوب میں اس مضمون کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، اسی میں آپ پروفیسر صاحب کو علامہ فضل حق خیرآبادی کے رسالے ''الروض المجوذ'' کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں:

استدلالی طور سے متقدمین میں علامہ قونوی اور متاخرین میں حضرت بحرالعلوم فرنگی محلی اور استاذ مطلق مولانا فضل حق خیرآبادی نے اس بحث

میں رسائل تصنیف فرمائے ہیں، مولانا فضل حق کا رسالہ غالباً علامہ راغب الجیلانی کے پاس ہوگا اس کا مطالعہ کیجیے۔ (مکتوب عبدالقدیر بدایونی بنام ضیا احمد بدایونی مخزونہ کتب خانہ قادریہ بدایوں)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ کی تصانیف کی آپ کی نظر میں کیا قدر و قیمت تھی۔

تاج الفحول کے تلامذہ: حضرت تاج الفحول کے تلامذہ کی تعداد بھی بے شمار ہے، اکمل التاریخ میں مولانا ضیاء القادری نے حضرت تاج الفحول کے ۵۰؍ سے زیادہ تلامذہ کا ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱) مولانا عبدالرزاق مکی

(۲) مولانا سید مصطفیٰ گیلانی بغداد شریف

(۳) سید شاہ ابوالقاسم اسمٰعیل حسن مارہروی

(۴) سید شاہ حسین حیدر قادری مارہروی

(۵) مولانا محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی

(۶) حافظ بخاری سید شاہ عبدالصمد چشتی سہسوانی

(۷) مولانا حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی

(۸) استاذ العلما مولانا محبّ احمد قادری بدایونی

(۹) مولانا فضل احمد قادری بدایونی

(۱۰) مولانا فضل مجید فاروقی شیخوپوری

(۱۱) مولانا فصیح الدین عباسی بدایونی

(۱۲) مولوی علی احمد خاں اسیؔر (پروفیسر عربی آگرہ سینٹ جانس کالج)

(۱۳) مولوی سدیدالدین شائق عباسی

(۱۴) خان بہادر رضی الدین بسمل وکیل

(۱۵) مفتی کرم احمد میخوآر

(۱۶) مولانا غلام شبر صدیقی نوری

(۱۷) مولوی ابرارالحق کیفؔ بدایونی

(۱۸) مولانا محمد حسن اسرائیلی سنبھلی

(۱۹) قاضی معین الدین کیفی میرٹھی

(۲۰) مفتی عزیزالرحمٰن دیوبندی

(۲۱) مولانا حافظ بخش قادری آنولوی

(۲۲) اخوند عبدالرزاق صاحب قندھاری

ان تلامذہ میں اکثر حضرات صاحب درس ہیں جن سے پھر صدہا لوگوں نے استفادہ کیا، اور خیرآبادی سلسلہ کہاں سے کہاں تک پہنچا ع

کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے

یہاں ہم تاج الفحول کے تلامذہ میں خصوصیت کے ساتھ تین حضرات کا ذکر کریں گے، جن کی دینی اور تدریسی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

حافظ بخاری مولانا عبدالصمد سہسوانی: تاج الفحول کے ارشد تلامذہ میں تھے، ۱۲۶۹ھ-۱۸۵۳ء میں ولادت ہوئی، صرف سات سال کی عمر میں قرآن مجید کے حفظ سے فراغت پائی، اس کے بعد ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر ہی اپنے خالہ زاد بھائی مولانا حکیم سخاوت حسین سے حاصل کی، اعلیٰ تعلیم اور تکمیل کے لیے مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں شریف میں تشریف لائے، مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی، اور تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی قدس سرہما سے تکمیل درسیات کی، مصنف تذکرہ علمائے اہل سنت نے لکھا ہے کہ کچھ استفادہ مولانا نوراحمد عثمانی (تلمیذ علامہ فضل حق خیرآبادی) سے بھی کیا، یہ بات عین قرین قیاس ہے، کیوں کہ جس زمانے میں حافظ بخاری مدرسہ قادریہ میں زیر تعلیم تھے اس زمانے میں مولانا نوراحمد بدایونی پوری آب وتاب کے ساتھ مدرسہ قادریہ کی مسند درس پر جلوہ افروز تھے، شیخ المشائخ حافظ سید محمد اسلم چشتی خیرآبادی کے دست حق پرست پر سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ سلیمانیہ میں بیعت ہوئے، تصانیف کا ایک قابل قدر ذخیرہ ملت اسلامیہ کی رہنمائی کے لیے چھوڑا، بعض اہم تصانیف یہ ہیں: (۱) افادات صمدیہ (۲) الطوارق الصمدية (۳) حق اليقين فی مبحث مولد اعلیٰ النبيين (۴) نصر المسلمين علیٰ عداة

سیدالمرسلین (۵)نصرالسنیین(۶)ارغام الشیاطین (۷)تبعید الشیاطین بامداد جنود الحق المبین(۸)**جمع تلبیسات صواعق** وغیرہ۔

۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں ۱۷/ جمادی الاخریٰ اور ۱۸/ جمادی الاخریٰ کی درمیانی شب میں وصال فرمایا۔

آپ کے صاحبزادے مولانا خواجہ مصباح الحسن چشتی مودودی (ولادت:۱۳۰۴ھ-وفات: ۱۳۸۴ھ) اولاً تو اپنے والد کے شاگرد تھے، جو علامہ فضل حق خیرآبادی کے تلمیذ التلمیذ تھے، کچھ کتابیں مولانا مفتی ابراہیم قادری بدایونی سے پڑھیں یہ بھی بدایونی سلسلہ خیرآباد کے فاضل تھے، اور پھر آپ نے جونپور جا کر مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا لہٰذا اس نسبت سے بھی آپ خیرآبادی ہوئے۔

مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی: آپ حضرت تاج الفحول کے بڑے صاحبزادے ہیں، ولادت ۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۲۸۳ھ/ اکتوبر ۱۸۶۶ء میں ہوئی، مولانا نور احمد بدایونی (تلمیذ علامہ فضل حق خیرآبادی) اور اپنے والد سے درسیات کی تکمیل کی، مدرسہ عالیہ قادریہ کی مسند درس کو زینت بخشی، معقولات کے علاوہ عربی زبان وادب کا خاص ذوق تھا، مولانا فیض احمد عثمانی بدایونی کی المقامة البغدادية پر عربی میں مقدمہ اور فارسی میں تشریحی حواشی تحریر فرمائے، جس سے عربی زبان وادب میں رسوخ کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کا عربی کلام بھی قابل قدر ہے۔ بے شمار حضرات نے اکتساب فیض کیا چند مشاہیر کے اسما درج ذیل ہیں:

(۱) مولانا عبدالماجد قادری بدایونی

(۲) مولانا عبدالقدیر قادری بدایونی مفتی اعظم ریاست حیدرآباد

(۳) مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی

(۴) مولانا عبدالمجید قادری آنولوی

(۵) مفتی حبیب الرحمٰن قادری بدایونی

(۶) مفتی ابراہیم قادری بدایونی مفتی اعظم بمبئی

(۷) تاج العلما مولانا اولاد رسول محمد میاں برکاتی مارہروی

(۸) مترجم قرآن مفتی عزیز احمد بدایونی ثم لاہوری

(۹) مولانا ضیا احمد صدیقی صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

۲۵ رمحرم الحرام ۱۳۳۴ھ مطابق ۴ ردسمبر ۱۹۱۵ء کو فجر کی نماز میں عین حالت سجدہ میں وصال فرمایا۔

تقویٰ اور پرہیز گاری میں یکتائے روزگار تھے، ایک مرتبہ علی گڑھ میں مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی مجلس میں دوسرے اہل علم کے علاوہ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی نواب صدر یار جنگ بھی موجود تھے، بات اسلاف کی عبادات اور جذبہ اطاعت کی ہورہی تھی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے فرمایا کہ ''خیر القرون کا حال کتابوں میں پڑھا ہے آنکھوں سے دیکھنا ہو تو بدایوں جاؤ اور حضرت مطیع الرسول عبدالمقتدر قادری کو دیکھو''۔ (احوال ومقامات:ص ۱۹)

علامہ فضل حق خیر آبادی کا رسالہ غدریہ اور قصائد فتنۃ الہند آپ کے ہاتھ کے نقل کیے ہوئے کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو خانوادۂ خیر آباد سے گہرا قلبی لگاؤ تھا۔

استاذ العلما مولانا محبّ احمد قادری بدایونی: علامہ محبّ احمد قادری بدایونی (ولادت: ۱۲۶۶ھ/۵۰-۱۸۴۹ء۔ وفات: ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء) نے ابتدائی تعلیم سے لے کر فراغت تک تعلیم وتربیت کے سارے مراحل مدرسہ عالیہ قادریہ میں طے کیے، کچھ کتابیں مولانا نور احمد عثمانی بدایونی (م:۱۳۰۱ھ) تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی سے پڑھیں، درسیات کی اکثر کتابیں تاج الفحول مولانا عبدالقادر قادری بدایونی سے پڑھیں، فراغت کے بعد مدرسہ قادریہ میں مسند درس آراستہ کی، اور ایک جہان کو فیض یاب کیا، کچھ عرصہ مارہرہ شریف میں مدرسہ برکاتیہ میں بھی مدرس رہے، اور شاہزادگان برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کی بھی تعلیم وتربیت کا آپ کو افتخار حاصل ہوا، مدرسہ شمس العلوم بدیوں کی مسند صدارت کو بھی زینت بخشی، آپ کو بجا طور پر استاذ العلما کہا جاسکتا ہے، اس زمانے میں خانوادۂ قادریہ بدایوں اور علمائے بدایوں میں شاید ہی کوئی صغیر وکبیر ایسا ہو جس نے آپ سے استفادہ نہ کیا ہو، آپ کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے۔ درس وتدریس کے علاوہ کچھ کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، ان میں سے بعض یہ ہیں (۱) **الطوارق الاحمدیہ** (۲) **صون الایمان عن وساویس قرن الشیطان** (۳) **ھدیۂ احمدیہ رد مبتدعات نجدیہ** (۴)

الحدوث والقدم (۵) التناسخ(٦) الکلام الحق الجلی (۷) الابتهاج بذکرمعراج صاحب التاج(۸)رسالہ عظمت اولیاء اللہ(۹) توضیح حق

ان رسائل میں التناسخ اورالحدوث والقدم فلسفیانہ انداز کی تصانیف ہیں،جن سے معقولات میں آپ کی گہری نظر کا پتہ ملتا ہے۔

علامہ یعقوب بخش راغب بدایونی: مولانا محبّ احمد بدایونی کے تلامذہ میں علامہ یعقوب بخش راغبؔ بدایونی (ولادت: ۱۸۸۸ء۔وفات: ۱۹۴۸ء/۱۳۶۷ھ) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں،آپ بدایوں کے اس مشہور خاندان کے فرد ہیں جوعلم وادب اور دنیاوی جاہ وحشمت میں ممتاز رہا ہے،دوواسطوں (مولانا محبّ احمد بدایونی اورحضرت تاج الفحول) سے آپ کا سلسلہ تلمذ علامہ فضل حق خیرآبادی تک پہنچتا ہے۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

> مرحوم نے درس نظامی کے اسباق مولانا رفاقت اللہ صاحب اور مولانا فضل احمد بدایونی سے پڑھے،تبرکاً چند سبق مولانا عبدالمقتدر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی پڑھے،حدیث میں مولانا مرحوم کا سلسلہ تلمذ سید یونس علی صاحب (متوفی ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء) کے واسطے سے خاندان ولی اللہی تک اور معقول میں مولانا محبّ احمد صاحب بدایونی (متوفی ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۶ء) کے توسط سے خانوادۂ خیرآباد تک پہنچتا ہے۔(معارف مئی ۱۹۴۸ء،بحوالہ کلیات راغب ص۱۴)

پروفیسر ضیا احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> مولانا راغبؔ مرحوم بڑے جامع الکمالات انسان تھے،تفسیر،حدیث،فقہ، کلام واصول میں تبحر کے ساتھ تصوف،فلسفہ،ریاضی،ہیئت،نجوم،رمل،جفر ،ادب تاریخ اور دوسرے مختلف علوم میں بھی کافی دسترس رکھتے تھے،حدیث اورادب سے ان کو خاص شغف تھا،حدیث کے رجال اور لغت کے شواہد پر حیرت انگیز عبور تھا،عربی لکھنے اور بولنے پر انہیں کامل قدرت تھی،فارسی اور

اردو کا مذاق بلند تھا، اسی کے ساتھ انگریزی اور سنسکرت بقدر ضرورت جانتے تھے (علی گڑھ میگزین ۱۹۴۸ء، بحوالہ کلیات راغب ص ۱۶/۱۷)

علامہ راغب نے حضرت تاج الفحول کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی، پروفیسر ضیا احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> مولانا عقیدتاً سنی حنفی اور مشرباً قادری تھے، بچپن ہی میں والد نے ان کو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مرید کرادیا تھا، شیخ کی وفات کے بعد شیخ کے خلف اکبر حضرت مولانا مطیع الرسول عبدالمقتدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تجدید بیعت کی تھی (مرجع سابق)

پروفیسر ضیا احمد صدیقی نے علامہ راغبؔ کی مندرجہ ذیل قلمی کاوشوں کا تذکرہ کیا ہے:

(۱) الانجم الطوّالع مشتمل برمتن وعکس کتاب المطالع وترجمہ وشرح اردو

(۲) بہار بوستاں.....انتخاب بوستاں مع مقدمہ وشرح

(۳) مالابدمنہ کا تشریحی ترجمہ

(۴) ارکان دینیہ

(۵) مسئلہ علم: مسلم مفکرین کی نظر میں (۱۹۷۴ء میں پاکستان میں شائع ہوئی)

(۶) قصائد الکوکبیہ فی المناقب العلویہ

(۷) قصائد ہاشمیات

(۸) اللامیۃ الرائیہ

آخری تین رسائل عربی منظومات میں ہیں (مرجع سابق)

☆☆☆

کتب خانہ قادریہ میں خیرآبادی نوادر

بدایوں اور خیرآباد کے تعلقات وروابط پر ہم گزشتہ صفحات میں روشنی ڈال چکے ہیں، انہیں قریبی تعلقات کا نتیجہ ہے کہ مدرسہ عالیہ قادریہ کے کتب خانہ میں خیرآبادی علما کی تصانیف کے نایاب ونادر نسخے موجود ہیں۔

کتب خانہ قادریہ میں خیرآبادیات سے متعلق قلمی نوادر بھی ہیں ،اور قدیم مطبوعات بھی، یہاں ہم دونوں قسم کی کتابوں کا مختصر تعارف پیش کررہے ہیں، ممکن ہے کسی ریسرچ اسکالر کے کام آجائے۔

دادیم ترا زگنج مقصود نشاں　　　گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

(ترجمہ: خزانے کا پتہ ہم تمہیں بتائے دیتے ہیں اگر ہم وہاں تک نہ پہنچ سکے تو شاید تم ہی وہاں تک پہنچ جاؤ)

قلمی کتب ورسائل:

(۱) حاشیہ میرزاہد رسالہ: ازمولانا فضل امام خیرآبادی۔ مولانا سناءالدین عثمانی بدایونی مولانا فضل امام خیرآبادی کے تلمیذ تھے، اپنے استاذ کا یہ حاشیہ انہیں کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا ہے، پھر اس حاشیہ پر خود مولانا سناءالدین کا حاشیہ ہے، یہ نسخہ بعض جگہ سے کرم خوردہ ہے اور آخر کے اوراق چپک گئے ہیں۔

(۲) امتناع النظیر: یہ علامہ فضل حق خیرآبادی کی مشہور زمانہ تصنیف ہے، اس کا یہ نسخہ بڑی تقطیع کے ۱۴۲/اوراق (۲۸۴/صفحات) پر مشتمل ہے، ایک صفحہ پر ۲۰/سطریں ہیں، کاتب اور سنہ کتابت درج نہیں ہے، جب مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے رسالہ امتناع النظیر کی اشاعت کا ارادہ کیا تو رسالے کے دوسرے قلمی نسخوں کے ساتھ مقابلہ کے لیے کتب خانہ قادریہ کے اس نسخے سے بھی استفادہ کیا تھا۔

(۳) تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ: علامہ فضل حق خیرآبادی کی مشہور تصنیف ہے، چھوٹے سائز میں ۱۰۶/اوراق (۲۱۲/صفحات) پر مشتمل ہے، اس نسخے کی خاص بات یہ ہے کہ یہ مصنف کتاب کے شاگرد تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، نسخے کے سرورق پر تحریر ہے:

> ہذاالکتاب تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ کہ در ۱۲۴۰ھ ۱۸/رمضان المبارک تالیف یافتہ در ردتقویت الایمان کہ در ۱۲۴۰ھ در پانزدہم محرم الحرام تالیف شدہ ازمولوی اسماعیل صاحب دہلوی۔

لیکن سرورق کی یہ تحریر تاج الفحول کے قلم کی نہیں ہے۔

(۴) ہدیہ سعیدیہ: یہ بھی علامہ فضل حق خیرآبادی کی مشہور تصنیف ہے، یہ متوسط تقطیع پر ۱۰۲/اوراق (۲۰۴/صفحات) پر مشتمل ہے، جس میں ایک صفحے پر ۲۱/سطریں ہیں، کاتب کا نام نہیں ہے البتہ کتابت کی تاریخ ۷/ذی قعدہ ۱۲۸۹ھ درج ہے۔

(۵) حاشیہ قاضی مبارک: علامہ فضل حق کا یہ شہرۂ آفاق حاشیہ بڑی تقطیع پر ہے، یہ نسخہ مولانا سناءالدین عثمانی کے ذخیرہ کا ہے، جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزرا، سرورق پر ان کے قلم کی یہ تحریر درج ہے:

> حاشیہ استاذ مطلق جناب مولانا فضل حق دام ظلہم در ملک فقیر سناءالدین

اس کے بعد بھی دو جملے تحریر کیے ہیں جو پڑھے نہیں جاسکے، یہ نسخہ مولانا عبدالقیوم قادری بدایونی (تلمیذ مولانا عبدالقادر بدایونی) کے زیر مطالعہ رہا ہے، سرورق پر مولانا کے قلم سے یہ تحریر درج ہے:

> حاشیہ قاضی مبارک تصنیف حضرت مولانا استاذ الاساتذہ حضور استاذ مطلق مولوی فضل حق خیرآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ در ۱۳۰۲/ہجری قدسی غرہ ماہ ربیع الثانی آغاز نمودم: محمد عبدالقیوم قادری عفی عنہ

(۶) مجموعہ قصائد علامہ فضل حق: اس مجموعے ☆ میں علامہ کے ۱۴/مکمل قصائد اور ایک قصیدے

☆ سنہ ۲۰۰۱ء/۲۰۰۲ء میں مولانا ممتاز احمد سدیدی جامعہ ازہر میں علامہ کی شاعری پر ڈاکٹریٹ کر رہے تھے اس وقت میں نے اس مجموعہ قصائد کا عکس ان کی خدمت میں پیش کیا تھا، پھر مولانا عبدالحکیم شرف قادری کے توسط سے وہی عکسی نسخہ ڈاکٹر سلمہ سیہول کو دستیاب ہوا، انہوں نے اپنے مرتبہ دیوان فضل حق میں اس نسخے سے استفادہ کیا ہے، ترتیب دیوان کے وقت علامہ کی ذاتی بیاض کے علاوہ علی گڑھ اور لکھنؤ وغیرہ کے کم از کم ۵/قلمی مجموعے موصوفہ کے پیش نظر تھے، مقدمہ میں انہوں نے لکھا ہے کہ بدایوں والے مجموعے میں ۳/قصائد ایسے ہیں جو اِس مجموعے کے علاوہ اور کہیں نہیں ہیں۔

کے۲؍شعر ہیں، مجموعے میں شامل اشعار کی مجموعی تعداد ۱۶۵۷؍ ہے☆، قصیدہ نمبر ۶؍۱۳؍اور ۱۴؍ کے علاوہ باقی قصائد مولانا سناء الدین عثمانی بدایونی کے قلم کے ہیں جو انہوں نے سنہ ۱۲۶۹ھ اور ۱۲۷۰ھ میں بمقام رامپور نقل کیے ہیں، حاشیہ اور بین السطور میں حل لغات بھی ہے جو حضرت تاج الفحول کے قلم کا معلوم ہوتا ہے، اگر چہ مخطوطے میں اس بات کی صراحت نہیں ہے مگر راقم تاج الفحول کا خط پہچانتا ہے، بعض جگہ مختصر حواشی مولانا عبدالقیوم قادری بدایونی کے قلم سے بھی ہیں، سرورق پر درج ہے ''قصائد حضرت استاذ مطلق ملک سناء الدین ختم اللہ تعالیٰ بالصدق والیقین''

اس مجموعے میں شامل قصائد کی تفصیل درج ذیل ہے:

قصیدہ (۱) ۲۳۵؍اشعار پر مشتمل اس قصیدے میں رافضیوں کا رد اور ان کے شہر لکھنؤ کی ہجو ہے، مولانا عبدالقیوم قادری بدایونی کے قلم سے یہ حاشیہ درج ہے:

فی ھذہ القصیدۃ انکیٰ رافضۃ وابکیٰ واخذ لھم واخزیٰ

،وھجاھم وبلد ھم لکھنؤ وبین ما لھم من الضلال والسوء۔

۲۱؍رجب ۱۲۶۹ھ کو رامپور میں نقل کیا گیا، مطلع درج ذیل ہے:

مالـلـزمـان یـربـی الـدانئ الدونا　　　　من دان دان وبعدی الدونا بعدونا

قصیدہ (۲) یہ نعتیہ قصیدہ ہے جس میں ۱۱۹؍اشعار ہیں، تاریخ کتابت ۲۳؍رجب ۱۲۶۹ھ درج ہے، مطلع حسب ذیل ہے:

وکـفـت تـعبر عن جویً عبراتہ　　　　وکفت مؤون وشاتہ زفراتہ

قصیدہ (۳) یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے، ۹۳؍اشعار ہیں، اس پر ۲۴؍رجب ۱۲۶۹ھ کی تاریخ درج ہے، مطلع یہ ہے:

یَـخْـفِـیْ مَـا یُـخْـفِـیْ مِدْمَعُہٗ　　　　ویـذ یـع الـسـر تـو جـعـہ

قصیدہ (۴) ڈاکٹر سلمہ کے مطابق یہ قصیدہ علامہ نے ۱۲۳۶ھ میں نظم کیا تھا، یہ بھی نعتیہ ہے، اور

☆ ڈاکٹر سلمہ نے مجموعے کے قصائد کی تعداد ۱۶؍اور اشعار کی مجموعی تعداد ۱۷۰۷ لکھی ہے، دراصل اس میں انہوں نے وہ مطبوعہ قصیدہ بھی شمار کیا ہے جو علامہ نے نواب علی نقی خاں کی مدح میں کہا تھا، اس کا تعارف میں نے نادر مطبوعات کے ذیل میں کروایا ہے، اس میں ۵۰؍اشعار ہیں، مجموعے میں ایک قصیدے کے صرف دو شعر ہیں، ڈاکٹر سلمہ نے ان کو بھی ایک قصیدہ شمار کیا ہے، اسی لیے انہوں نے مجموعے کے اشعار کی تعداد ۱۷۰۷؍اور قصائد کی تعداد ۱۶؍بتائی ہے۔

۱۲۱/اشعار پر مشتمل ہے، ۲۷/رجب ۱۲۶۹ھ تاریخ کتابت درج ہے، مطلع درج ذیل ہے:

مـا زال یـحـذ ر یـوم بعد سعاد　　　　حتـیٰ دنـا بـعـداً لیوم بعاد

قصیدہ (۵) یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے، ۱۰۳/اشعار پر مشتمل ہے، ۳۰/رجب ۱۲۶۹ھ کی تاریخ درج ہے، قصیدے کا مطلع یہ ہے:

حـاشی الرقیب وخان کل امین　　　　حتـیٰ بکیٰ فاذاع کل مصون

قصیدہ (۶) یہ قصیدہ نصاریٰ کی ہجو اور متنصرین کی مذمت میں ہے، جس میں ۲۳۵/اشعار ہیں، ڈاکٹر سلمہ نے لکھا ہے کہ یہ قصیدہ اس مجموعے کے علاوہ اور کہیں نہیں ہے، تاریخ کتابت درج نہیں ہے، قصیدے کا مطلع یہ ہے:

كَـمْ فِيْ هَوَى الْحُوْرِ مِنْ حَوْرٍ وَمِنْ حُوْرِ　　　　فَـكَـمْ فَتًـى بِشِـفَـارِ الشَّـفْرِ مَنْحُوْر

قصیدہ (۷) یہ ۱۲۵/اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ ہے، ڈاکٹر سلمہ کے بقول یہ قصیدہ ۱۲۶۲ھ میں نظم کیا گیا ہے، ۱/شعبان ۱۲۶۹ھ میں نقل کیا گیا، مطلع یہ ہے:

اتـیٰ مـن تبـاشیر الـصباح بشیر　　　　ببشـر بشیـر الصبوح یشیـر

قصیدہ (۸) یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے، جس میں ۷۰/اشعار ہیں، ڈاکٹر سلمہ نے لکھا ہے کہ یہ قصیدہ علامہ کی بیاض میں بھی ہے مگر اس میں صرف ۴۳/اشعار ہیں، باقی کے اشعار صرف اسی مجموعے میں ہیں، اپنی بیاض میں علامہ نے اس قصیدے سے پہلے لکھا ہے کہ ''یہ قصیدہ میں نے محرم ۱۲۴۱ھ میں حضور اکرم ﷺ کی مدح میں نظم کیا ہے، اس وقت ایک فتنہ ظاہر ہوا ہے جو مخلوق کو گمراہ کر رہا ہے، اور حضور اکرم ﷺ کی شان عالی میں تخفیف واہانت کے ذریعے اہل اسلام کو دھوکے میں ڈال رہا ہے'' (ترجمہ ملخصاً دیوان فضل حق: ص ۲۶۱) اس پر تاریخ ۲/شعبان ۱۲۶۹ھ درج ہے، مطلع یہ ہے:

وَاهًا لِوَاهٍ مُكْمَدٍ أَرِقٍ بِلَيْلٍ سَرْمَد
قَدْ بَاتَ بِلَيْلَةِ أَنْقَذٰ وَارَى الْوَرَى وَكَأَنْقَد

قصیدہ (۹) یہ ۶۱/اشعار پر مشتمل نعتیہ قصیدہ ہے، تاریخ ۳/شعبان ۱۲۶۹ھ درج ہے، آغاز یوں ہوتا ہے:

إِنْ لَـمْ تُصِبْ نَظْرَةٌ مِنْ أَعْيُنٍ نُعَسِ　　　　فَمَنْ نَفَى النَّوْمَ مِنْ عَيْنَيْكَ فِي الْغَلَس

قصیدہ(۱۰) یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے، ڈاکٹر سلمہ کے بقول ۱۲۳۶ھ میں نظم کیا گیا، اس میں ۱۲۷/اشعار ہیں، تاریخ کتابت ۴/شعبان ۱۲۶۹ھ درج ہے، مطلع یہ ہے:

خفیٰ خفی هواه دمعه الجاری

لما خفا بارق بادی السنا شاری

قصیدہ(۱۱) یہ نعتیہ قصیدہ ۶۱/اشعار پر مشتمل ہے، جس میں امکان نظیر کے نظریے کی تردید کی گئی ہے، تاریخ کتابت ۱۳/رجب ۱۲۷۰ھ درج ہے، قصیدے کا مطلع یہ ہے:

قم یا صباح فصبح قبل اصباح

فانما الراح فی راح علیٰ راح

قصیدہ(۱۲) یہ بھی نعتیہ قصیدہ ہے، جس میں ۹۰/اشعار ہیں، تاریخ کتابت ۱۴/رجب ۱۲۷۰ھ درج ہے، آغاز یوں ہوتا ہے:

لا تنصبغ بهویٰ بیض امالید

فاحمر الموت فی اجفانها السود

قصیدہ(۱۳) یہ قصیدہ بھی نعت پاک میں ہے، ڈاکٹر سلمہ کی تحقیق کے مطابق یہ قصیدہ اس وقت کا ہے جب علامہ ملازمت ترک کر کے دہلی سے روانہ ہو رہے تھے، قصیدہ ۱۲۵/اشعار پر مشتمل ہے، تاریخ کتابت درج نہیں، مطلع حسب ذیل ہے:

مودع سلمیٰ للحیاة مودع　　　　فعما قریب حفرة الودع یودع

قصیدہ(۱۴) یہ نعتیہ قصیدہ ۹۰/اشعار پر مشتمل ہے، اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی امکان نظیر کے قضیہ کے بعد کا ہے، تاریخ کتابت درج نہیں، مطلع درج ذیل ہے:

فؤادی هائم والد مع هام

وسهدی دائم والجفن دام

دیوان فضل حق کی مرتبہ ڈاکٹر سلمہ فردوس کے مطابق علامہ نے ۱۲۴۰ھ میں امیر ٹونک نواب محمد امیر خان بہادر کی مدح میں ۵۴/اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ کہا تھا، ہمارے مجموعے کے آخری صفحے پر یہ ادھوری عبارت درج ہے:

و لـه أفـاض الـلـه عـلـيـنـا من بر كاته- لما طلبه محمد أمير خان

بهادر......

اس کے بعد اس قصیدے کا مطلع اور ایک شعر نقل کیا گیا ہے، قصیدے کا مطلع یہ ہے:

هنيئا فقد وافى الى بشير

فاقبل نحوى جدة و حبور

(۷) قصیدہ میمیہ: یہ قصیدہ سید حیدر علی ٹونکی اور شاہ اسماعیل دہلوی کی ہجو میں ہے، جو ۱۱۴ر اشعار پر مشتمل ہے، مولانا عبد النبی فصیح الدین عباسی بدایونی (تلمیذ تاج الفحول مولانا عبد القادر بدایونی) کے ہاتھ سے نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے، حاشیہ اور بین السطور میں حل لغات بھی ہے، قصیدے کے اختتام پر یہ عبارت درج ہے:

تمام شد قصیدہ من تصنیف حضرت جناب قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین
استاذ مطلق حضرت جناب مولانا فضل حق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ در ہجو
حیدر علی نجدی وہابی علیہ ما علیہ مطیع شیخ النجدی، ساطر عبد النبی قادری

قصیدے کا مطلع یہ ہے:

كلامى فى حشا العادى كلام

نوافذ ما له منها التيام

(۸) فتویٰ تردید حیدر علی ٹونکی: از علامہ فضل حق خیر آبادی (قیاساً)

سید حیدر علی ٹونکی کی بعض عبارات سے متعلق ۱۵ر سوالات پر مشتمل استفتا اور اس کے جواب میں تفصیلی فتویٰ ہے، یہ نسخہ چھوٹے سائز میں ۵ر اوراق (۱۰ر صفحات) پر مشتمل ہے، باریک قلم سے ہر صفحے میں ۲۴ر سطریں ہیں، آخر میں علامہ فضل حق کی مہر بھی ثبت ہے۔ دہلی، رامپور اور مرادآباد وغیرہ کے ۳۰ر سے زائد علما کی تصدیقات کے ساتھ یہ فتویٰ مطبع ہدایہ دہلی سے ۱۲۶۹ھ میں شائع بھی ہوا تھا۔

(۹) رسالہ الثورۃ الہندیۃ وقصائد فتنۃ الہند: علامہ فضل حق کا رسالہ غدریہ اور قصائد فتنة الهند حضرت مولانا عبد المقتدر قادری بدایونی کے ہاتھ سے نہایت خوشخط لکھے ہوئے ہیں، رسالہ غدریہ

۷/اوراق (۱۴/صفحات) پر جب کہ قصائد ۳/اوراق (۶/صفحات) پر مشتمل ہیں، آخر میں حضرت مولانا عبدالمقتدر قادری بدایونی کی یہ تحریر درج ہے: (۲)

ترجمہ: یہ مقامہ سجنیہ (رسالہ الثورۃ الہندیہ) اور یہ دونوں قصیدے میں نے ماہ رجب ۱۳۱۱ھ میں نقل کیے، مصنف کے ہاتھ کے نسخے سے میں نے ان کو نقل کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جب نعت رسالت میں یہ دونوں قصیدے نظم فرمائے، تو نعت پاک کی برکت سے قید سے رہائی اور وطن واپسی کا حکم سنا دیا گیا، لیکن اس وقت وہ متعدد امراض کا شکار تھے، لہٰذا وہیں ان کی وفات ہوگئی، ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

کہنے والے نے سچ ہی کہا کہ ع

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

کتبہ محمد عبدالمقتدر مطیع الرسول عفی عنہ

(۱۰) مجموعۂ مکاتیب: یہ کل ۷/خطوط ہیں، متوسط سائز پر ایک صفحے میں ۲۰/سطریں ہیں۔ خطوط کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) مکتوب مفتی آزردہ بنام علامہ فضل حق۔ (تقریباً ایک صفحہ)
(۲) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزردہ۔ (تقریباً ساڑھے چھ صفحات)
(۳) مکتوب مولانا شاہ فضل رسول بنام علامہ فضل حق۔ (ساڑھے پانچ صفحات)
(۴) مکتوب مفتی آزردہ بنام مولانا شاہ فضل رسول۔ (آدھا صفحہ)
(۵) مکتوب مفتی آزردہ بنام علامہ فضل حق۔ (تین صفحات)
(۶) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزردہ۔ (ڈیڑھ صفحہ)
(۷) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزردہ۔ (دو صفحات)

ان مکاتیب کی باقی تفصیلات اسی کتاب میں کسی دوسرے مقام پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۱) رسالہ مولوی محمد سراج الدین بر حواشی مفتی سعد اللہ مرادآبادی

(۱۲)جواب رسالہ از مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۱۳)جواب الجواب از مولوی محمد سراج الدین

(۱۴)روداد مباحثہ اول علامہ فضل حق خیرآبادی و مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۱۵)روداد مباحثہ دوم علامہ فضل حق خیرآبادی و مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۱۶)رسالہ مولانا فیض الحسن سہارنپوری در جواب مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۱۷)تقریر جواب ایرادات مفتی سعد اللہ صاحب: از مولانا محمد ہدایت علی بریلوی

(۱۸)رسالہ مولانا سلطان حسن بریلوی در جواب مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۱۹)رسالہ نامعلوم المصنف در جواب مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۲۰)رسالہ نامعلوم المصنف در جواب مفتی سعد اللہ مراد آبادی

(۲۱)رسالہ در جواب مولانا عبد الحق خیرآبادی از مولانا فدا حسین☆

(۲۲)تفسیر طیبات بینات المعروف بہ صراط مستقیم: از بی بی رقیہ خیرآبادی دختر مولانا عبد الحق خیرآبادی، اس کا اصل قلمی نسخہ خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف (یو. پی. انڈیا) میں محفوظ ہے، کتب خانہ قادریہ بدایوں میں اسی نسخہ کا عکس ہے، اس تفسیر کا تعارف ''خانوادہ خیرآباد کی اہل علم خواتین'' کے ضمن میں گزر گیا۔

نایاب مطبوعات:

ان قلمی نوادر کے علاوہ کتب خانۂ قادریہ بدایوں میں علامہ فضل حق خیرآبادی اور مولانا عبد الحق خیرآبادی کی بعض قدیم مطبوعہ تصانیف بھی موجود ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حاشیہ قاضی مبارک: از علامہ فضل حق خیرآبادی، بڑی تقطیع پر ۴۸۸/صفحات، خواجہ مصلح الدین احمد معروف بہ ابو سعید اقبال الدین کے زیر اہتمام مطبع مصلح المطابع دہلی سے ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں شائع ہوا۔

یہ نسخہ حضرت مولانا عبد القدیر بدایونی کے زیر مطالعہ رہا ہے، سرورق پر حضرت کے قلم سے یہ

☆ نمبر ۱۰/سے نمبر ۱۵/تک کے رسائل ایک جلد میں ہیں، اور ۱۶/سے ۲۱/تک ایک الگ جلد میں۔ ۱۱/سے ۲۱/نمبر تک کے رسائل کی تفصیلات ''علامہ فضل حق اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی'' کے ضمن میں ملاحظہ کریں۔

عبارت درج ہے:

حاشیہ قاضی مبارک در بلدۂ حیدرآباد دکن ترب بازار مکان رحیم الدین
خاں صاحب تعلقہ دار شروع نمودم بتاریخ ۴؍شعبان المعظم روزشنبہ
۱۳۲۷ھ محمد عبدالقدیر عاشق الرسول بدایونی

اس کے علاوہ کتاب میں متعدد مقامات پر حضرت کے قلم سے مختصر حواشی بھی درج ہیں۔

(۲) الھدیۃ السعیدیہ: ازعلامہ فضل حق خیرآبادی

اس کے تین مختلف نسخے ہیں:

(۱) مطبع شعلہ طور کانپور شوال ۱۲۹۲ھ

(۲) مطبع احمدی لکھنؤ ۱۳۳۰ھ

(۳) یہ نسخہ اول وآخر سے ناقص ہے، یہ بھی قدیم ہے، اور مذکورہ دونسخوں کے علاوہ کسی اور مطبع کا شائع شدہ ہے۔

(۳) المقامۃ المشورہ والقصیدۃ السیئیۃ: ازعلامہ فضل حق خیرآبادی

یہ مقامہ اور قصیدہ نواب مدارالدولہ منتظم الملک علی نقی خان بہادر سہراب جنگ کی مدح میں ہے، قصیدے کا مطلع ہے:

وافیٰ بشیرا بالنَفَس   نَسَمٌ سَریٰ طاب النَفَس

قصیدے میں ۵۰؍اشعار ہیں، یہ دونوں مطبع محمد حسین میں اشاعت پذیر ہوئے ہیں، سنہ طباعت ندارد ہے، تاہم سرورق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علامہ کی حیات ہی میں شائع ہوئے تھے۔

(۴) حاشیہ علیٰ حاشیہ غلام یحییٰ بہاری: ازمولانا عبدالحق خیرآبادی

مطبع نظامی کانپور سے محرم ۱۲۷۸ھ میں باہتمام محمد عبدالرحمٰن مہتمم مطبع نظامی شائع ہوا، یہ حاشیہ بڑی تقطیع کے ۱۹۴؍صفحات پر مشتمل ہے، مولانا سید عبداللہ بلگرامی کی فرمائش پر طبع ہوا اور تصحیح کی ذمہ داری بھی انہوں نے ہی ادا کی۔ دوران طالب علمی یہ نسخہ کمترین راقم سطور کے زیرمطالعہ رہا۔

(۵) شرح ہدایت الحکمۃ: ازمولانا عبدالحق خیرآبادی

متوسط سائز پر ۲۳۸؍صفحات پر مشتمل ہے، مولانا سید عبداللہ بلگرامی کی تصحیح وتقریظ کے ساتھ مطبع شعلہ طور کانپور سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوئی۔

یہ نسخہ مولانا عبدالماجد بدایونی کے زیر مطالعہ رہا ہے، سرورق پر مولانا کے دستخط موجود ہیں۔

(۶) زبدۃ الحکمۃ: ازمولانا عبدالحق خیرآبادی

مع یادگار حامد یہ ضمیمہ زبدۃ الحکمۃ ازمولانا اسدالحق خیرآبادی ابن مولانا عبدالحق خیرآبادی

حسب فرمائش مولانا سید اولاد حسین صاحب خیرآبادی، مطبع افضل المطابع دہلی ۱۳۳۱ھ

زبدۃ الحکمۃ ۶۵ رصفحات پر اور ضمیمہ ۱۹ رصفحات پر مشتمل ہے، آخر میں سید اصغر علی آبرو، صاحبزادہ محمد عبدالقدوس خاں صاحب اور محمد صابر شاکرؔ کے قطعات تاریخ طبع درج ہیں۔

(۷) شرح مرقات: ازمولانا عبدالحق خیرآبادی

متوسط سائز میں ۲۲۲ رصفحات پر مشتمل ہے، ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ میں مطبع انتظامی کانپور سے شائع ہوئی۔

(۸) تسہیل الکافیہ: ازمولانا عبدالحق خیرآبادی

متوسط سائز میں ۱۱۶ رصفحات پر مشتمل ہے مطبع مجیدی کانپور سے ۱۳۴۸ھ میں شائع ہوئی۔

(۹) حاشیہ بر شرح حمداللہ: ازمولانا عبدالحق خیرآبادی

۴۴۰ رصفحات پر مشتمل ہے، مولانا سید احمد حسین سندیلوی کی فرمائش اور آپ ہی کی تصحیح کے ساتھ مطبع علوی لکھنؤ سے ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ میں شائع ہوئی۔ ۱۹۹۷ء/ ۱۴۱۷ھ میں اِس کم علم راقم الحروف نے اس نسخہ سے استفادہ کیا۔

(۱۰) حاشیہ شرح مواقف امور عامہ: ازمولانا عبدالحق خیرآبادی

مرزا احمد شاہ کے زیر اہتمام مطبع احمدی دہلی سے ۱۲۹۰ھ میں شائع ہوئی۔

(۱۱) الجواھر الغالیۃ فی الحکمۃ المتعالیۃ: ازمولانا عبدالحق خیرآبادی

مولوی احمد علی خیرآبادی کی تصحیح کے بعد مطبع سعیدی رامپور سے ۱۹۰۶ء/ ۱۳۲۳ھ میں شائع ہوئی (صفحات: ۱۹۶) ☆

(۱۲) شرح حواشی الزاہدیہ امور عامہ: ازمولانا عبدالحق خیرآبادی

یہ نسخہ اول وآخر سے ناقص ہے، صفحہ ۳ ر سے صفحہ ۱۱۲ ر تک ہے، اس لیے اس کے سنہ طبع اور مطبع کے بارے معلوم نہیں ہوسکا۔

☆☆☆

☆ یہ کتاب ۱۳۰۲ھ میں مطبع احمدی رامپور سے بھی شائع ہوئی تھی، یہ نسخہ خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف میں راقم کی نظر سے گزرا

فضل حق، فضل رسول اور آزردہ☆

شدت پسندی اور نرم خوئی، سخت مزاجی اور رحم دلی یہ متضاد صفات ہیں، مگر قرآن کریم نے اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے ان کو بیک وقت ان متضاد صفات کا حامل قرار دیا ہے، اشداء علی الکفار اور رحماء بینھم، اقبالؔ نے غالباً اسی آیت کے مفہوم کو شعری قالب میں ڈھالا ہے کہ

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم............رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

تیرہویں صدی کی جن تین عبقری شخصیات کا ہم ذکر کرنے جارہے ہیں ان میں یہ متضاد صفتیں اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ نظر آتی ہے، ان تینوں حضرات کے باہم تعلقات، بے تکلفی، مراسلت اور ایک دوسرے کے بارے میں تاثرات کو دیکھا جائے تو یہ ریشم کی طرح نرم نظر آتے ہیں، مگر جب یہی لوگ اپنی اس تمام تر نرمی کے باوجود رزم گاہ حق و باطل میں ہوتے ہیں تو ان کا قلم تیغ آبدار بن کر چمکتا ہے۔

(۱) علامہ فضل حق خیرآبادی (۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء-۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)

(۲) مولانا شاہ فضل رسول بدایونی (۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء-۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء)

(۳) مفتی صدرالدین آزردہ دہلوی (۱۲۰۴ھ/۱۷۸۹ء-۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء)

یہ تینوں اپنے زمانے میں علم وفضل کے گنج گراں مایہ تھے، ان کی تدریسی، تصنیفی، ادبی اور انقلابی خدمات کی ایک زریں تاریخ ہے، تینوں تقریباً ہم عمر ہیں، پیدائش کے اعتبار سے مفتی صاحب مقدم ہیں، پھر علامہ اور آخر میں حضرت، جب کہ رخصتی میں علامہ مقدم ہیں، پھر مفتی

☆ یہ مضمون ماہنامہ جام نور دہلی دسمبر ۲۰۱۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ نظر ثانی اور کچھ حذف واضافہ کے ساتھ اس کو یہاں شامل کیا جارہا ہے۔ ناموں کی تکرار سے بچنے کے لیے ہم علامہ فضل حق کے لیے صرف ''علامہ''، مولانا شاہ فضل رسول کے لیے ''حضرت''، اور مفتی صدرالدین آزردہ کے لیے صرف ''مفتی صاحب'' لکھیں گے۔

صاحب، اور سب سے آخر میں حضرت نے پردہ فرمایا۔ مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے اس عجیب اتفاق کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مفتی صاحب علامہ سے آٹھ سال پہلے دنیا میں تشریف لائے، اور تقریباً آٹھ سال بعد ہی دنیا سے رخصت ہوئے۔

ان تینوں عبقری شخصیات کے درمیان ایک سے زیادہ امور ایسے قدر مشترک تھے جو باہم یگانگت اور رشتہ خلوص ومحبت کی بنیاد بن سکتے تھے، مثال کے طور پر ہم یہاں چند باتوں کی طرف اشارہ کریں گے:

(۱) معقولات سے خاص شغف، دلچسپی، اور علوم حکمیہ میں گہری نظر ان تینوں حضرات میں قدر مشترک ہے۔ مفتی صاحب نے معقولات کی اعلیٰ تعلیم خود علامہ کے والد ماجد مولانا فضل امام خیرآبادی سے حاصل کی تھی، حضرت نے فرنگی محل (جو اس وقت منقولات سے زیادہ معقولات کی درس وتدریس کا مرکز تھا) میں تکمیل علم کی تھی، پھر معقولات میں آپ کی مہارت اور دلچسپی کے ثبوت میں آپ کا حاشیہ بر رسالہ میر زاہد اور حاشیہ میر زاہد ملا جلال پیش کیا جا سکتا ہے، اور رہے علامہ تو وہ تو معقولات میں درجہ اجتہاد پر فائز تھے، بقول سرسید احمد خان ''منطق وحکمت کی تو گویا انہیں کے فکر عالی نے بناڈالی ہے'' (آثار الصنادید: ج۲/ص۸۸) اور بقول منشی جعفر تھانیسری ''علم منطق کے پتلے اور افلاطون وسقراط وبقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے'' (سوانح احمدی: ص۱۴۳)

(۲) شعر گوئی، سخن فہمی، سخن سنجی اور اعلیٰ ادبی ذوق تینوں حضرات کی مشترک صفت ہے، عربی شعروادب میں علامہ کا جو پایہ ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے، مفتی صاحب بھی شعروسخن اور ادبیات کے باب میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے، بقول مولانا آزاد ''علاوہ اور فنون کے فارسی وعربی کی ادبی فضیلت میں اس پائے کے عالم تھے کہ ان کے بعد پھر کوئی ویسا عالم نہ ہوا'' (آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی: ص ٦٦) ان کے عربی، فارسی، اردو کلام کے نمونے سرسید احمد خاں نے آثار الصنادید میں درج کیے ہیں (آثار الصنادید: ج۲/ص۵۹/تا۷۳/)

مفتی صاحب کی سخن فہمی اور سخن سنجی کے معیار کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک مرتبہ علامہ نے اپنا ایک عربی قصیدہ مفتی صاحب کو ارسال کیا، مفتی صاحب نے قصیدے کی تعریف

کی،اس کے جواب میں علامہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:(۳)

ترجمہ: یہ جو کچھ قصیدہ حائیہ کے بارے میں آپ کے خامۂ مشکیں نے تحریر فرمایا ہے وہ آپ کی قدر دانی اور قدر افزائی ہے،سوائے آپ کے اور کون ہے جس کے سامنے یہ سرمایہ پیش کرسکوں۔(مکتوب علامہ بنام مفتی صاحب مخزونہ کتب خانہ قادری بدایوں)

اردو شعر وادب میں مفتی صاحب کا مرتبہ جگ ظاہر ہے،علامہ غالباً اردو میں طبع آزمائی نہیں فرماتے تھے،مگر غالبؔ جیسے مشکل پسند کو ٹھکانے کے شعر کہنے پر آمادہ کرنا علامہ ہی کا کارنامہ ہے(یادگار غالب:ص۲۰۱)بقول مولوی محمد حسین آزاد غالبؔ کا موجودہ اردو دیوان علامہ اور مرزا خانی ہی کا انتخاب ہے(آب حیات:ص۵۱۲،بحوالہ باغی ہندوستان:ص۱۵۸)

حضرت اعلیٰ شعری ذوق کے مالک تھے،علم وفضل،بزرگی اور خدا رسیدگی کے ساتھ ذرا شعر کا یہ رنگ ملاحظہ کریں،فرماتے ہیں:

تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر ورنہ یوں دوش پہ کاکل ٹھہرے
ہم جو چپ بیٹھیں تو کہلائیں سڑی شیخ بیٹھیں تو توکل ٹھہرے

☆

حسن الفاظ ہے کس حور لقا کا صدقہ ہے یہ انداز سخن،کس کی ادا کا صدقہ
پاؤں پھسلا تو دیا اس نے مرے ہاتھ میں ہاتھ ید بیضا ہے یہاں لغزش پا کا صدقہ

☆

یوں بہانے بھی نہ آنے کے بنا سکتے ہو پر جو آنے ہی پہ آجاؤ تو آسکتے ہو

(مولود منظوم:ص۵)

(۳)علامہ اور مفتی صاحب میں ایک رشتہ استاذ بھائی کا بھی تھا،اولاً دونوں حضرات مولانا فضل امام خیرآبادی کے تلمیذ تھے،پھر خاندان ولی اللہی سے نسبت تلمذ رکھنے میں دونوں حضرات شریک ہیں۔
(۴)شاہ اسماعیل دہلوی نے جب تقویت الایمان لکھ کر ہندستان میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے افکار وعقائد کو عام کرنا شروع کیا تو ان تینوں نے ان کے خلاف قلم اٹھایا،گویا ''رد

وہابیت‘‘ بھی ان تینوں حضرات کی مشترکہ دلچسپی کا موضوع ہے۔

(۵)انقلاب ۱۸۵۷ء سے پہلے یہ تینوں حضرات سرکاری ملازمت سے وابستہ ہونے کے باوجود ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے خلاف صف آرا ہوگئے، علامہ کے مجاہدانہ کردار سے سب واقف ہیں، فتویٔ جہاد پر مفتی صاحب نے بھی دستخط کیے، جس کی پاداش میں نظر بندی اور جائداد کی ضبطی کا شکار ہوئے، انقلاب ۵۷ء میں علامہ کے شانہ بشانہ جہاد کرنے کے لیے حضرت نے اپنے بیٹے کی طرح پالے ہوئے عزیز ترین بھانجے اور شاگرد مولانا فیض احمد بدایونی کو جہاد آزادی کے لیے قربان کر دیا، چنانچہ دہلی کے مشہور فتویٔ جہاد پر مولانا فیض احمد بدایونی نے بھی دستخط کیے اور مردانہ وار جنگ آزادی میں حصہ لیا۔

یہ تمام وہ امور مشترک ہیں جو ان تینوں حضرات کو مزاج و مذاق، مسلکی میلان، ادبی رجحان، سیاسی خیالات اور اتحاد و یگانگت کے ایک نقطے پر جمع کر دیتے ہیں۔ اور یہی نقطۂ اتحاد ان تینوں حضرات میں محبت، خلوص، بے تکلف دوستانہ مراسم، ایک دوسرے کے لحاظ و پاس، عزت و احترام، قدر و منزلت، قدر شناسی اور قدر دانی کی بنیاد ہے۔ ان تینوں حضرات کے باہم روابط و تعلقات پر اب تک کوئی تحقیقی کام سامنے نہیں آیا، ڈاکٹر ایوب قادری نے اس جانب اشارہ کیا ہے لکھتے ہیں:

> علمائے وقت مفتی صدرالدین آزردہ (ف: ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) مولانا رشید الدین خاں دہلوی (ف: ۱۲۴۹ھ/۱۸۲۷ء) مولانا فضل رسول بدایونی (ف: ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) مولانا محمد حسن خاں صدرالصدور بریلوی (ف: ۱۸۷۳ء) وغیرہ سے ان (علامہ فضل حق خیرآبادی) کے خصوصی تعلقات تھے، ضرورت ہے کہ اس اعتبار سے مولانا فضل حق کی کتاب حیات کی ورق گردانی کی جائے (مولانا فضل حق خیرآبادی ایک تحقیقی مطالعہ: ص ۳۸/۳۹)

یہاں ہم اسی کتاب حیات کی ورق گردانی کی کوشش کر رہے ہیں۔

علامہ ریاست الور میں: علامہ لکھنؤ سے ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کے ابتدائی مہینوں میں ریاست الور تشریف لے آئے، مفتی صاحب نے فوراً ایک نظم کہہ کر علامہ کی خدمت میں روانہ کر دی، نظم کا

ایک شعر سن لیں:

رشک تہران وصفاہاں شدہ دلی از من　　　　الور از ذات ہمایونِ تو یوناں باشد

(ترجمہ: میری بدولت دہلی رشک تہران واصفہان بنا ہوا ہے جب کہ آپ کے الور جانے سے الور یونان بن گیا ہے)

حکیم محمود احمد برکاتی نے اس پر دلچسپ ریمارک دیا، لکھتے ہیں:

شرافت المکان بالمکین کی صداقت دیکھیے کہ برعظیم کے مراکز علمیہ میں الور نامی کسی مقام کا کوئی ذکر نہیں تھا، مولانا فضل حق وہاں پہنچ گئے تو ان کی ذات ہمایوں نے الور کو یونان بنا دیا۔ سچ ہے ع

ہم جہاں بیٹھ کے پی لیں وہیں مے خانہ بنے

اور

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا

آج وہاں الافق المبین، شرح اشارات محاکمات، قاضی مبارک جیسی کتابیں معرض تدریس میں ہیں (تاج الفحول نمبر: ص۴۳۱)

جن دنوں علامہ الور میں تھے اسی زمانے میں حضرت کے صاحبزادے تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی علامہ کی درسگاہ سے فیضان علمی حاصل کر رہے تھے (جس کا ذکر پیچھے گزرا)

لطیفہ: حضرت تاج الفحول کے قیام الور کے دوران ایک لطیفہ درپیش آیا جس کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا☆ ہوا یہ کہ ایک رات تاج الفحول کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ اچانک علامہ وہاں ٹہلتے ہوئے آ گئے، آپ نے شاگرد کو مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھا عبدالقادر کون سی کتاب کا مطالعہ کر رہے ہو؟ شاگرد نے ادب سے جواب دیا کہ ''دن میں وقت نہیں ملا تھا اب دلائل الخیرات کا حزب مکمل کر رہا ہوں'' اس جواب پر استاذ نے فرمایا کہ ایسی کتابیں تو تمہارے والد صاحب اچھی پڑھا سکتے ہیں یہ انہیں سے پڑھ لیا کرو، جب بدایوں آ کر اس بات کا تذکرہ اپنے والد ماجد سے کیا تو حضرت نے فرمایا کہ ''تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے والد تو وہ کتابیں بھی

☆ یہ روایت ہمارے خاندان میں چلی آ رہی ہے اور اس کا تذکرہ عم محترم مولانا ہادی القادری نے بھی کیا ہے (احوال ومقامات (قدیم): ص۹۴/۹۵)

اچھی پڑھا سکتے ہیں جو آپ پڑھاتے ہیں''۔

اس قسم کے واقعات اکابر کے بے تکلف رشتہ خلوص ومحبت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

بے مرچ کی کھیر: اسی قسم کا ایک دلچسپ لطیفہ دہلی میں مفتی صاحب کے دولت کدے پر پیش آیا، حضرت دہلی تشریف لے گئے تو مفتی صاحب نے آپ کی دعوت کی، دہلی والے مرچ مسالے بہت زیادہ کھاتے ہیں، حضرت اس قسم کے کھانوں کے عادی نہیں تھے، آپ جو بھی چیز اٹھاتے اس میں تیز مرچ ہوتی، آخر آپ کی نظر کھیر کے پیالے پر پڑی، حضرت نے بڑی سادگی سے مفتی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ''مفتی صاحب اگر آپ کی یہ کھیر بے مرچ کی ہو تو ذرا اٹھادیں''، اس جملہ پر پوری محفل زعفران زار ہوگئی۔ (احوال ومقامات: ص ۸۰)

علامہ بدایوں میں: حضرت کا خاندان تو ساتویں صدی ہجری کے آغاز سے ہی بدایوں میں قیام پذیر تھا، مگر بدایوں کو علامہ سے بھی ایک گونہ نسبت حاصل ہے، گو دور ہی کی سہی، حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

> ویسے مولانا فضل امام خیرآبادی کا خاندان اصلاً بدایونی ہی تھا، مولانا ضیاء القادری نے تو اگرچہ مولانا فضل امام کے والد محمد ارشد کے لیے لکھا ہے کہ وہ بدایونی تھے اور خیرآباد منتقل ہو گئے تھے، مگر یہ حقیقت نہیں ہے، بلکہ مولانا فضل امام کے اجداد میں سے ایک بزرگ قاضی عمادالدین بدایوں سے ہرگام منتقل ہوئے تھے، مولانا محمد ارشد ہرگام میں ہی پیدا ہوئے، اور وہاں سے خیرآباد منتقل ہوئے تھے، مختصر یہ کہ اصل پر نظر کی جائے تو دونوں (حضرت اور علامہ) بدایونی ہیں مگر بات ذرا دور کی ہے۔ (تاج الفحول نمبر: ص ۴۳۰)

حضرت سے مراسم محبت ویگانگت علامہ کو بدایوں کھینچ لائے، ممکن ہے بدایوں کے سفر کے پیچھے اپنے قدیم وطن کو دیکھنے کی خواہش بھی شامل رہی ہو، بہر حال علامہ بدایوں تشریف لائے اور مدرسہ قادریہ میں فروکش ہوئے، مولانا ضیاء القادری نے اکمل التاریخ میں لکھا ہے کہ:

> حضرت سیف اللہ المسلول سے آپ (علامہ) کو نہایت خلوص وعقیدت تھی، ایک زمانے میں بدایوں بھی تشریف لائے تھے، اکثر اوراد واشغال

کی اجازتیں بھی حاصل کی تھیں، مدرسہ قادریہ میں مقیم رہے تھے(اکمل التاریخ: ج ۱ رص ۸۹)

ڈاکٹر ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق علامہ اپنے زمانہ قیام رامپور (۱۸۴۰ء سے ۱۸۴۷ء) میں بدایوں تشریف لائے تھے۔

علم وفضل اور خدمات کا اعتراف: حضرت نے اپنی تصانیف میں متعدد مقامات پر علامہ کے علم وفضل اور خدمات کا اعتراف کیا ہے، سیف الجبار میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

> مولوی فضل حق خیرآبادی جزاہ اللہ خیراً کہ علم وفضل میں مولوی اسماعیل وغیرہ کو ان سے کچھ نسبت نہیں، علوم عقلیہ ونقلیہ اپنے والد ماجد سے کہ یگانۂ عصر تھے حاصل کیے، مولوی اسماعیل کے روبرو ان کا ردوابطال کیا اور تکفیر کی، نوبت تحریر کی آئی، مسئلہ شفاعت میں مولوی اسماعیل نے حرکت مذبوحی کچھ جواب میں کی، آخر کو عاجز وساکت ہوگئے، اور ''تحقیق الفتویٰ فی رد اہل الطغویٰ'' کمال شرح وبسط سے مولوی فضل حق صاحب نے لکھا۔ (سیف الجبار: ص ۴۸)

اپنی ایک دوسری کتاب فوزالمومنین میں تحریر فرماتے ہیں:

> شفاعت کے بیان میں جو مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا، ان کے روبرو اس کا رد ہوا، مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی جزاہ اللہ خیراً نے تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ کمال شرح وبسط سے لکھا اور مولوی اسماعیل کی تکفیر ثابت کی، اور علمائے دین دار کی اس پر مہریں ہوئیں اور کچھ جواب اس کا نہ ہوسکا۔ (فوزالمؤمنین: ص ۳۰)

المعتقد المنتقد میں ایک بحث کے بعد لکھتے ہیں: (۴)

> ترجمہ: اختصار کے پیش نظر ہم تفصیل سے گریز کرتے ہیں، اور جو اس مسئلے میں تفصیل کا خواہش مند ہو وہ فاضل کامل معظم ومحترم مولانا فضل حق خیرآبادی کے افادات کا طرف رجوع کرے، سرزمین ہند پر وہ پہلے شخص ہیں جس نے نجدیوں کی بدعتوں اور مفاسد کا رد کیا اور آخری شخص ہیں جس نے

ان کے عقائد کا فساد ظاہر کیا،تو اہل یقین کے دل مطمئن ہوئے،اور شک وتر دد والوں کو یقین کی دولت حاصل ہوگئی،اور ان کے سبب اللہ نے بہت سے گمراہوں کو ہدایت دی،اور تمام مسلمانوں پر ان کا یہ احسان ہے،اور رب العالمین کی بارگاہ میں ان کے لیے بڑا اجر ہے۔(المعتقد المنتقد:ص۱۱۲)

ایک دوسرے کی قدر شناسی ، ذکر خیر،اور علمی مقام ومرتبے کے اعتراف کی کچھ اور مثالیں کتاب میں دوسرے مقام پر آرہی ہیں۔

کتابوں پر تقریظات: ان حضرات میں روابط وتعلقات کے استحکام ہی کا نتیجہ ہے کہ ان حضرات نے ایک دوسرے کی کتابوں پر تقریظیں تحریر فرمائیں اور ایک دوسرے کے علم وفضل کا کشادہ قلبی سے اعتراف کیا۔

•۱۲۷۰ھ میں مکہ مکرمہ کے ایک عالم کی فرمائش پر حضرت نے عربی زبان میں علم کلام وعقائد کی معرکہ آرا کتاب المعتقد المنتقد تصنیف فرمائی،اس کتاب پر علامہ اور مفتی صاحب دونوں حضرات نے تقریظیں تحریر فرمائیں،خطبے کے بعد علامہ تحریر فرماتے ہیں:(۵)

ترجمہ: واضح ہو کہ میں نے اس رسالے کا مطالعہ کیا جس کی تصنیف وتالیف ان مولانا نے کی ہے جو نہایت ہی باصلاحیت، بہت بیدار مغز،نہایت پرہیزگار ہیں، جو اپنے معاصرین پر فوقیت رکھتے ہیں، اور بے مانگے عطا فرمانے والے ہیں،بلند وبالا جاہ وعظمت کے مالک اور ان میں وہ اپنے معاصرین میں بے مثل ہیں،خشیت الٰہی سے متصف اور گریہ وزاری سے آراستہ ہیں، روشن اور جلیل القدر مناقب والے اور دوررس دقیق نگاہوں کے مالک ہیں، علوم معقول ومنقول اور شریعت وحقیقت کی معرفتوں کے جامع ہیں، حقیقت ومعارف کی اونچی اونچی چوٹیوں اور بلندیوں پر فائز ہیں،حق کی نصرت میں اور ہر نشیب وفراز میں مقام نجد سے نمودار ہوئے سینگ کو کند کرنے میں زبردست شہرت رکھتے ہیں، رہبر قوم وملت،معزز سردار، پاکیزہ باطن، قابل احترم اور بے پناہ عقل ہوش کے

مالک، مولانا مولوی فضل الرسول قادری حنفی۔ اللہ تعالی مؤمنوں کو ان کی درازی عمر سے بہرہ مند فرمائے، اور انہیں اپنی خاص حفاظت ونگہداشت سے نوازے، اور اللہ کرے کہ ان کا سب سے بہترین دن وہ ہو جب اللہ انہیں اپنی ملاقات کا شرف بخشے۔

تو مجھے پتہ چلا کہ واقعتاً یہ (کتاب) اپنے اختصار کے باوجود عقائد کے حقائق پر مشتمل ہے اور کینہ پروروں کے فریبوں کا ازالہ کرنے والی ہے، بلکہ سارے کا سارا رسالہ روشن حق کی تشریح وتوضیح ہے اور راہ راست کے مسائل کی وضاحت وتفسیر ہے، اس کی فصیح عبارتوں کے افق سے روشن صبح حق کی جلوہ نمائی ہوتی ہے، اور اہل باطل کے ظلم وستم کی تاریکیوں کا پردہ چاک ہوتا ہے اور بھرم کھلتا ہے، اور گفتگو کی وہ لڑیاں جو اس میں فی البدیہہ پروئی گئی ہیں ان سے روشن حق کی معرفت کے ذریعے زخموں کا مرہم ہوتا ہے، وہ فساد و جارحیت کے مرتکبین کو زخم پہنچاتا ہے، ٹھیس دیتا ہے اور ضرب کاری لگاتا ہے، گمراہ ان کے ذریعے اہل سنت کے روشن راستوں کی طرف راہ پاتا ہے، اور پیاسا ان کے ذریعے روشن شریعت کے دائمی اور محفوظ چشمے سے سیراب ہوتا ہے، اس کے ذریعے انہوں نے مذہبی سچے عقائد اور گھٹیا فرقوں کی لایعنی باتوں کے درمیان خط امتیاز کو روشن کیا، اور اس کے ذریعے معتزلہ اور نجدیوں جیسے عقل کے اندھوں کے گھٹیا عیبوں کا پردہ فاش کیا ہے، چنانچہ اس کے ذریعے انہوں نے حق کو بالکل واضح کر دیا، اور ہر نجدی کو شکست خوردہ اور زمیں بوس کر دیا بلکہ ہلاک اور زیر لحد کر دیا، جس پر ہر ظلم وسرکشی کرنے والا غیظ وغضب میں خوب جل رہا ہے، اور حق کا ہر متلاشی اس کے ذریعے راہ حق کو پاتا ہے اس لیے وہ اس پر شاداں اور حالت وجد میں ہو جاتا ہے۔ (المعتقد المنتقد: ص۴/۳)

اس کتاب پر مفتی صاحب نے بھی زوردار تقریظ تحریر فرمائی اور پُرزور الفاظ میں المعتقد میں درج

عقائد ومسائل کی تائید فرمائی، آپ لکھتے ہیں: (۶)

ترجمہ: (خطبے کے بعد) میں نے اس رسالہ کاملہ اور عجالہ نافعہ کو دیکھا جس کو دانشمند مدقق، ماہر محقق، فاضل کامل، بلند رتبہ عالم، دریائے بے پایاں، روشن طبع، سریع الفہم، ماہر اور ذہین مولانا مولوی فضل رسول بدایونی قریشی قادری نے عقائد کی تحقیق میں تالیف فرمایا ہے۔ (مرجع سابق: ص۴)

پھر آگے لکھتے ہیں: (۷)

ترجمہ: میں نے اس رسالے کو لفظ ومعنیٰ کے اعتبار سے عمدہ اور بہترین، نظم وترتیب کے اعتبار سے چمکتا دمکتا، اور رفیع الشان پایا، علم کلام میں تصنیف کی جانے والی کوئی کتاب اس کے قریب نظر نہیں آتی، اور اس موضوع پر تالیف کیا جانے والا کوئی بھی رسالہ اس کے برابر نہیں ہے۔ (مرجع سابق: ص۵)

مفتی صاحب نے روضہ رسول ﷺ کی زیارت کے موضوع پر ۱۲۶۴ھ میں ''منتہی المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال'' نامی رسالہ تصنیف فرمایا جو اسی سال شائع ہوا، اشاعت اول کے چار سال بعد ۱۲۶۸ھ میں پھر یہ رسالہ شرف المطابع دہلی سے دوبارہ شائع ہوا، اس پر علامہ اور مفتی سعد اللہ مرآدابادی نے تقریظیں تحریر فرمائیں۔ علامہ اپنے مخصوص اسلوب میں تحریر فرماتے ہیں: (۸)

ترجمہ: میرے پاس رسالہ ''منتهى المقال فى شرح حديث لا تشد الرحال'' پہنچا، جس کی تصنیف وتالیف کا کام ایک ایسی ہستی نے انجام دیا ہے جن کی طرف پے چیدہ مسائل کی عقدہ کشائی کے لیے لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں، اور مسند ومرسل روایتوں کی معرفت کے لیے جن کی طرف جوان اونٹوں کو ہانکا جاتا ہے، اور اجمال وتفصیل کے ساتھ علوم ومعرفت اور جود وسخا کے حصول کے لیے جن کے کاشانے میں مہمانی کی سواریاں بٹھائی جاتی ہیں، دوستوں میں سب سے عزیز ترین، پسندیدہ اخلاق کے مالک اور نہایت عقلمند، پاکیزہ ترین عادتوں سے آراستہ دونوں طرح کے خیر: قوت اور اخلاق کے مالک، کمال کے والی، بلند وبالا،

معزز وباوقار عالم،فضیلت وشرف کی جامع شخصیت،بہترین ہستی،ذاتی
اور آبائی فضل وکمال میں بیمثل مولانا مولوی محمد صدرالدین خان بہادر،اللہ
کرے کہ وہ ہمیشہ اقبال وبلندی میں رہیں(منتہی المقال:ص۴۱،۴۲)

فتاویٰ کی تصدیق: ۱۲۴۰ھ میں علامہ نے شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان کی ایک عبارت کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے اس کے خلاف فتویٔ کفر صادر فرمایا جو''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ''کے نام سے منظر عام پر آیا،اس فتوے پر دہلی کے مشاہیر علما مولانا مخصوص اللہ دہلوی،مولانا محمد موسیٰ دہلوی اور مولانا احمد سعید نقشبندی کے علاوہ مفتی صدرالدین آزردہ نے بھی تائیدی دستخط ثبت فرمائے۔

۱۲۶۸ھ میں ہندستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر نے بعض اختلافی مسائل کے تصفیہ کے لیے حضرت کی بارگاہ میں استفتا کیا،آپ نے تمام سوالات کا تحقیقی جواب تحریر کیا،جو اسی سال مطبع مفید الخلائق دہلی سے شائع ہوا،اس فتوے پر ۱۷ علمائے دہلی نے تائیدی دستخط فرمائے جن میں سب سے پہلے دستخط مفتی صاحب نے ثبت کیے،اور حضرت کے اس فتوے کی تائید فرمائی۔

۱۲۶۹ھ میں سید حیدر علی ٹونکی کے خلاف ایک فتویٰ لکھا گیا،جو علامہ یا ان کے شاگرد کا تھا،مفتی صاحب نے اس کی تصدیق کی۔(فتوے کی باقی تفصیلات اپنے مقام پر آرہی ہیں)

حق کا دفاع: ان تینوں حضرات کے باہمی تعلقات محبت والفت محض اللہ ورسول اور دین کی خاطر تھے،اس لیے اگر کسی پر کوئی حملہ ہوتا تو اس کو''حق''پر حملہ سمجھتے ہوئے یہ ایک دوسرے کا علمی دفاع کرتے تھے،مذکورہ فتویٔ تکفیر کے رد میں سید حیدر علی ٹونکی نے ایک کتاب کلام الفاضل الکبیر علیٰ اھل التکفیر قلم بند کی،تو اس کے جواب میں حضرت نے قلم اٹھالیا اور فارسی زبان میں ایک رسالہ''تبکیت النجدی''تحریر فرما کر سید حیدر علی ٹونکی کے اعتراضات کا تحقیقی جواب دیتے ہوئے علامہ کا دفاع کیا۔

اسی طرح مفتی صاحب کے رسالے منتہی المقال پر کسی صاحب نے سات سوالات قائم کیے،ان سوالات کے جواب میں حضرت نے ایک تحقیقی رسالہ قلم بند فرمایا جس کا تاریخی نام''اکمال فی بحث شدالرحال''قرار پایا،یہ رسالہ فارسی میں ہے اور پہلی بار مطبع الٰہی سے ۱۲۶۶ھ

میں طبع ہوا، اس رسالے میں حضرت نے مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی صاحب پر کیے جانے والے اعتراضات کا تحقیقی جواب دیا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں کی ایک روایت: نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے کچھ عرصہ مفتی صاحب سے بھی تحصیل علم کی تھی، اپنے استاذ اور علامہ کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے نواب صاحب ابجد العلوم میں لکھتے ہیں: (۹)

> ترجمہ: علامہ فضل حق اور میرے استاذ علامہ محمد صدرالدین خاں آزردہ صدر الصدور کے درمیان بڑی دوستی اور محبت تھی، کیوں کہ وہ دونوں ایک ہی استاذ کی درسگاہ کے فیض یافتہ تھے، اور پھر علامہ فضل حق کے والد علامہ فضل امام خیر آبادی کے بھی دونوں شاگرد تھے، لیکن اس (استاذ بھائی ہونے) کے باوجود میرے استاذ بعض معاملات میں ان سے ناراض رہتے تھے، ان میں ایک معاملہ یہ تھا کہ انہوں (علامہ فضل حق) نے شیخ حافظ محدث اصولی حاجی غازی شہید محمد اسماعیل دہلوی کا رد کیا تھا، (مفتی صاحب علامہ سے) کہا کرتے تھے کہ میں اس معاملہ میں تم سے خوش نہیں ہوں اور یہ تمہیں زیب نہیں دیتا۔ (ابجد العلوم: بحوالہ نزھۃ الخواطر: ج ۷/ص ۴۱۳)

نواب صاحب کی اس عبارت پر حکیم محمود احمد برکاتی صاحب نے بڑا عمدہ نوٹ لگایا ہے پہلے اسے دیکھ لیں پھر ہم کچھ عرض کریں گے، حکیم صاحب فرماتے ہیں:

> ایک دوست کا دوسرے دوست کو ٹوکنا تو کوئی نئی بات نہیں ہے، لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ مولانا آزردہ تو مولانا فضل حق کو اس بات پر برا بھلا کہیں کہ انہوں نے شاہ اسماعیل کا رد کیا تھا جب کہ
>
> (۱) خود وہ شاہ اسماعیل کے خیالات سے متفق نہیں تھے اور بقول مولانا فضل رسول انہوں نے شاہ صاحب کو سمجھا کر اس سے باز رکھنا چاہا تھا۔
>
> (۲) مولانا آزردہ تعین یوم میلاد کے قائل تھے۔
>
> (۳) مولانا قیام فی المیلاد کو بھی مستحسن جانتے تھے۔

(۴) منتہی المقال میں بھی وہ وہابی نقطۂ نظر کے خلاف گئے ہیں اور جوش وخروش کے ساتھ وہابیہ کا رد کیا ہے۔

(۵) امتناع نظیر کے باب میں بھی ان کا ایک قلمی رسالہ میرے کتب خانہ میں ہے، وہ اس میں بھی شاہ صاحب سے کلیتاً متفق نہیں تھے۔

ان حقائق کی موجودگی میں مَیں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ نواب صاحب کا اپنے استاذ پر افترا ہے کہ وہ مولانا فضل حق سے اس لیے ناراض تھے کہ انہوں نے شاہ صاحب کا رد کیا تھا اور مولانا فضل حق کے سلسلے میں لوگوں کو بدگمان کرنے کی ناکام کوشش ہے'' (فضل حق خیرآبادی اور سنہ ستاون: ص۱۰۸/۱۰۹)

حکیم صاحب کے مذکورہ دلائل کے علاوہ یہاں چند قابل ذکر پہلو اور بھی ہیں جن کی روشنی میں نواب صاحب کی یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی۔

(۱) جب ۱۲۴۰ھ میں علامہ نے شاہ اسماعیل دہلوی کی تردید میں تحقیق الفتویٰ لکھی تو اس پر مفتی صاحب نے تائیدی دستخط فرمائے، یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ مفتی صاحب علامہ کے جس ''جرم'' پر ان سے ناراض ہوں خود اسی جرم میں ان کے شریک بھی ہوں؟

(۲) اس فتوے کے ۲۹ سال بعد ۱۲۶۹ھ میں جب شاہ اسماعیل دہلوی کے ایک حامی سید حیدر علی ٹونکی کے خلاف فتویٰ دیا گیا جس میں شاہ صاحب کے امکان نظیر اور امکان کذب کے موقف کا زبردست رد تھا اس پر بھی مفتی صاحب نے تصدیق فرمائی، یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ۱۲۶۹ھ/۱۲۷۰ھ ہی وہ زمانہ ہے جب نواب صاحب دہلی میں مفتی صاحب سے تحصیل علم کررہے تھے (نواب صدیق حسن خاں: ص۷۵/۷۶)

(۳) آپ آگے پڑھیں گے کہ مفتی صاحب نے شاہ اسماعیل کے اسلوب پر سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہ رسالت میں سوئے ادب کے ادنیٰ وہم کو ارکان ایمان میں تزلزل کا موجب بتایا ہے، یہ بھی آگے آرہا ہے کہ مفتی صاحب (شاہ اسماعیل کے برخلاف اور علامہ کے موافق) کذب باری کو ممتنع بالذات سمجھتے تھے، نیز یہ کہ کذب باری کو ممکن بالذات ماننے والے (جیسا کہ شاہ اسماعیل تھے) کو ضال ومضل (گمراہ اور گمراہ گر) سمجھتے تھے۔

(۴) پھر ۱۲۷۰ھ میں حضرت نے المعتقد المنتقد لکھی جس میں جگہ جگہ شاہ اسماعیل دہلوی کا رد

کیا اس پر مفتی صاحب نے زوردار الفاظ میں تقریظ قلم بند فرمائی اور یہاں تک لکھ گئے کہ ''علم کلام میں لکھی جانے والی کوئی کتاب اس کتاب کے برابر نہیں ہے'' (المعتقد المنتقد :ص ۵)، سوال یہ ہے کہ اگر تحقیق الفتویٰ لکھ کر علامہ نے کوئی جرم کیا تھا تو پھر اس سے بڑا جرم تو مولانا فضل رسول بدایونی کا تھا جنہوں نے شاہ اسماعیل دہلوی کے رد میں ایک نہیں بلکہ تقریباً ایک درجن کتابیں تصنیف فرمائیں، جن میں سے بعض یہ ہیں سیف الجبار، البوارق المحمدیہ، فوز المؤمنین، احقاق حق، فصل الخطاب، اور المعتقد المنتقد وغیرہ۔ مفتی صاحب کو علامہ سے زیادہ تو حضرت سے ناراض ہونا چاہیے تھا، اس کے برخلاف مفتی صاحب ان کو ان القاب وخطابات سے یاد فرمارہے ہیں:

الحبر المدقق، النحرير المحقق، الفاضل الكامل، العالم الفائق، البحر الخضم، الالمعي اللوذعي، الاحوذي الاصمعي مولانا المولوي فضل الرسول البدايوني القرشي القادري (المعتقد المنتقد: ص۴)

دانشمند مدقق، ماہر محقق، فاضل کامل، بلند رتبہ عالم، دریائے بے پایاں، روشن طبع، سریع الفہم، ماہر اور ذہین مولانا مولوی فضل رسول بدایونی قریشی قادری۔

(۵) آپ نے پڑھا کہ حکیم محمود احمد برکاتی نے تعیین یوم میلاد وغیرہ کے سلسلہ میں مفتی آزردہ کے موقف کا ذکر کیا ہے، کتب خانہ قادریہ میں مولانا قلندر علی زبیری (تلمیذ علامہ فضل حق خیرآبادی) کا رسالہ ''نور العین فی ذکر مولد النبی وشہادۃ الحسین'' (مطبع ناصری دہلی ۱۲۸۱ھ) موجود ہے، جس میں محفل میلاد اور مجلس ذکر امام حسین کو جائز و مستحسن قرار دیا گیا ہے اور اس کو بدعت کہنے والوں کی تردید کی گئی ہے، اس پر کچھ دیگر علما کے علاوہ مفتی صدرالدین آزردہ کی بھی مہر وتصدیق موجود ہے، مفتی صاحب رسالے کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول ان المصنف النحرير قد جاء بالحق المنير العبد المذنب المسكين محمد صدرالدين شرح الله صدره بنور اليقين (نور العین: ص۳۲)

گویا اس مسئلہ میں بھی مفتی صاحب نے شاہ اسماعیل کے خلاف رائے دی ہے۔

ان تمام داخلی اور خارجی قرائن وشواہد کی روشنی میں پورے یقین سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ نواب صاحب کی مذکورہ بات ''پیراں نمی پرند مریداں می پرانند'' کی قبیل سے ہے۔

☆☆☆

علامہ فضل حق خیرآبادی اور حافظ محمد علی خیرآبادی

علامہ فضل حق خیرآبادی کے اساتذہ میں عموماً دو نام آتے ہیں ایک تو علامہ کے والد مولانا فضل امام خیرآبادی دوسرے شاہ عبدالقادر محدث دہلوی، علامہ کی زیادہ تر تعلیم انہیں دونوں کی درسگاہوں میں ہوئی، بعض حضرات کے مطابق آپ نے سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بھی کچھ استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ ایک شخصیت اور ہے جن سے علامہ نے تصوف میں شیخ اکبر کی کتاب فصوص الحکم کا درس لیا تھا، عام سوانح نگاروں نے اس سلسلہ میں یا تو بالکل نہیں لکھایا پھر بہت کم لکھا ہے، لہٰذا ہم یہاں ان کا مختصر تعارف کرانا چاہتے ہیں تاکہ علامہ کی زندگی کا یہ باب بھی روشنی میں آسکے۔ یہ ہیں شیخ الاسلام سید حافظ محمد علی خیرآبادی قدس سرہ، آپ مخدوم سید نظام الدین اللہ دیا (م:۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء) کی اولاد امجاد سے ہیں، آپ کی ولادت ۱۱۹۲ھ میں ہوئی، مختلف اساتذہ سے تحصیل علم کے بعد شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے حدیث پڑھی، حضرت شاہ خواجہ محمد سلیمان تونسوی سے بیعت کی اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، تیرہویں صدی کے نصف اول کے اجلۂ مشایخ اور سالکین میں آپ کا شمار ہے۔ ۱۹/ذی قعدہ ۱۲۶۶ھ میں آپ کا وصال ہوا، مؤلف اکمل التاریخ نے لکھا ہے کہ جب مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے لیے ریاست حیدرآباد سے (۱۷/روپیہ یومیہ) وظیفہ مقرر ہوا تو آپ نے اس میں سے ۶/روپیہ یومیہ وظیفہ حضرت حافظ محمد علی خیرآبادی کو نذر کر دیا، جو مستقل طور پر خانقاہ خیرآباد کے نام منتقل ہو گیا۔ آپ کے برادر زادے حضرت حافظ محمد اسلم خیرآبادی (متوفی ۱۳۲۰ھ) آپ کے خلیفہ وجانشین ہوئے۔☆ آپ کی خانقاہ آج بھی خانقاہ حافظیہ اسلمیہ کے نام سے آباد ہے، روحانی فیض اور

☆ یہ حالات سید فرقان وحید ہاشمی خیرآبادی کی کتاب تذکرہ کامل اور محمود احمد رفاقتی کی کتاب تذکرہ علمائے اہل سنت سے ماخوذ ہیں۔

سلسلہ رشد وہدایت جاری ہے، حضرت سید شاہ فرقان وحید ہاشمی خانقاہ کے صاحب سجادہ ہیں۔

حضرت حافظ محمد علی خیر آبادی قدس سرہ کے حالات آپ کے مرید مولانا ہادی علی خاں چشتی نے فارسی زبان میں مناقب حافظیہ کے نام سے جمع کر کے ۱۳۰۵ھ میں شائع کیے، مناقب حافظیہ کا ترجمہ منشی نذر محمد خاں نے مشاہدہ حافظی کے نام سے کیا جو ۱۳۵۴ھ میں شائع ہوئی۔

مناقب حافظیہ میں علامہ کے استفادے کا ذکر جس عبارت میں کیا گیا ہے اس کا ترجمہ مشاہدہ حافظی میں ان الفاظ میں ہے: (۱۰)

> مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ہندستان کے علمائے نامدار اور علم معقول میں اپنے عہد کے امام فن سے تھے، شیخ الاسلام سے فصوص پڑھنے کے واسطے خواستگار ہوئے اور چند سبق کتاب موصوف کے آنحضرت سے پڑھے، ایک روز حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا تم کو فنون فلسفہ کی کثرت مزاولت کے سبب سے اس علم شریف کے ادراک کی استعداد نہیں ہے، چنانچہ مولانائے ممدوح میں شیخ الاسلام کی تعلیم کی برکت سے یہ اثر تھا کہ کہتے تھے کہ علوم معقولات جو ہمارے درس وتدریس میں ہیں سب پوست اور علم تصوف مغز ہے لیکن عقل کو اس کے ادراک کی قوت نہیں ہے (مشاہدہ حافظی: ص ۱۱۶)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ نے حضرت حافظ محمد علی خیر آبادی قدس سرہ سے نہ صرف یہ کہ علم تصوف میں استفادہ کیا تھا بلکہ حضرت کا روحانی فیض بھی پایا تھا۔ لہٰذا حضرت کا ذکر علامہ کے اساتذہ میں کیا جانا چاہیے۔

☆☆☆

علامہ فضل حق خیرآبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی

شاہ اسماعیل دہلوی (آمد: ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء۔ رخصت: ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) علامہ کے ہم عصر ہیں گوکہ علامہ سے عمر میں تقریباً ۱۸/۱۹/ سال بڑے ہیں، مگر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے نسبت تلمذ دونوں میں قدر مشترک ہے، علامہ کا بچپن دہلی میں خانوادۂ شاہ ولی اللہ کے افراد خاندان کے زیر سایہ گزرا، روز کا آنا جانا تھا، فراغت کے بعد دہلی ہی میں ملازمت کی اور کم وبیش ۲۰/ برس تک بسلسلہ ملازمت علامہ دہلی میں قیام پذیر رہے، قیاس ہے کہ خاندان شاہ ولی اللہ کے دیگر افراد کی طرح علامہ کے شاہ اسماعیل دہلوی سے بھی مراسم رہے ہوں گے، اور پھر ان دونوں میں استاذ بھائی کا رشتہ بھی تھا، یہ تعلقات وروابط اسی طرح چل رہے تھے کہ اسی درمیان شاہ اسماعیل دہلوی نے تقویت الایمان تصنیف کی۔☆

اولین صدائے احتجاج: تقویت الایمان میں جہاں اور قابل اعتراض عبارتیں تھیں وہیں شفاعت کے بیان کے ضمن میں اللہ کی قدرت عامہ کا ذکر کرتے ہوئے شاہ اسماعیل دہلوی نے یہ لکھ دیا کہ:

> اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتے جبرئیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے۔ (تقویت الایمان: ص ۲۵)

اس پر سب سے پہلے علامہ فضل حق خیرآبادی نے توجہ کی اور ایک مختصر تحریر ''تقریر اعتراضات بر

☆ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ عام طور پر لوگ تقویت الایمان کا سنہ تصنیف ۱۲۴۰ھ لکھتے ہیں، لیکن حکیم محمود احمد برکاتی کی تحقیق کے مطابق تقویت الایمان ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء میں تصنیف کی گئی، (شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان: ص ۱۴۳) اس مسئلہ پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے، راقم اس موضوع پر ایک مستقل مقالہ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

تقویت الایمان'' ☆لکھی، اس میں آپ نے ثابت کیا کہ حضور ﷺ کی نظیر ممتنع بالذات ہے، اگر اس کو ممکن مانا جائے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کذب لازم آئے گا، اور کذب باری محال ہے، مزید یہ کہ شاہ اسماعیل کی یہ عبارت تنقیص شان رسالت پر مشتمل ہے۔ اس رسالے کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے ''رسالہ یک روزی'' تصنیف کیا۔ (سفر اور تلاش: ص ۵۶/۵۷)

یہیں سے مسئلہ امتناع نظیر اور امکان نظیر پر بحث کا آغاز ہوا، منشی جعفر تھانیسری لکھتے ہیں:

> مولوی فضل حق معقولی خیرآبادی جو اس زمانے میں حاکم اعلیٰ شہر دہلی کے سررشتہ دار اور علم منطق کے پتلے اور افلاطون وسقراط وبقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے، مولانا شہید کے سخت مخالف ہو گئے، چنانچہ کتاب تقویت الایمان کے اس مسئلہ پر اللہ رب العزت حضرت محمد ﷺ سا دوسرا پیدا کرنے پر قادر ہے انہوں نے سخت اعتراض کیا اور لکھا کہ اللہ رب العزت حضرت محمد ﷺ جیسا دوسرا پیدا کرنے پر ہرگز قادر نہیں، اس کے جواب میں مولانا شہید نے ایک فتویٰ بدلائل عقلی ونقلی نہایت مدلل لکھا ہے، چنانچہ ''ایضاح الحق'' کے خاتمہ پر وہ فتوی بتمامہ چھپ بھی گیا ہے (سوانح احمدی: ص ۱۴۳)

مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

> مولانا اسماعیل شہید نے جب تحریک اصلاح شروع کی تو اس کے مخالفوں میں یہ (علامہ فضل حق خیرآبادی) سب سے زیادہ نامور ہوئے، مولانا شہید نے 'تقویت الایمان' میں لکھ دیا ہے کہ خدا چاہے تو ایک پل میں کروڑوں آں حضرت کے امثال پیدا کر دے، یہ بات ان (علامہ فضل حق خیرآبادی) پر بہت شاق گزری، اور معقولیت کی رنگ آمیزیوں سے ایک تقریر اس کے رد میں لکھ دی، دعویٰ یہ کیا کہ نظیر خاتم النبیین کا پیدا ہونا ممتنع بالذات سے ہے، اور پھر 'قدرت' اور 'مشیت' کا فرق فراموش کر کے سارا

☆ تواریخ عجیبہ از محمد جعفر تھانیسری مرتبہ ڈاکٹر ایوب قادری کے آخر میں کتابیات کے ذیل میں اس تقریر کا حوالہ موجود ہے، کتابیات میں یہ اطلاع بھی دی گئی ہے کہ اس تحریر کا قلمی نسخہ حکیم محمود احمد برکاتی کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے، اس تحریر کا ایک قلمی نسخہ حکیم نصیرالدین اجمیری (کراچی) کی ملکیت میں تھا۔

> معاملہ مشیت کے فعل میں لے گئے، ساری تقریر جدل ومکابرہ کا ایک لفظی گورکھ دھندا تھی، مولانا اسماعیل نماز کے لیے جامع مسجد جارہے تھے کہ راہ میں انہیں یہ تقریر ملی، نماز کے بعد مسجد ہی میں بیٹھ گئے، اور کاغذ وقلم منگوا کر ایک پورا رسالہ اس کے رد میں قلم بند کردیا، چونکہ ایک ہی دن میں لکھا گیا تھا، اس لیے یک روزی کے نام سے مشہور ہوگیا، پھر مولانا صدرالدین نے بھی اس پر ایک تحریر لکھی، یہ دونوں رسالے ''ایضاح الحق الصریح'' کے حاشیہ پر چھپ گئے ہیں (غالب اورابوالکلام:ص۱۱/۱۲)

مولانا آزاد نے عقیدے کے اس اہم مسئلے کو جتنا ہلکا کرکے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کی نگاہ اپنی تمام تر وسعت کے باجود معاملہ کے اس خطرناک پہلو تک نہیں پہنچ سکی جس کے نتیجے میں انبیا ومرسلین اور اولیا وصالحین کے بارے میں عجیب وغریب اہانت آمیز اسلوب وجود میں آیا اور آگے چل کر انکار ختم نبوت کی راہ ہموار ہوئی۔☆

امتناع نظیر کا مسئلہ کوئی عام مسئلہ نہیں تھا جس کو مولانا آزاد نے ایک ''بے معنی مسئلہ'' اور ''لفظی گورکھ دھندا'' قرار دے دیا بلکہ آگے چل کر اس کے دوررس عواقب ونتائج سامنے آئے، حکیم محمود احمد برکاتی نے درست لکھا کہ:

> علامہ کی فراست دینی خداداد تھی، آپ کی مندرجہ بالا تحریروں کی نوعیت صرف ایک کتاب پر تنقید اور ایک مصنف کی کسی علمی لغزش وخطا پر تعاقب کی نہیں ہے، بلکہ ایک بہت بڑے دینی فتنے (انکار ختم نبوت) کی طرف اس کے آغاز ہی میں

☆ مولانا آزاد اسی سلسلے میں آگے لکھتے ہیں: ''انہوں نے (مولانا فضل حق نے) میرزا غالب سے بھی ایک مثنوی مولانا اسماعیل کے رد میں لکھوائی تھی، جو دیوان میں موجود ہے، استمداد، توصل قبور (کذا۔توسل) استغاثہ بحرف ندا، ایصال ثواب بطریق رسمی، اور یہی مسئلہ امتناع نظیر خاتم النبیین اس میں بیان کیے گئے ہیں، آخری مسئلہ اس درجہ بے معنی تھا کہ میرزا غالب کا ذہن اسے قبول نہ کرسکا اور ایک لطیف پیرائے میں وہی بات کہہ دی جو مولانا اسماعیل کہتے ہیں، لیکن پھر چونکہ مولانا فضل حق نے بہ شدت انکار کیا، اس لیے چند نئے اشعار کہہ کر بحث کا رخ بدل دیا'' (غالب اورابوالکلام:ص۱۲) ہمارے خیال سے یہ غالب پرستی کی انتہا ہے کہ کسی خالص کلامی اور اعتقادی مسئلہ کے بامعنی اور بے معنی ہونے کے لیے مرزا غالبؔ کے ذہن کا اس کو قبول کرنا یا نا کرنا ضروری ہے۔

التفات فرما کر ملت کو متنبہ فرمادیا تھا، مگر افسوس ہے کہ شاہ صاحب کی حمایت میں چند علما میدان میں آگئے اور اس ایک مسئلے میں کئی مباحث پیدا کر دیے جن کے نتیجے میں انکار ختم نبوت کی راہ ہموار ہوئی (سفر اور تلاش: ص ۵۷)

علامہ کی تحریر ''تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان'' فارسی میں تھی، اس کا ایک قلمی نسخہ کراچی میں حکیم نصیر الدین اجمیری (وفات ۱۹۸۸ء) برادر زادہ مولانا معین الدین اجمیری کی ملکیت میں تھا، وہیں سے مولانا عبد الحکیم شرف قادری (لاہور) نے حاصل کر کے اس کا اردو ترجمہ کیا، اور اپنی مترجمہ تحقیق الفتویٰ (مطبوعہ بندیال ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء) کے آخر میں اصل فارسی متن کے ساتھ شائع کر دیا، جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ وہی تحریر ہے جس کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے رسالہ یک روزی تصنیف کیا تھا، اس لیے کہ یک روزی میں شاہ صاحب نے علامہ کی جو عبارتیں ''قولہ'' کے بعد نقل کی ہیں وہ سب عبارتیں اس میں موجود ہیں۔ لہٰذا اس تحریر کی صحت انتساب میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تحریر چونکہ تقویت الایمان کا اولین تنقیدی جائزہ ہے اس لیے تاریخی حیثیت سے اس کی بڑی اہمیت ہے، غالباً یہ ہندوستان میں اب تک شائع نہیں ہوئی ہے، اس لیے اس کو ہم یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ محفوظ ہو جائے۔

تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان

از علامہ فضل حق خیر آبادی

ترجمہ مولانا عبد الحکیم شرف قادری

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں اور اچھی عاقبت متقین کے لیے، اور درود و سلام ہو اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کی تمام آل اور اصحاب کرام پر۔

صاحب تقویۃ الایمان نے (اپنی کتاب کی) تیسری فصل میں شرک کا رد کرتے ہوئے وجاہت کا معنی بیان کرنے کے بعد کہا:

> اُس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کُن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتے جبریل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر ہے کہ ایک آن میں ایک امر کن سے کروڑوں افراد حضرت محمد ﷺ کے برابر عدم سے وجود میں لے آئے۔ یہ جمہور مسلمانوں کے متفقہ عقیدے کے خلاف ہے کیوں کہ حضرت محمد ﷺ کی مثال ممتنع الوجود ہے (یہ صغریٰ ہے) اور جس چیز کا وجود ممتنع اور محال ہو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہے (یہ کبریٰ ہے)۔

صغریٰ کا بیان یہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ کی مثل کوئی شخص ممکن ہو تو وہ لازماً نبی ہوگا کیوں کہ غیر نبی نبی کی مثل نہیں ہو سکتا، لیکن آپ کے مماثل نبی ممکن نہیں ہے کیوں کہ آپ خاتم الانبیا ہیں اور خاتمیت کا معنیٰ یہی ہے کہ آپ کی مثل کا وجود ممکن نہ ہو۔ اس لیے کہ انسانی کمالات کی انتہا مرتبہ نبوت ہے اور اس مرتبہ کا کمال یہ ہے کہ وہ خواصِ ثلاثہ کے قوی ترین مراتب پر مشتمل ہو۔ جس سے زیادہ قوی مرتبہ عالم امکان میں متصور نہیں ہے لہٰذا ختم نبوت سے بلند مرتبہ ممکن ہی نہیں

ہے۔

وہ مرتبہ کہ وجود امکانی کے مراتب میں اس سے بلند تر کوئی مرتبہ نہیں ہے، وجود خاتم الانبیا کا مرتبہ ہے، جب نبوت اس مرتبہ تک پہنچتی ہے تو ختم ہو جاتی ہے، ابتدا کے سلسلے میں معلولِ اول کا مرتبہ اور (انتہا و) رجوع کے سلسلے میں خاتم الانبیا کا مرتبہ یکساں ہے۔ (ابتدا و انتہا کی) قوس نزولی اور صعودی اس جگہ اکٹھی ہو جاتی ہیں اور دائرہ وجود اس جگہ مکمل ہو جاتا ہے۔ جس طرح سلسلۂ آغاز میں اولِ سلسلہ اور واجب الوجود کے درمیان کوئی فرد متصور نہیں ہے، اسی طرح سلسلہ انتہا میں آخر سلسلہ اور واجب الوجود کے درمیان کوئی مرتبہ متصور نہیں ہے۔ جس طرح وجود کا آغاز واجب الوجود سے ہے اسی طرح وجود کا انجام بھی وہی ہے، مبدا بھی وہی ہے اور معاد بھی وہی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر خاتم الانبیاﷺ کا مماثل ممکن ہو تو یقیناً اس کے واقع ہونے سے محال لازم نہیں آئے گا کیوں کہ ممکن کے واقع اور متحقق ہونے سے محال لازم نہیں آیا کرتا، جب کہ اس جگہ خاتم النبیین کے مماثل کے واقع ہونے سے آیۂ کریمہ (**ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین**) کے منطوق کا کذب لازم آتا ہے، یہ آیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مثل کے بالفعل موجود ہونے کے ممتنع ہونے پر صراحتاً دلالت کرتی ہے۔ وجود مثل کو ممکن ماننا اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ کو جائز قرار دینا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ محال ہے کیوں کہ وہ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے۔ آیاتِ وعید، دیگر آیات اور احادیث کے پیش نظر شروطِ معلومہ کے ساتھ مشروط ہیں۔ ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ ان آیات کی طرح نہیں ہے تا کہ اس آیت کو قوتِ شرطیہ میں قرار دے کر لزوم کذب کے استحالے کو دفع کیا جا سکے۔

کبریٰ کی دلیل یہ ہے کہ قدرت کا معنی ہے فعل اور ترک کا صحیح ہونا جیسے کہ محقق دوانی کی شرح عقائد عضدیہ میں ہے، یا قدرت کا معنی وہ صفت ہے جو ارادہ کے مطابق مؤثر ہو جیسے کہ شرح مواقف اور تجرید کی شرح جدید میں ہے، لازمی بات ہے کہ ایسی صفت فاعل کی نسبت سے صحت کا تقاضا کرے گی کیوں کہ قادر وہی ہے جس کے لیے کسی کام کا کرنا اور ترک دونوں صحیح ہوں، فاعل کی نسبت کی قید اس لیے لگائی ہے کہ فعل فی نفسہ ممکن اور صحیح ہے، قدرت نے اسے ممکن اور صحیح نہیں بنایا

ورنہ قلب مواد (واجب یا محال کا ممکن بنا دینا) لازم آئے گا، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ قدرت نے فعل کو فاعل موجد کی نسبت سے صحیح اور ممکن بنا دیا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ قدرت ممکن پر ہی ہوتی ہے اور اس معاملات میں تمام ممکنات برابر ہیں۔ قدرت کی مقتضی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور مقدور ہونے کو صحیح قرار دینے والا امکان ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی نسبت تمام ممکنات کی طرف برابر ہے۔

جب بعض پر قدرت ثابت ہوئی تو تمام ممکنات پر قدرت ثابت ہوگی، کیوں کہ امکان تمام ممکنات میں مشترک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز پر قادر ہے جو ممکن ہو۔ ممتنع اور واجب اس کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہیں۔ اس سے عجز لازم نہیں آتا جو قدرت کے مقابل ہے۔ کیوں کہ ممتنع کے ایجاد پر قدرت کا نہ ہونا عجز نہیں ہے اس لیے کہ ممتنع وجود کے قابل ہی نہیں ہے، آیۂ کریمہ (ان اللّٰہ علی کل شیءٍ قدیر) اور (واللّٰہ خالق کل شی) کا معنی مفسرین نے بیک زبان یہی بیان کیا ہے کہ ہر شے سے مراد ہر ممکن ہے، کیوں کہ محال بالاتفاق شے نہیں ہے اور واجب ومحال پر قدرت نہیں ہوتی۔ بیضاوی میں ہے کہ قدرت کا معنی شے کو پیدا کرسکنا ہے۔

صاحبِ کشاف جو اکابر معتزلہ میں سے ہیں آیۂ کریمہ (ان اللّٰہ علی کل شیءٍ قدیر) کی تفسیر میں کہتے ہیں: ''قادر کے حق میں شرط یہ ہے کہ فعل محال نہ ہو جب تمام اشیا پر قادر کا ذکر ہو تو محال خود مستثنیٰ ہے، گویا کہا گیا ہے کہ ہر اس چیز پر قادر ہے جو ہوسکتی ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ کہا جاتا ہے فلاں شخص انسانوں کا امیر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ماسوا کا امیر ہے وہ شخص بھی اگرچہ انسانوں میں سے ہے لیکن اس وقت وہ ان میں داخل نہیں ہے''

اس عبارت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ بھی اس امر کے قائل ہیں کہ واجب تعالیٰ ممتنع پر قادر نہیں ہے پس ثابت ہوا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نظیر ممتنعات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ رحمۃ اللعالمین ﷺ کی مثل ایک شخص کے پیدا کرنے پر بھی قادر نہیں ہے۔ چہ جائے کہ ایک آن میں آپ کی مثل ہزاروں افراد پیدا فرمادے۔

اس جگہ زیادہ سے زیادہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر دلیل کے صغریٰ میں امتناع سے مراد امتناع ذاتی ہے تو ہم صغریٰ تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نظیر ممتنع بالذات نہیں ہے بلکہ نظیر اس لیے محال ہے کہ آپ کا خاتم النبیین ہونا اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ کی خبر

میں کذب ممتنع بالغیر ہے اور ممتنع بالغیر ہونا امکانِ ذاتی کے منافی نہیں ہے۔ اگر امتناع سے مراد امتناع بالغیر ہے تو صغریٰ مسلم ہے۔ لیکن کبریٰ میں کلام ہے کہ اس جگہ ممتنع کس معنیٰ میں ہے؟ اگر اس جگہ بھی ممتنع بالغیر مراد ہو تو حد اوسط ضرور مکرر ہے لیکن کبریٰ ممنوع ہے کیوں کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں ہے کہ جس چیز کا وجود ممتنع بالغیر ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہے۔ جب کبریٰ میں ممتنع سے مراد ممتنع بالذات ہو تو کبریٰ کی صحت میں شک نہیں ہے لیکن حد اوسط مکرر نہ ہوئی اور (اصغر کا اکبر کے تحت) اندراج لازم نہ آیا۔ اس گفتگو سے واضح ہو گیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مثل کے واقع ہونے سے جو محال لازم آیا ہے وہ امتناعِ بالغیر کی وجہ سے ہے نہ کہ امکانِ ذاتی کی بنا پر۔

مخفی نہ رہے کہ یہ جواب ہمارے مقصد کے منافی نہیں ہے کیوں کہ ایسا ممکن بالذات جس کا واقع نہ ہونا نص قرآنی سے ثابت ہو اس کے وقوع کے ساتھ تین صفات کا تعلق برابر ہے: ۱۔ قدرت کا تعلق، ۲۔ ارادہ کا تعلق جس کا مطلب ہے دو مقدوروں میں سے ایک کو وقوع کے ساتھ خاص کرنا، ۳۔ خلق کا تعلق جس کا معنی ہے شے کا عدم سے فعلیت اور وجود کی طرف نکالنا۔

خلاصہ یہ کہ جس ممکن کے واقع نہ ہونے کی خبر خود اللہ تعالیٰ نے دی ہے اس کا واقع ہونا ممتنع بالذات کی طرح قدرت سے خارج ہے اگر فرض کیا جائے کہ امتناع بالغیر بھی قدرت کے متعلق ہونے کے منافی نہیں ہے اور بہت سے افراد مظہر تجلیات افضل المرسلین ﷺ کی ذات اقدس کے مماثل امکانِ ذاتی اور تصور عقل کے پیش نظر صرف اس اعتبار سے کہ وہ ممکن ذاتی ہیں، قطعِ نظر امورِ خارجہ اور موانع سے، اللہ ذوالجلال کی قدرت سے موجود ہو سکتے ہیں تو قابل غور بات یہ ہے کہ ایسے ممکن اور متصور محض امور جن کے وقوع کو عقل محض ان کے امکانِ ذاتی مِنْ حَیْثُ ھُوَ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جائز قرار دے۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار، عوام کالانعام کو حیران اور پریشان کرنے کے مترادف اور ان کے عقائد کمزور کر دینے کے برابر ہے۔ کیوں کہ تقویت الایمان کی عبارت میں جو مطلب بیان کیا گیا ہے اسے عوام ہرگز نہیں سمجھ سکتے، اسے صرف خواص ہی سمجھ سکتے ہیں جو امکانِ ذاتی، امتناع بالغیر اور مرتبۂ ماہیت مِن حَیْثُ ھِی اور مِن حیث الخلط کے مطلب و مفہوم سے آگاہ ہوں گے وہ ضرور صاحبِ رسالہ (تقویت الایمان) کی مذکورہ عبارت کے مطلب تک رسائی حاصل کر سکیں گے۔

صاحبِ تقویت الایمان نے اس عقیدے کو دین کے بڑے اصول میں سے قرار دیا ہے۔
عوام اس عقیدے کو ذہن نشین اور خالی ذہنوں میں نقش کرنے کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس کی مثل ان گنت افراد انبیا کے وجود کو دوسرے انسانی وجود کی طرح قابل وقوع ہی جانیں گے اس کے علاوہ ان کے لیے کسی دوسری ہدایت کی توقع نہیں ہوسکتی۔

اس صورت میں اگر کوئی شخص کسی عام آدمی کو یہ سمجھائے کہ (**لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**) کے جھوٹے ہونے کے عقیدے کو اس کے سچے ہونے کے عقیدے کے برابر جانو تو کیا حرج اور کیا نقصان ہوگا؟ کیوں کہ موضوع ومحمول کی خصوصیت سے قطعِ نظر یہ قضیہ بھی بلاشبہ صدق و کذب کا احتمال رکھتا ہے۔

مقامِ حیرت ہے کہ قطع نظر اس بات سے کہ اس مثال سے حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی، گستاخی اور زبان درازی لازم آتی ہے اور اس کے سننے سے منکرین نبوت کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ رسالہ عوام کو سمجھانے کے لیے اردو میں لکھا گیا ہے (سوال یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی قدرت عامہ شاملہ کے سمجھانے کے لیے یہی مثال رہ گئی تھی کہ حضرت محمد ﷺ کی مثل کروڑوں افراد کا وجود ممکن ہے۔ اس کے علاوہ کوئی مثال نہیں تھی؟

اے اللہ ہمیں حق کو حق ماننے اور اس کی پیروی کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل ماننے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

☆☆☆

دہلی کا تاریخی مناظرہ: تقویت الایمان میں صرف یہی ایک عبارت قابل اعتراض نہیں تھی جس پر علامہ نے گرفت کی بلکہ اس کی اور بہت سی عبارتیں علمائے وقت کے لیے تشویش کا باعث بن گئیں اور یہی تشویش بالآخر اس تاریخی مناظرے کا سبب بنی جس میں بقول مولانا آزاد ''ایک طرف مولانا اسماعیل اور مولانا عبدالحی تھے اور دوسری طرف تمام علمائے دہلی'' (آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی: ص ۵۶) اور حکیم محمود احمد برکاتی کے بقول ''جس میں ایک طرف شاہ اسماعیل کے اعوان وانصار تھے، دوسری طرف باقی علمائے حق پرست'' (فضل حق اور سنہ ستاون: ص ۱۰۴) جن میں اکثریت اسی خاندان ولی اللٰہی کے تلامذہ اور مستفیدین کی تھی، ان میں شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے اور شاہ ولی اللہ کے پوتے مولانا مخصوص اللہ دہلوی (وفات ۱۲۷۱ھ) اور شاہ محمد موسیٰ دہلوی (۱۲۵۹ھ) بھی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ یہ مناظرہ جامع مسجد دہلی میں ۲۹ / ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء کو منعقد ہوا، اس مناظرے کی قدرے تفصیلی روداد مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے سیف الجبار میں درج کردی ہے (دیکھیے: ضمیمہ ۲، ص 242) اس روداد سے پتہ چلتا ہے کہ مناظرے سے پہلے ایک استفتا مرتب کیا گیا تھا جس میں دیگر علما کے علاوہ علامہ فضل حق کے دستخط بھی تھے۔☆

رسالہ یک روزی: گزشتہ صفحات میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ علامہ کی ''تقریر اعتراضات بر تقویت الایمان'' کے جواب میں بقول منشی جعفر تھانیسری ''مولانا شہید نے ایک فتویٰ بدلائل عقلی ونقلی نہایت مدلل لکھا ہے''، اسی کا نام ''رسالہ یک روزی'' ہے، آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ تھانیسری اور آزاد دونوں حضرات کے بقول یہ رسالہ شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب ''ایضاح الحق الصریح فی

☆ یہ استفتا فارسی میں چودہ سوالات پر مشتمل ہے، پھر اس کے جوابات ہیں، یہ جوابات غالباً مولانا رشیدالدین خاں دہلوی کے ہیں، استفتا اور اس کے جوابات کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ میں موجود ہے، جو مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے قلم کا معلوم ہوتا ہے، آخر میں یہ عبارت درج ہے: ''نقل است از اصلے کہ براں مہر رشیدالدین خاں صاحب، ومولوی مخصوص اللہ ومولوی موسیٰ ومولوی محمد شریف، ومولوی عبداللہ، ومولوی فضل حق ودستخط مولوی اخون شیر محمد ثبت است''۔ استفتا اور جوابات مع اردو ترجمہ مولانا ابوالحسن زید فاروقی نے اپنی کتاب ''مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان'' میں شائع کیے ہیں، حضرت زید نے لکھا ہے کہ یہ استفتا مولانا رشیدالدین خاں دہلوی نے کیا تھا اور اس کے جوابات شاہ اسماعیل دہلوی نے قلم بند کیے، مگر یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، سیف الجبار میں درج روداد مناظرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی نے اس فتوے پر دستخط کرنے سے یہ کہہ کر انکار کردیا تھا کہ ''میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں''۔ دیکھیے ضمیمہ: ۲، صفحہ 242

احکام المیت والضریح'' کے ساتھ شائع ہو گیا تھا، یہی نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے☆

رسالہ یک روزی میں شاہ صاحب نے پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضور علیہ السلام کی نظیر ممکن ہے، اور تحت قدرت الٰہی ہے، اس کے لیے انہوں نے پہلے قرآن کریم سے دلیلیں دی ہیں، اس کے بعد ایک عقلی دلیل نقل کی ہے، جس کو انہوں نے ''برہان عقلی'' سے تعبیر کیا ہے، اس کے بعد علامہ کی مذکورہ تحریر سے کچھ عبارتیں نقل کر کے ان کا رد کیا ہے۔ علامہ نے ان دلائل کا جواب اپنی کتاب تحقیق الفتویٰ میں دیا ہے، تحقیق الفتویٰ اگرچہ دستیاب ہے مگر رسالہ یک روزی تقریباً نایاب ہے، اس لیے طوالت کے باوجود ہم یہاں ان میں سے کچھ مباحث نقل کریں گے تاکہ محفوظ ہو جائیں، یہ مباحث ہم بلا تبصرہ نقل کر رہے ہیں۔

امکان نظیر پر پہلی نقلی دلیل: شاہ اسماعیل دہلوی نے امکان نظیر کے سلسلے میں پہلی دلیل یہ دی کہ (۱۱):

> ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰسین میں ارشاد فرمایا کہ ''کیا وہ کہ جس نے آسمان اور زمین بنائے اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے اور بنائے؟ کیوں نہیں اور وہی بڑا پیدا کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے اس کی تو یہ شان ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو صرف اتنا ہی فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ موجود ہو جاتی ہے۔ (ترجمہ آیت) لہٰذا (''ان جیسے'' میں) ضمیر مذکر تمام بنی آدم کی طرف راجع ہے، اس لیے کہ یہ آیت کریمہ قیامت کے بیان میں واقع ہوئی ہے، لہٰذا جو بھی قیامت میں زندہ ہوگا وہ اس آیت کریمہ کے حکم میں داخل ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ افراد انسانی میں سے ہر فرد قیامت میں زندہ ہونے والا ہے، پس اس کی مثل اس آیت کے مقتضا کے مطابق قدرت الٰہیہ کے تحت

☆ یہ میر محمد معظم علی کے زیر اہتمام مطبع فاروقی دہلی سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوا ہے، ابتدا سے صفحہ ۱۳۷/ تک ایضاح الحق ہے، ص ۱۳۸/ سے ص ۱۵۰/ کے آخر تک رسالہ یک روزی ہے، ص ۱۵۰/ کی آخری تین سطروں سے ص ۱۵۸/ کے آخر تک مفتی صدرالدین آزردہ کی وہ تحریر ہے جس کا ذکر مولانا آزاد نے کیا ہے، ص ۱۵۸/ کی آخری سطر سے ص ۱۶۳/ کے ربع تک مسئلہ امتناع نظیر پر ایک تحریر اور ہے جس پر مصنف کے نام کا اندراج نہیں ہے، اور نہ ہی تاریخ موجود ہے، صاحب تحریر سے کسی نے مسئلہ امتناع نظیر پر سوال کیا ہے، انہوں نے اس کا تفصیلی جواب دیا ہے، یہ تحریر شاہ اسماعیل دہلوی کے موقف کی حمایت میں ہے، ص ۱۶۳/ کے ربع سے اس صفحے کے آخر تک خاتمہ کے عنوان سے مہتمم مطبع فاروقی میر محمد معظم کی تحریر ہے۔

داخل ہے، اب گویا اس دلیل کی ترتیب یوں ہوگی کہ نبی ﷺ قیامت میں زندہ ہوں گے اور یہ بات ضروریات دین میں سے ہے، اور جو بھی قیامت میں زندہ ہوگا پس اس کے مثل کا وجود مذکورہ آیت کریمہ کے مقتضا کے مطابق تحت قدرت الٰہی ہے، لہٰذا وجود مثل نبی تحت قدرت الٰہی ہے، اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔ (رسالہ یک روزی، مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۸)

پہلی نقلی دلیل کا رد: اس دلیل کا جواب دیتے ہوئے علامہ تحقیق الفتویٰ میں فرماتے ہیں:

''یہ عجیب استدلال ہے جو اگلے پچھلے تمام دلائل کی وقعت خاک میں ملا رہا ہے، یہ اس آیت قرآنیہ کی تفسیر نہیں، البتہ اس قائل کی تفسیر دانی کی علامت ضرور ہے۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰاتِ والارْضَ مع کِبْرِ جُرْمِهَا وعَظْمِ شانِهَا بِقَادِرٍ علٰی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ فی الصِّغْرِ والحِقَارَةِ بالاضافَةِ اِلَیْهِمَا اَوْمِثْلَهُمْ فی اُصُوْلِ الذّاتِ وَصِفَاتِهَا (انتهٰی)

ترجمہ: جس ذات کریمہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، باوجود ان کے جسم کی بڑائی اور شان کی عظمت کے، کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے افراد پیدا کردے، جو زمین و آسمان کی نسبت بہت ہی چھوٹے ہوں یا اصولِ ذات اور صفاتِ ذات میں ان جیسے ہوں۔

کافر اور حشر جسمانی کے منکر کہتے تھے: مَنْ یُّحْیِ العظامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ. ترجمہ: بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔

یہ آیت کریمہ حشر جسمانی کے ان منکروں کا استبعاد دفع کرنے کے لیے ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے عظیم الشان اور بڑے بڑے جسموں والے زمین و آسمان کو پیدا کیا، کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے چھوٹے قد والے معمولی امثال کو پیدا کردے یا ذات کے اصول و صفات میں ان کے مثل پیدا فرمادے؟ ہاں وہ اس پر قادر ہے، وہ پیدا کرنے والا جاننے والا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے، فرماتا ہے ہو جا، تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔

لہٰذا اس آیت کا مدلول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابدان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اور منکروں

کے استبعاد کو دفع کرنا مقصود ہے اور اس جگہ مثل سے مراد وہ ہے جو اجزائے بدنیہ اور بدن سے تعلق رکھنے والی صفات میں مماثل ہو یا کوتاہ قامت اور معمولی ہونے میں مثل ہو نہ کہ تمام کمالات میں مماثل ہو کیوں کہ حشر جسمانی اور اعادۂ ابدان سے تمام کمالات میں مماثل کا ذکر کسی طرح تعلق اور مناسبت نہیں رکھتا، پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے بدنیہ اور ان سے تعلق رکھنے والے امور یا حجم اور مقدار میں ہر فرد انسانی کا مثل قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہے، ایسے مقامات میں لفظ مثل سے تمام کمالات میں مساوی کا سمجھنا علما کی شان سے بعید ہے۔ آیت قرآنی کی یہ تفسیر (جو قائل مذکور نے کی ہے) بیان و معانی کے اس عالم یگانہ کی تفسیر دانی کی دلیل ہے تمام کمالات میں حضور سید العالمین ﷺ کے مساوی کے ممکن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

مقام تعجب ہے کہ اس قائل نے اس آیت میں واقع لفظ مثل سے تمام کمالات میں مساوی سمجھ کر دلیل قائم کرنے میں تکلف سے کام لیا ہے، آسان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **قل انما انا بَشَرٌ مثلکُمْ** سے استدلال کرتا، یہ آیت حضور ﷺ کے امثال کے امکان کیا بلکہ وقوع پر دلالت کرتی ہے اور لفظ مثل اس آیت میں بھی واقع ہے اور لفظ مثل کا معنی متبادر اس قائل کے ذہن میں وہی ہے جس کے ثابت کرنے کے وہ درپے ہے، کج فہمی اور بداعتقادی سے خدا کی پناہ اور اسی سے ہدایت اور راستی کی توفیق ہے‘‘ (تحقیق الفتویٰ: ص ۱۷۱ تا ۱۷۳)

امکان نظیر پر دوسری نقلی دلیل: شاہ صاحب نے ایک دلیل یہ دی کہ: (۱۲)

> ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں احیائے ارض اور انزال مطر سے قیامت میں مردوں کو زندہ کرنے پر استدلال فرمایا ہے، ان میں سے ایک آیت یہ ہے کہ ’’وہ اللہ جس نے آسمان سے ایک مقدار میں پانی اتارا تو ہم نے اس پانی کے ذریعے ایک مردہ شہر (خشک زمین) زندہ (تروتازہ) فرما دیا اسی طرح تم بھی قبروں سے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے‘‘، اور حضرت آدم کے بغیر باپ کے پیدا کرنے سے حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ کے پیدا کیے جانے کے امکان پر استدلال فرمایا ہے، ارشاد فرمایا ’’بے شک عیسیٰ کی مثل اللہ کے نزدیک ایسی ہی ہے جیسے آدم، ان کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر اس سے کہا کہ ہو جاؤ تو وہ ہو گئے‘‘،

بالجملہ اس قسم کا استدلال قرآن کریم میں شائع ومتعارف ہے، لہٰذا اس تقدیر پر اللہ کی قدرت کی طرف نظر کرتے ہوئے آپ ﷺ کا وجود ہی وجود مثل کے امکان کی دلیل ہے، گویا اس تقدیر پر دلیل کی ترتیب کچھ یوں ہوئی کہ اگر نبی ﷺ کا وجود قدرت الٰہیہ کے تحت داخل ہے، تو آپ کی مثل کا وجود بھی قدرت مذکورہ کے تحت داخل ہوگا، (اور چونکہ آپ کا وجود قدرت الٰہیہ کے تحت داخل ہے) لہٰذا آپ کی مثل کا وجود بھی قدرت مذکورہ کے تحت داخل ہوگا، اس لیے کہ قرآن کے منطوق کے مطابق تحت قدرت ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں دو مثلوں کا حکم ایک ہی ہے۔ (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۹)

دوسری نقلی دلیل کا رد: اس دلیل کا جواب علامہ نے یہ دیا کہ ''یہ شبہ بھی وہم سے زیادہ نہیں ہے کیونکہ اوصاف دو قسم کے ہیں: (۱) جن کا اشتراک دو چیزوں کے درمیان ممکن ہو اور وہ اشتراک سے مانع نہ ہو، مثلاً باپ کے بغیر پیدا ہونا کہ دو فردوں میں مشترک ہونے سے مانع نہیں ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا اس وصف سے موصوف ہونا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس وصف سے موصوف ہونے کے منافی نہیں ہے، کیوں کہ بغیر باپ کے ایک شخص کے پیدا ہونے سے لازم نہیں آتا کہ دوسرے شخص کا اتصاف اس وصف سے منتفی ہو جائے، اسی طرح زمین کے قابل زندگی ہونے سے لازم نہیں آتا کہ مردوں کا اس سے اتصاف منتفی ہو جائے۔

(۲) دوسرے وہ جن کا اشتراک دو چیزوں میں ممکن نہ ہو مثلاً تمام انبیا کا خاتم ہونا کہ ایک شخص کا اس صفت سے متصف ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ دوسرا فرد اس سے متصف نہ ہو (یعنی ایک شخص خاتم الانبیا ہوا تو دوسرا خاتم الانبیا نہیں رہے گا)۔

پس اگر کوئی چیز ایک وصف سے موصوف ہو اور وہ وصف قسم اول سے ہو تو اس چیز کا وجود اس کے مثل کے ممکن ہونے کی دلیل ہوسکتا ہے اور یہی قرآن پاک کا مطلب ہے اور اگر وہ وصف قسم ثانی سے ہو تو اس کے موصوف کا وجود، اس وصف میں مماثل کے وجود کے ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اس شخص کا اس وصف سے موصوف ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس وصف میں اس کا

شریک ممتنع الوجود ہے ورنہ وہ وصف ممکن الاشتراک ہوجائے گا اور یہ خلاف مفروض ہے۔

حضور ﷺ کے موجود ہوتے ہوئے تمام کمالات میں آپ کے برابر کے ممکن ہونے پر اس قائل کا استدلال اس صورت میں قابل توجہ ہوسکتا تھا کہ یہ قائل پہلے ثابت کرتا کہ حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے تمام اوصاف کاملہ قسم اول سے ہیں اور ممکن الاشتراک ہیں اور یہی اس مسئلہ کی بنیاد ہے''(تحقیق الفتویٰ:ص۱۷۴،۱۷۵)

امکان نظیر کی عقلی دلیل: یک روزی میں شاہ صاحب نے مذکورہ نقلی دلائل کے علاوہ ایک عقلی دلیل بھی دی ہے، لکھتے ہیں:(۱۳)

> ترجمہ: رہا برہان عقلی تو اس کا بیان یہ ہے کہ مثل مذکور کا وجود ممتنع بالغیر ہے، اور ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے، اور ہر ممکن بالذات قدرت الٰہیہ کے تحت داخل ہے پس وجود مثل مذکور قدرت الٰہیہ کے تحت داخل ہے، اور یہی مطلوب ہے۔ رہا مقدمہ اولیٰ تو اس کا بیان یہ ہے کہ مثل مذکور نفس الامر میں معدوم ہے، اور ہر معدوم یا تو ممتنع بالذات ہوگا یا ممتنع بالغیر، پس مثل مذکور یا تو ممتنع بالذات ہوگی یا ممتنع بالغیر، لیکن مثل مذکور ممتنع بالذات نہیں ہے، لہٰذا ممتنع بالغیر ہے، قیاس اول کا صغریٰ وکبریٰ دلیل کا محتاج نہیں اور رہا قیاس ثانی میں قضیہ استثنائیہ تو اس کا بیان یہ ہے کہ مثل مذکور سے مراد وہ فرد ہے جو ماہیت اور اوصاف کاملہ میں حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہو، پس امتناع بالذات یا تو اس لیے ہوگا کہ ماہیت انسانی میں مشارکت ممتنع ہے، یا اس لیے ہوگا کہ نفس ذات پر نظر کرتے ہوئے اوصاف مذکورہ سے متصف ہونا محال ہے، یہ بات ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی ماہیت انسان ہے، اور ماہیت انسانیہ میں ہزاروں ہزار افراد کا شریک ہونا محال نہیں ہے، اور نفس ماہیت پر نظر کرتے ہوئے اوصاف مذکورہ سے متصف ہونا بھی محال نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا کہ خود حضور کا اوصاف مذکورہ سے متصف ہونا محال ہو، کیوں کہ نفس ماہیت کے اعتبار سے جو چیز

ثابت ہو یا منفی ہو اس میں دو مثلوں کا حکم ایک ہوتا ہے، ورنہ ماہیت میں
عدم اشتراک لازم آئے گا، (اور اگر ایسا ہوا تو) ان دونوں کا مماثل نہ ہونا
لازم آئے گا، اور یہ خلاف مفروض ہے، لہٰذا مثل مذکور ممتنع بالذات نہیں
ہوگی۔ (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۹)

عقلی دلیل کا رد: شاہ اسماعیل دہلوی کی اس عقلی دلیل کے جواب میں علامہ فرماتے ہیں:

''یہ دلیل جو شبہ کہلانے کی مستحق ہے، وہم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کیوں کہ یہ تو مسلم ہے کہ چوں کہ ماہیت میں شرکت ممتنع نہیں، اس لیے اس مماثل کا وجود بھی ممتنع نہیں ہے لیکن یہ مسلم نہیں ہے کہ نفس ذات کے اعتبار سے اوصافِ مذکورہ سے متصف ہونا ممتنع نہیں ہے، اس لیے اس مماثل کا وجود بھی ممتنع نہیں ہے کیوں کہ ماہیت ایک فرد کے ضمن میں جن اوصاف سے موصوف ہو یا اس کا موصوف ہونا ممکن ہو، ضروری نہیں کہ انہی اوصاف کے ساتھ ماہیت کا دوسرے افراد کے ضمن میں متصف ہونا بھی ممکن ہو، مثلاً ماہیت انسانیہ نفس ذات کے اعتبار سے زید کے تشخص (وہ امور جو اسے دوسرے افراد سے ممتاز کریں) سے موصوف ہو سکتی ہے، لیکن زید کے ضمن میں حالانکہ ماہیت انسانیہ کا اپنی ذات کے اعتبار سے عمرو کے ضمن میں زید کے تشخص سے موصوف ہونا ممکن نہیں ہے ورنہ زید کا تشخص، تشخص نہ رہے گا بلکہ بہت سے افراد میں قابل اشتراک بن جائے گا (اور یہ اس کے تشخص ہونے کے منافی ہے) دیکھیے ماہیت انسانیہ کا عمرو کے ضمن میں زید کے تشخص سے متصف ہونا ممتنع بالذات ہے اور زید کے ضمن میں ممکن بالذات ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زید اور عمرو ماہیت انسانیہ میں شریک ہی نہ ہوں، یہ قاعدہ کہ جو چیز نفس ماہیت کے لحاظ سے ثابت کی جائے یا جس چیز کی نفی کی جائے اس میں دو مثلوں کا ایک حکم ہوتا ہے مطلقاً صحیح نہیں ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ماہیت میں شرکت نہیں رہے گی اور مماثلت باقی نہیں رہے گی، جیسا کہ ہم اس کی مثال پیش کر چکے ہیں'' (تحقیق الفتویٰ: ص ۱۶۸/۱۶۹)

توہین رسالت کا قضیہ: علامہ اور شاہ اسماعیل کے درمیان اختلاف کی اصل بنیاد توہین رسالت تھی، علامہ کا کہنا تھا کہ تقویت الایمان کی زیر بحث عبارت انبیا و مرسلین کی اہانت و تخفیف پر مشتمل ہے، جب کہ شاہ اسماعیل کو اس پر اصرار تھا کہ اس قسم کی عبارتوں سے توہین نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ

کی قدرت کاملہ کا اظہار ہوتا ہے، اس پورے معاملہ میں یہ بحث چوں کہ خاص اہمیت کی حامل ہے اس لیے اس کی قدرے تفصیل یہاں درج کی جاتی ہے۔

تقویت الایمان کی جو عبارت زیر بحث تھی اس کا سیاق وسباق یہ تھا کہ شاہ صاحب شفاعت کا بیان کررہے تھے، اسی ضمن میں اللہ کی قدرت عامہ وشاملہ کے بیان کے لیے انہوں نے لکھا تھا کہ ''اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ........''.اس پر علامہ نے اپنی اولین تحریر میں گرفت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اگر فرض کیا جائے کہ امتناع بالغیر بھی قدرت کے متعلق ہونے کے منافی نہیں ہے اور بہت سے افراد مظہر تجلیات افضل المرسلین ﷺ کی ذات اقدس کے مماثل امکانِ ذاتی اور تصور عقل کے پیش نظر صرف اس اعتبار سے کہ وہ ممکن ذاتی ہیں، قطعِ نظر امورِ خارجہ اور موانع سے اللہ ذوالجلال کی قدرت سے موجود ہوسکتے ہیں تو قابل غور بات یہ ہے کہ ایسے ممکن اور متصور محض امور جن کے وقوع کو عقل محض ان کے امکانِ ذاتی مِنْ حَیْثُ ھُوَ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جائز قرار دے ان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار عوام کالانعام کو حیران اور پریشان کرنے کے مترادف اور ان کے عقائد کمزور کردینے کے برابر ہے۔
>
> تقویت الایمان کی عبارت میں جو مطلب بیان کیا گیا ہے اسے عوام ہرگز نہیں سمجھ سکتے، اسے صرف خواص ہی سمجھ سکتے ہیں جو امکانِ ذاتی، امتناع بالغیر اور مرتبہَ ماہیت مِن حَیثُ ھِی اور مِن حیث الخلط کے مطلب ومفہوم سے آگاہ ہوں گے وہ ضرور صاحبِ رسالہ (تقویت الایمان) کی مذکورہ عبارت کے مطلب تک رسائی حاصل کرسکیں گے صاحبِ تقویت الایمان نے اس عقیدے کو دین کے بڑے اصول میں سے قرار دیا ہے، عوام اس عقیدے کو ذہن نشین اور خالی ذہنوں میں نقش کرنے کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات اقدس کی مثل ان گنت افراد انبیا کے وجود کو دوسرے انسانی وجود کی طرح قابل وقوع ہی جانیں گے اس کے علاوہ ان کے لیے کسی دوسری ہدایت کی توقع

نہیں ہوسکتی۔

مزید فرماتے ہیں:

> مقامِ حیرت ہے کہ قطع نظر اس بات سے کہ اس مثال سے حضور سید عالم ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی، گستاخی اور زبان درازی لازم آتی ہے اور اس کے سننے سے منکرین نبوت کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ رسالہ عوام کو سمجھانے کے لیے اردو میں لکھا گیا (سوال یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کی قدرت عامہ شاملہ کے سمجھانے کے لیے یہی مثال رہ گئی تھی کہ حضرت محمد ﷺ کی مثل کروڑوں افراد کا وجود ممکن ہے، اس کے علاوہ کوئی مثال نہیں تھی؟

اس بات کو شاہ اسماعیل دہلوی نے دو طرح رد کرنے کی کوشش کی، ایک بطریق نقض اور دوسرے بطریق حل، بطریق نقض رد کرتے ہوئے انہوں نے پہلے قرآن کریم کی چند آیات نقل کیں جن کا مفاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب سے فرما رہا ہے کہ ''اگر (بالفرض) تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل ساقط ہو جائیں گے''، ایک جگہ فرمایا کہ ''اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمھاری طرف نازل کی اسے لے جاتے'' وغیرہ، پھر دلیل نقض کو ترتیب دے کر شاہ اسماعیل نے یک روزی میں لکھا: (۱۴)

> ترجمہ: دلیل نقض اس طور پر ہوگی کہ آنجناب ﷺ کے کمالات کا سلب ہونا قدرت الٰہیہ کے تحت داخل ہے، اور اس کا اظہار حضور ﷺ کی نسبت اساءت ادب اور عوام کو گمراہ کرنا ہے، اور جو چیز اس طرح کی ہو وہ از روئے شرع ممنوع ہے، پس مذکورہ آیات کی تلاوت اور ان کے معانی کا بیان کرنا از روئے شرع ممنوع ہوگا۔ (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۴۷)

پھر اپنے اس نقض کو ایک دوسری دلیل سے ثابت کرتے ہوئے آگے لکھا کہ مرتبہ بشریت میں فساق و کفار سے حضور ﷺ کی مماثلت کا اظہار آپ کی نظیر کے امکان کے اظہار کے مقابلے میں زیادہ قبیح ہے، اس لیے کہ سکندر کی نظیر کا وجود سکندر کی نسبت اس کی اساءت ادب نہیں ہے، ہاں یہ کہنا کہ سکندر اپنی رعایا کے عام آدمی کی مثل ہے یہ اس کا اساءت ادب ضرور ہے، اس

تمہید کے بعد کہتے ہیں: (۱۵)

ترجمہ: یہ دلیل اس طور پر مرتب ہوگی کہ بنی آدم کے کسی فرد کے ساتھ آنجناب ﷺ کی مماثلت کا اظہار اساءت ادب اور عوام کو گمراہ کرنا ہے، پس یہ شرعاً ممنوع ہوگا، حالانکہ قل انما بشر مثلکم (میں ظاہری شکل وصورت میں تمہاری طرح ہوں) قرآن مجید میں متعدد مقامات پر وارد ہوا ہے، پس وہ آیات جو ایسے کلمات پر مشتمل ہوں ان کی تلاوت اوران کے معانی کا بیان شرعاً ممنوع ہوگا (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۴۸)

پھر خود ہی اس نقض کا حل پیش کیا ہے اور علامہ کی دلیل کا رد کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وزیر کو بادشاہ کا نوکر کہنا یا باپ کو دادا کا بیٹا کہنا یا استاذ کو اس کے استاذ کا شاگرد کہنا کوئی بے ادبی نہیں ہے، ہاں البتہ وزیر کو اپنی ہی طرح کا نوکر کہنا یا باپ کو چچا کا بیٹا کہنا یا استاذ کو ہم سبق شاگرد کہنا ضرور بے ادبی ہے، اس تمہید کے بعد لکھتے ہیں: (۱۶)

ترجمہ: پس ہم تسلیم نہیں کرتے کہ آپ ﷺ کی نظیر کے قدرت الٰہیہ کے تحت داخل ہونے کا اظہار کرنا آپ کی بہ نسبت اساءت ادب اور عوام کو گمراہ کرنا ہے، اس لیے کہ یہ اظہار اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کی تنقیص ہے، کیوں کہ شریک باری ممتنع بالذات ہے اور شریک آنجناب ﷺ ممتنع بالغیر ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ ﷺ کی تنقیص نہ آپ کی اساءت ادب ہے نہ عوام کو گمراہ کرنا، بلکہ اس میں تو آنجناب ﷺ کی عبودیت کا اظہار ہے، جو دین کے اہم مقاصد میں سے ایک ہے۔ (مرجع سابق، نفس صفحہ)

یہ معاملہ چونکہ بہت اہم تھا اس لیے علامہ نے اس پر بڑی تفصیل سے کلام کیا ہے، اور اس کے رد کے لیے کتاب کے چار مقامات (باب) میں سے ایک مقام (باب) خاص کیا ہے، پہلے آپ نے ایک تمہید باندھی ہے، اس کے بعد اس عبارت کے توہین وتخفیف پر مشتمل ہونے کو چودہ وجوہ سے ثابت کیا، تحقیق الفتویٰ کا یہ حصہ قابل مطالعہ ہے، تمہید میں علامہ نے جو کچھ فرمایا ہے اس

کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

کسی کلام کا کسی کی توہین وتنقیص پر مشتمل ہونا اس کے صادق یا کاذب ہونے سے متعلق نہیں ہے، بسا اوقات کلام صادق تحقیر پر اور کلام کاذب تعظیم وتوقیر پر مشتمل ہوتا ہے، اسی طرح کلام کا کسی کی توہین وتنقیص پر دلالت کرنا اس سے متعلق نہیں ہے کہ کلام سے مضمون کے واقع ہونے پر صراحتاً یا اشارتاً دلالت کا پتہ چلے، بلکہ ایک عبارت مقتضائے حال کے مطابق کبھی تعظیم پر دلالت کرتی ہے اور کبھی تحقیر وتذلیل پر، مثلاً جب کہا جائے کہ فلاں ایک انسان ہے، مگر مقتضائے حال کے مطابق کلام کا سیاق وسباق تعظیم وتوقیر کے مناسب ہوتو یہ کلام کمال تعظیم وتکریم پر دلالت کرے گا، اور اس معنی پر دلالت کرے گا کہ فلاں شخص نوع انساں میں یگانہ زمانہ اور اپنے امثال میں منفرد ہے، اور اگر حالی یا لفظی قرینہ اس شخص کی اہانت کا مقتضی ہوتو یہی کلام اس شخص کی تنقیص شان پر دلالت کرے گا، اس کلام کا یہ مقصد ہوگا کہ فلاں شخص عام سا انسان ہے، جس کو کوئی وقعت نہیں۔ (تحقیق الفتویٰ: ص۱۷۷)

آگے فرماتے ہیں:

''جس طرح مقتضائے حال کے اعتبار سے توہین یا تعظیم پر دلالت کرنے میں کلام مختلف ہوتا ہے اسی طرح حال قائل کے مختلف ہونے سے کلام اس دلالت میں اختلاف پذیر ہوتا ہے، مثلاً اگر کوئی بلند مرتبہ سردار کہے کہ ''میں ناچیز انسان ہوں'' اس کی زبان سے یہ کلام کم مایہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کا یہ کلام کمال تواضع پر دلالت کرتا ہے جو قابل تعریف وتوصیف ہے، اور اگر کوئی کمینہ ایسے سردار کے بارے میں کہے کہ وہ ناچیز انسان ہے، یہ گراں کلمہ اس رذیل کی زبان سے اس معزز سردار کے لیے انتہائی تحقیر اور تذلیل ہے، اسی طرح اگر بادشاہ اپنے دربار کے انتہائی مقرب اور مکرم وزیر اعظم کو اپنی قدرت اور سلطنت کے اظہار کے لیے کہے کہ اگر میں

چاہوں تو تم سے وزارت چھین لوں، رعایا کے کسی معمولی آدمی کو تمہارے منصب پر فائز کردوں اور تمہیں جیل بھیج دوں یا تمہیں تختہ دار پر لٹکا دوں، بادشاہ کی زبان سے یہ کلام وزیر کی شان کی تخفیف نہیں ہے، اور اگر کوئی معمولی سا سپاہی کہے کہ اگر بادشاہ چاہے تو تم سے وزارت چھین لے، رعایا کے کسی معمولی انسان کو تمہارے مقام پر فائز کردے اور تمہیں جیل بھیج دے یا پھانسی چڑھا دے، اس کلام میں قابل تکریم وزیر کی انتہائی تذلیل ہے، اور اس کا مرتکب بادشاہ کی عادلانہ رائے میں وزیر کی توہین کے نتیجے میں سخت سزا کا مستحق ہوگا، کیونکہ اس عام سے سپاہی کا یہ مقام نہیں ہے کہ لائق تعظیم بلند مرتبہ وزیر کے بارے میں ایسا کلام زبان پر لاتا، بلکہ اس کی یہ حیثیت بھی نہیں ہے کہ تعظیمی کلمات ملائے بغیر وزیر کا نام لے''۔(تحقیق الفتویٰ:۱۷۸)

پھر قرآن کریم سے مثالیں دے کر اس بات کی مزید توضیح فرماتے ہیں، لکھتے ہیں کہ:

''مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد قل انما انا بشر مثلکم (ترجمہ: اے حبیب آپ کہہ دیں کہ میں ظاہراً تمہاری طرح انسان ہوں) حضور ﷺ کی تخفیف شان پر مشتمل نہیں ہے، انبیا و مرسلین کی دعوت کے جواب میں زمانہ ماضی کے کافروں کا یہ کہنا ما انتم الا بشر مثلنا (ترجمہ: تم نہیں ہو مگر ہم جیسے انسان) بلاشبہ ان حضرات علیہم السلام کی تنقیص شان پر مشتمل ہے۔

پس اگر آیات قرآنیہ جو اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی کی ترجمان ہیں ایسے امور پر قدرت الٰہیہ کے شامل ہونے پر دلالت کرتی ہیں جن کا عدم وقوع نبی اکرم ﷺ کی شان میں اسباب خارجیہ پر نظر کرتے ہوئے قطعی اور یقینی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد لئن اشرکتم لیحبطن عملکم (ترجمہ: اگر (بالفرض) تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل ساقط ہو جائیں گے) اور ولئن شئنا لنذھبن بالذی او حینا الیك (ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی اسے لے جاتے) اور ولو ان ثبّتنٰك لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلاً اذاً لاذقنٰك ضعف الحیاۃ وضعف الممات (ترجمہ: اور اگر ہم تمہیں ثابت قدمی نہ دیتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو دونی عمر اور دو چند موت کا مزہ دیتے)

یہ آیات نبی اکرم ﷺ کی تخفیف و تنقیص پر دلالت نہیں کرتیں، مگر کسی امتی کا یہ مقام نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بارے میں ایسے کلمات کہے جو ان آیات کریمہ کا مفہوم ادا کرتے ہیں کیوں کہ مخلوق کی زبان سے ایسے کلمات اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی تنقیص شان پر مشتمل ہیں۔

جب یہ معلوم ہو چکا کہ متکلم کے مختلف ہونے سے تنقیص پر دلالت کرنے یا نہ کرنے میں کلام کا حال مختلف ہوتا ہے، تو کسی شخص کو یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ اگر حضور سید المرسلین ﷺ کی شان میں ایسے کلمات کا زبان پر لانا تخفیف اور تنقیص پر مشتمل ہو تو ایسے کلمات پر مشتمل آیات قرآنیہ کی تلاوت اور ان کی تفسیر شرعاً ناجائز ہو گی (یہ گمان اس لیے غلط ہے کہ تلاوت اور تفسیر اللہ تعالیٰ کے کلام کی ہے، بندہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا) ہاں یہ پروپگنڈہ کرنے کے لیے اس قسم کی آیات کو جمع کرنا کہ ''سید کائنات ﷺ کی شان میں اس قسم کے کلمات قرآن میں واقع ہیں'' تا کہ جہلا اور عوام ان آیات کو دلیل بنا کر حضور سرور موجودات ﷺ کی شان میں ایسے کلمات کے استعمال کا جواز معلوم کریں اور آیات کی بنیاد پر حضور ﷺ کی تخفیف شان میں بے باک ہو جائیں اور اس بے ادبی کی بدولت تباہی اور ہلاکت کے مستحق ٹھہریں، حضور اشرف الاشراف ﷺ کی شان میں انتہائی بے ادبی پر مشتمل ہے، اور عوام اور جہلا کی زبانوں پر امر قبیح کی اشاعت ہے''۔ (تحقیق الفتویٰ: ۹۷/۱۸۰)

شاہ اسماعیل نے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ اس عبارت میں حضور ﷺ کی تنقیص اللہ کی بہ نسبت ہے، اور ایسی تنقیص میں کوئی قباحت نہیں بلکہ یہ تو حضور ﷺ کی عبودیت کا اظہار ہے۔ اس کے جواب میں علامہ فرماتے ہیں:

''معلوم نہیں کہ اس توجیہ کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان سے ان حضرات کا کم ہونا ان کلمات (تقویت الایمان کی عبارت) کا مدلول ہے، یہ واضح غلط فہمی ہے، کیوں کہ ہم بیان کر چکے ہیں اور پایہ ثبوت تک پہنچا چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو جو مراتب عطا فرمائے ہیں ان کلمات سے ان مراتب سے کمی دکھائی گئی ہے، اور اس کی قباحت کسی ایماندار پر مخفی نہیں، بایں ہمہ حضرات ممدوحین کی شان کا شان الٰہی سے کم ہونا کلام کے روش پر منطبق نہیں، اس کا مقصد یہ تھا کہ شفاعت گنہ گاروں کی نجات کا سبب نہیں ہے، جو لوگ عقیدہ

رکھتے ہیں کہ ان حضرات کی شفاعت نجات کا سبب ہوگی وہ بھی ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کے بندے ہی مانتے ہیں، معلوم ہوا کہ شان الٰہی سے ان حضرات کی شان کی کمی کا بیان کرنا اس قائل کے مقصد کے بیان میں کچھ دخل نہیں رکھتا۔

انصاف شرط ہے کلام الٰہی احادیث طیبہ، صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، علمائے دین اور عرفائے عابدین کے اقوال شان الٰہی کی تعظیم وتکریم سے پُر اور حد شمار سے باہر ہیں، کسی بیان میں کسی وقت کسی جگہ کسی ایماندار سے ایسے کلمات صادر نہیں ہوئے، جیسے کہ اس قائل سے دلی عقیدے کی بنا پر بے تابانہ سرزد ہوئے ہیں، کیا وہ تمام حضرات تعظیم شان الٰہی میں تقصیر کے روادار تھے کہ انہوں نے ایسے کلمات پر جسارت نہ کی ورایسا سراپا تنقیص کلام زبان پر نہ لائے''۔(تحقیق الفتویٰ: ص۱۹۹/۲۰۰)

مسئلہ امکان کذب: مسئلہ امتناع نظیر کے بطن سے ''امکان کذب باری'' کا مسئلہ پیدا ہوا، حکیم محمود احمد برکاتی کے بقول:

> اپنے قول کی صحت پر بہر حال اصرار کیے جانے کا ایک اور افسوس ناک نتیجہ یہ نکلا کہ شاہ صاحب اور ان کے اتباع امکان کذب باری تعالیٰ کے قول تک آ گئے (سفر اور تلاش: ص ۶۱)

یہ مسئلہ اس طرح پیدا ہوا کہ علامہ نے امتناع نظیر کی دلیل دیتے ہوئے لکھا تھا:

> وجود مثل کو ممکن ماننا اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ کو جائز قرار دینا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ محال ہے کیوں کہ وہ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے بارے میں محال ہے۔ (ترجمہ تقریر اعتراضات)

اس کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی نے رسالہ یک روزی میں لکھا: (۱۷)

> ترجمہ: ان کا قول کہ '' یہ محال ہے کیوں کہ یہ نقص ہے اور نقص اللہ کے لیے محال ہے''، میں کہتا ہوں کہ اگر اس محال سے مراد ممتنع لذاتہ ہے جو قدرت الٰہیہ کے تحت داخل ہی نہیں ہے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ مذکورہ کذب اس معنی میں محال ہے، کیوں کہ ایک ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کو

ملائکہ اور انبیا پر القا کرنا قدرت الٰہیہ سے خارج نہیں ہے، ورنہ لازم آئے گا قدرت انسانی قدرت ربانی پر زائد ہو جائے، کیونکہ ایک ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کو مخاطبین پر پیش کرنا اکثر افراد انسانی کی قدرت میں ہے، ہاں مذکورہ کذب چونکہ اللہ کی حکمت کے منافی ہے اس لیے ممتنع بالغیر ہے۔ (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۴۵)

گویا شاہ صاحب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن بالذات ہے، مگر حکمت کی بنیاد پر اس سے کذب کا ارتکاب نہیں ہوتا اس لیے ممتنع بالغیر ہوا۔

تحقیق الفتویٰ میں علامہ نے اس دلیل کا جواب یہ دیا ہے:

یہ کیا عقیدہ ہے جو اس قائل کی زبان سے صادر ہو رہا ہے اور کیا گمراہانہ کلام ہے، جو اس کے قلم کی نوک سے بے باکانہ ٹپک رہا ہے۔ یہ قائل مانتا ہے کہ جھوٹ نقص اور عیب ہے، اس کے باوجود کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب سے متصف ہونا ممکن ہے لہٰذا یہ صریح اعتراف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ناقص اور عیب دار ہونا ممکن ہے، اللہ تعالیٰ پاک ہے اس سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ اب یہ شکایت ختم ہو جاتی ہے کہ اس نے بدطینتی کی بنا پر حضور سید کائنات اور دیگر حضرات انبیا و ملائکہ و اولیا کے بارے میں تنقیص اور توہین آمیز کلمات کہے ہیں کیوں کہ اس کا عقیدہ خالقِ کائنات کے بارے میں یہ ہے (کہ اس کا جھوٹ اور نقص و عیب سے متصف ہونا ممکن ہے) تو مخلوقات کے بارے میں کیا کچھ نہ کہے گا۔

اس کا یہ استدلال کہ ''ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کا ملائکہ و انبیا پر القا کرنا، قدرتِ الٰہیہ سے خارج نہیں ہے''، باعث تعجب ہے کیوں کہ ایسا قضیہ بنانا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور اس کا مخاطب پر القا کرنا مطلقاً جھوٹ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اکثر مقامات پر مخلوق سے حکایت کرتے ہوئے قضایا کاذبہ ذکر فرمائے ہیں، قائل کے کذب کا معنی یہ ہے کہ وہ مخالف واقع قضیہ سے خبر دے اور یہ صفت عیب اور نقص ہے اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کا عیب اور نقص سے موصوف ہونا ممکن ہے، اہل ایمان کی شان سے بعید ہے، ایسا کلام زبان پر لانا اور اس کا سننا مسلمانوں کی سماعت پر بہت گراں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ باتیں اس شخص کو کہی جا سکتی ہیں جس کا

ایمان سے کچھ تعلق نہ ہو۔

اس کا یہ کہنا کہ ''ورنہ لازم آئے گا کہ قدرت انسانی قدرت الٰہیہ سے زیادہ ہو''، تعجب بالائے تعجب کا سبب ہے اور دیکھنے والوں کی نگاہوں میں قائل کی دقیقہ رسی اور زیرکی کی قوت کو ظاہر کرتا ہے۔ **سبحان اللّٰہ و تعالیٰ عما یصفون** ظاہر ہے کہ بدترین فواحش اور شنیع قبائح، جن سے اللہ تعالیٰ کا متصف ہونا عقلی، نقلی طور پر بدیہی اور شرعی طور پر ممتنع ذاتی اور محالِ عقلی ہے۔ قدرت انسانیہ کے تحت داخل اور قدرت الٰہیہ کے تحت داخل نہیں ہیں، اس قائل کے زعم پر لازم آئے گا کہ قدرتِ انسانی، قدرت ربانی سے زائد ہو، العیاذ باللہ!

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ عیوب ونقائص سے اتصاف اور قبائح وفواحش کے ارتکاب کی قدرت خود عیب اور نقص ہے، اللہ تعالیٰ تمام نقائص، عیوب، قبائح اور فواحش سے پاک ہے، جو قدرت اللہ تعالیٰ کے اوصاف کاملہ میں سے ہے، وہ تمام ممکنات کے ایجاد کی قدرت ہے، گویا مطلق قدرت دو قسم ہے، ایک قدرت کاملہ جو اللہ تعالیٰ کے اوصاف مختصہ سے ہے، دوسری قدرت ناقصہ جو صفات مخلوق سے ہے۔ دوسری قدرت پہلی قدرت سے بمراتب غیر متناہیہ ناقص ہے، پس انسان میں دوسری قدرت کے موجود ہونے اور ذات باری تعالیٰ میں اس کے ممکن نہ ہونے سے قدرتِ انسانی کا قدرت ربانی پر زائد ہونا لازم نہیں آتا، شاید زیادتی کا معنیٰ ''خیال شریف'' میں نہ آیا ہوگا۔

ایک شے کا دوسری شے پر زائد ہونا یہ ہے کہ پہلی شے دوسری شے پر مشتمل ہو اور اس کے ماسوا پر بھی، اسے چاہیے تھا کہ پہلے ثابت کرتا کہ قدرت انسانی قدرت ربانی پر مشتمل ہے، پھر بیان کرتا کہ قدرتِ انسانی قدرت ربانی کے ماسوا پر بھی مشتمل ہے، تب یہ کہہ سکتا تھا کہ قدرتِ انسانی کا قدرت ربانی پر زائد ہونا لازم آتا ہے، سبحان اللہ! اس مبلغ علم اور اتنی سمجھ کے ساتھ کیا ضروری ہے کہ معقولات میں دخل دیا جائے (تحقیق الفتویٰ مترجم: ص ۱۵۸ر تا ۱۶۰)

امکان کذب کے بارے میں شاہ صاحب نے ایک بات یہ بھی کہی تھی کہ: (۱۸)

ترجمہ: اسی لیے جھوٹ نہ بولنے کو اللہ تعالیٰ کے کمال میں شمار کیا جاتا ہے، اور اس کے (یعنی عدم کذب کے) ساتھ اس کی مدح کی جاتی ہے، برخلاف گونگے یا پتھر کے کہ جھوٹ نہ بولنے کی بنیاد پر ان کی مدح نہیں کی جاتی، اور ظاہر ہے کہ

صفت کمال یہی ہے کہ کوئی شخص جھوٹ بولنے پر قدرت رکھتا ہو اس کے باوجود رعایت مصلحت اور تقاضائے حکمت کے تحت جھوٹ نہ بولتا ہو اس شخص کی مدح کی جائے گی۔(رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح،ص ۱۴۵)

اس کے جواب میں علامہ لکھتے ہیں:

''اس کا یہ گمان کہ عدم کذب کو اللہ تعالیٰ کی تعریفات میں اسی لیے شمار کرتے ہیں کہ وہ کذب پر قدرت کے باوجود کلام کاذب کا تکلم نہیں فرماتا، جیسے اس نے عوام کالانعام کو فریب دینے کے لیے کم معنی اور زیادہ الفاظ والی طویل عبارات سے بیان کیا ہے، ملمع کاری سے زیادہ کچھ نہیں، کیوں کہ تمام عیوب ونقائص اور قبائح وفواحش سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ محامد ومدائح الٰہیہ سے شمار کی گئی ہے اور نصوص میں مقام ثنا میں موجود ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ان نقائص اور فواحش سے متصف ہونا ممتنعات عقلیہ اور مستحیلات ذاتیہ سے ہے۔ شان الٰہی کی انتہائی تعریف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی عیب اور نقص سے موصوف ہونا تجویز عقلی میں بھی ممکن نہیں ہے، یہی کمال تنزیہ اور تقدیس ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کذب کے اتصاف سے اس لیے پاک ہونا کہ اس ذات کریمہ کا عیوب ونقائص سے موصوف ہونا ناممکن ہے، عجز نہیں ہے، اس لیے کہ جس شے کی شان یہ ہے کہ وہ قدرت میں ہو، اس کا قدرت میں نہ ہونا عجز ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا کذب سے موصوف ہونا ممتنع ہے اور قدرت میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس پر قدرت کا نہ ہونا عجز نہیں ہوسکتا'' (تحقیق الفتویٰ مترجم: ص ۱۶۰/تا ۱۶۱)

باری تعالیٰ کے لیے کذب کو ممکن بالذات تسلیم کرنے کے نتیجے میں بات یہاں تک پہنچی کے بعض حضرات نے جملہ قبائح (بری باتیں) اللہ کے لیے ممکن بالذات مان لیں، مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد رشید مولانا احمد حسن کانپوری (وفات: ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) نے مسئلہ امکان کذب پر ایک رسالہ ''تنزیہ الرحمن عن شائبة الکذب والنقصان ''☆ لکھا، اس کے جواب میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا محمود الحسن دیوبندی نے ''الجُهدُ المُقِل فی تنزیه المُعِز والمُذِل''، لکھی جس میں وہ یہاں تک لکھ گئے کہ:

☆ یہ رسالہ ۱۳۰۷ھ میں کانپور سے شائع ہوا، اس پر مفتی لطف اللہ علی گڑھی، مولانا عبداللہ ٹونکی، مولانا محمد علی کانپوری، مولانا عبدالحی سورتی، اور مولانا نور محمد گورداسپوری کی تقریظات ہیں۔

افعال قبیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ مقدور باری جملہ اہل حق تسلیم فرماتے ہیں
کیوں کہ خرابی ہے تو ان کے صدور میں ہے نفس مقدوریت میں اصلاً کوئی
خرابی نظر نہیں آتی (الجہد المقل: ص ۴۱، بحوالہ مقدمہ تحقیق الفتویٰ: ص ۶۱)

پھر آگے چل کر یہ بھی لکھ دیا کہ:

بالجملہ قبائح کے صدور کو ممکن بالذات کہنا بجا اور مذہب اہل سنت ہے البتہ بوجہ
امتناع بالغیر ان کے تحقق وفعلیت صدور کی کبھی نوبت نہیں آسکتی (مرجع سابق)

الجُهدُ المُقِل کے جواب میں مولانا احمد حسن کانپوری کے استاذ بھائی مولانا عبداللہ ٹونکی (وفات: ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء) نے عربی زبان میں ''عجالۃ الراکب فی امتناع کذب الواجب'' (مطبع اسلامیہ لاہور ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء) لکھی۔

مفتی آزردہ کی تحریر: دیانت علمی کا تقاضا ہے کہ مفتی آزردہ کی اس تحریر کا بھی تذکرہ کیا جائے جو رسالہ یک روزی کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اس میں مفتی آزردہ نے امکان نظیر کے مسئلہ میں شاہ اسماعیل سے اتفاق کرتے ہوئے علامہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے، لیکن شاہ اسماعیل کے اس اسلوب پر سخت احتجاج کیا ہے جو انہوں نے انبیا علیہم السلام کے لیے روا رکھا تھا، اگر اس تحریر کا سنہ متعین ہو جائے تو آگے بحث کے مراحل آسانی سے طے کیے جا سکتے ہیں، کیوں کہ اگر یہ تحریر رمضان ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء سے پہلے کی ہے تو یقینی طور پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ مفتی صاحب کے اس وقت کے خیالات ہیں جب تک تحقیق الفتویٰ نہیں لکھی گئی تھی، لیکن جب علامہ نے مسئلہ امتناع نظیر پر اپنے موقف کو دلائل سے مزین کیا تو مفتی آزردہ مطمئن ہو گئے اور شرح صدر کے ساتھ تحقیق الفتویٰ کی تصدیق کر دی، کیونکہ تحقیق الفتویٰ پر دیگر علمائے دہلی کے ساتھ مفتی آزردہ کے بھی دستخط موجود ہیں۔ اور اگر یہ ثابت ہو کہ یہ تحریر تحقیق الفتویٰ کے بعد کی ہے تو پھر اس کو تحقیق الفتویٰ کی تائید وتصدیق سے رجوع مانا جائے گا۔ یہ مسئلہ ابھی تحقیق طلب ہے، معروف محقق ڈاکٹر شمس بدایونی کا خیال ہے کہ ''مفتی آزردہ کی یہ تحریر الگ سے رسالے کی شکل میں ''امکان نظیر'' (۱۲۷۲ھ) کے تاریخی نام سے باہتمام شیخ الٰہی بخش افضل المطابع دہلی سے شائع ہوئی تھی، اس پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے، بعض دوسرے قرائن سے اس کی اشاعت کا سنہ محرم ۱۲۷۸ھ/اگست

۱۸۶۱ء طے کیا گیا ہے'' (گفتگو پر بنی) ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے (مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۷ھ) اس میں مفتی صاحب کی تحریر کے اختتام پر ''فی اوائل محرم ۱۲۷۸ھ'' درج ہے، اس سے ڈاکٹر صاحب کی بات کی تائید ہوتی ہے، اس رائے کو غالبؔ کے ایک خط سے بھی تقویت ملتی ہے، سید محمد مجتہد لکھنوی کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں: (۱۹)

> ترجمہ: اس زمانے میں شہر میں دو دانش مند باہم برسرِ پیکار ہیں، ایک کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت خاتم الانبیا کا مثل پیدا کر سکتا ہے، دوسرا کہتا ہے کہ آپ ﷺ کا مثل ممتنع ذاتی اور محال ذاتی ہے۔ (غالب اور بدایوں: ص ۳۰)

یہ خط ۱۷؍ جنوری ۱۸۵۷ء (جمادی الاول ۱۲۷۳ھ) کو تحریر کیا گیا ہے، اس میں ''دو دانش مند'' سے علامہ اور مفتی صاحب کی ذات ہی مراد ہوگی، کیوں کہ غالبؔ کے احباب میں ان کے علاوہ اور ایسے کوئی دو ''دانش مند'' نظر نہیں آتے، جو اس مسئلہ میں برسرِ پیکار رہوئے ہوں، لہٰذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مفتی آزردہؔ کی یہ تحریر ۱۲۷۲ھ کی ہی ہے، اس کے بعد علامہ اور مفتی صاحب میں علمی بحث ہوئی ہوگی جس کو غالب نے دو دانشمندوں کے برسرِ پیکار رہونے سے تعبیر کیا ہے۔

یہ تمام خارجی دلائل ہیں جن سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ مفتی صاحب کی زیر بحث تحریر تحقیق الفتویٰ (رمضان ۱۲۴۰ھ) کے ۳۰/۳۲ برس بعد ۱۲۷۲ھ/۱۲۷۳ھ میں لکھی گئی ہے، مگر اس تحریر میں کچھ داخلی شواہد موجود ہیں جن سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ یہ تحریر تحقیق الفتویٰ (رمضان ۱۲۴۰ھ) سے پہلے سپردِ قلم کی گئی ہے، اس تحریر میں مفتی صاحب نے بعض ایسی آیات سے استدلال کیا ہے جن کا جواب تحقیق الفتویٰ میں موجود ہے، شاہ اسماعیل نے یک روزی میں امکان نظیر کی ایک دلیل کے ضمن میں کہا تھا کہ اگر حضور ﷺ کی نظیر ممتنع بالذات ہو تو حضور واجب الوجود ہوں گے، کیوں کہ جس کی نقیض ممتنع ہو وہ واجب ہوتا ہے، یہی دلیل مفتی صاحب کی اس تحریر میں بھی ہے، اس کا جواب علامہ نے تحقیق الفتویٰ میں دیا ہے کہ نقیض اور مثل میں فرق ہے، شئی کی نقیض کے امتناع سے شئی کا وجوب لازم آتا ہے، اس کی مثل کے امتناع سے وجوب لازم نہیں آتا، یہ امور اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مفتی صاحب کی یہ تحریر تحقیق

الفتویٰ سے پہلے کی ہے، ورنہ جن دلائل کو علامہ تحقیق الفتویٰ میں ۳۰ ربرس پہلے رد کر چکے ہوں پھر ۳۰ ربرس بعد ان کے اعادہ کا کوئی جواز نہیں ہے، دوسری داخلی دلیل یہ ہے کہ اس میں علامہ کے بعض ان دلائل کا تنقیدی جائزہ ہے جو ''تقریر اعتراضات'' میں ذکر کیے گئے تھے، اگر یہ تحریر تحقیق الفتویٰ کے بعد کی ہوتی تو اس میں تحقیق الفتویٰ میں ذکر کیے گئے دلائل کا جائزہ لیا جانا چاہیے تھا۔

۱۲۷۲ھ یا ۱۲۷۸ھ میں اس تحریر کی اشاعت اس بات کا قطعی ثبوت نہیں ہے کہ یہ تحریر اسی وقت کی لکھی ہوئی ہے، ممکن ہے پہلے ۱۲۷۲ھ میں شائع ہوئی ہو اور لفظ ''امکان نظیر'' (۱۲۷۲ھ) سے سنہ تالیف نہیں بلکہ سنہ طباعت کی طرف اشارہ ہو، پھر ۱۲۷۸ھ میں جب ایضاح الحق اور رسالہ یک روزی شائع کیا جا رہا ہو تو موضوع کی مناسبت سے اس تحریر کو بھی شامل اشاعت کر لیا گیا ہو۔ غالب کے خط میں یہ جملہ قابل توجہ ہے کہ ''دریں ہنگام درشہر'' (اس زمانے میں شہر میں) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ برسر پے کار دونوں دانش مند دہلی شہر میں موجود ہیں، مگر اس خط کے زمانے (۱۲۷۳ھ) میں علامہ دہلی میں نہیں تھے، بلکہ وہ الور میں بسلسلہ ملازمت قیام پذیر تھے۔

بہر حال مفتی صاحب کی اس تحریر کے سنہ تصنیف کے تعین کا مسئلہ ابھی مزید غور وفکر کا متقاضی ہے، بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ تحریر تحقیق الفتویٰ کے بعد ہی کی ہے تو بھی زیادہ سے زیادہ اتنا ثابت ہوگا کہ مفتی صاحب کو صرف اس ایک مسئلہ امتناع نظیر میں علامہ سے اختلاف رائے تھا، لیکن اس اختلاف کو شاہ اسماعیل کی کلی حمایت قرار نہیں دیا جا سکتا، کیوں کہ مفتی صاحب کے شاہ اسماعیل دہلوی کے نظریات وخیالات سے عدم اتفاق کے ثبوت میں متعدد دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں، کچھ دلائل ہم نے اسی کتاب میں کسی دوسرے مقام پر پیش کیے ہیں، ان دلائل سے قطع نظر اگر اس زیر بحث تحریر کو ہی غور سے دیکھیں تو اس میں بھی کئی جگہ مفتی صاحب شاہ اسماعیل سے اختلاف کرتے نظر آئیں گے۔

مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ اگر چہ حضور ﷺ کی نظیر قدرت الٰہیہ کے تحت داخل ہے، مگر اس کے امکان کے ثبوت کے درپے ہو جانا، اور امکان مثل کے مسئلہ پر زیادہ بحث ومباحثہ کرنا سوئے ادب ہے، اسی تحریر میں امکان نظیر کو ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں: (۲۰)

ترجمہ: اس مسئلہ کے بعض ناظرین (شاہ اسماعیل) نے جو تقریر کی ہے،

اس سلسلہ میں تحقیقی قول بیان کرنا یہاں ضروری ہے، وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ کی مثل کے امکان میں بحث اور غور وخوض کرنا تنقیص شان نبوی اور بے ادبی کا موجب ہے، گو کہ قرآن مجید میں اس امکان مثل کی خبر دی ہے، جیسا کہ آیت کریمہ ولو شئنا لبعثنافی کل قریة نذیراً کی تفسیر میں گزرا، لیکن ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اس سلسلے میں کلام کریں۔ (تحریر مفتی آزردہ مشمولہ ایضاح الحق: ص۱۵۶)

شاہ صاحب نے رسالہ یک روزی میں قرآن کریم کی چند آیات نقل کی تھیں جن میں اللہ تعالیٰ نے بطور عتاب انبیا سے خطاب فرمایا ہے، اور اس سے یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ قرآن کریم میں جب ایسی آیات موجود ہیں اور ان سے انبیا کی توہین نہیں ہوتی بلکہ اللہ کی عظمت اور انبیا کی بندگی کا اظہار ہوتا ہے تو ہم بھی اگر اللہ کی عظمت اور قدرت کے بیان کے لیے ان آیتوں کو پیش کر رہے ہیں تو کیا حرج ہے، اس پر مفتی صاحب سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (۲۱)

ترجمہ: قرآن کریم میں وہ الفاظ جو انبیا علیہم السلام کے حق میں بطور عتاب وارد ہوئے ہیں ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان آیات کو سابق ولاحق سے جدا کر کے زبان پر لائیں، اور ان میں بحث وگفتگو کریں، مثال کے طور پر لفظ ''ضال'' آیت کریمہ ''ووجدك ضالاً فهدىٰ '' میں، ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس لفظ کا اطلاق معاذ اللہ حضور پر کرتے ہوئے آپ کو ''ضال '' کہیں، یا کوئی شخص ہر نماز میں سورۂ عبس وتولی پڑھنے کا التزام کرے، کیوں کہ اس سورت میں حق جل وعلا کی جانب سے اپنے حبیب کے لیے یک گونہ عتاب ہے، علمائے محققین نے اس سے منع کیا ہے، سید شریف نے شرح مواقف میں کہا ہے کہ انبیا پر زبان کھولنے کی جرأت نہیں کرنا چاہیے، بالخصوص سیدنا محمد ﷺ کا مقام تو سب سے زیادہ نازک ہے، یہاں تو سوئے ادب کا ادنیٰ وہم ارکان ایمان میں تزلزل کا باعث بن جاتا ہے۔
(مرجع سابق: ص۱۵۷)

اور پھر زیارت قبور وغیرہ کے سلسلے میں بھی مفتی صاحب نے منتہی المقال میں شیخ ابن تیمیہ اور شاہ اسماعیل دہلوی وغیرہ کے معروف موقف سے اختلاف کیا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ علامہ نے شاہ اسماعیل کی تکفیر امکان نظیر کے قول کی بنیاد پر نہیں کی ہے، بلکہ تکفیر کی اصل بنیاد اہانت رسول ہے، اور یہ آپ دیکھ چکے کہ شاہ صاحب کی متنازعہ عبارتوں کو مفتی صاحب بھی انبیا علیہم السلام کی شان میں توہین واستخفاف تسلیم کرتے ہیں، لہٰذا مفتی آزردہ کی اس تحریر کو شاہ اسماعیل کے مخصوص عقائد ونظریات کی حمایت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

تحقیق الفتویٰ: وہ مسائل جن میں علامہ اور شاہ اسماعیل کے درمیان نزاع واقع ہوا ان میں ایک مسئلہ 'مسئلہ شفاعت' بھی تھا، تقویت الایمان میں شفاعت کے سلسلے میں شاہ اسماعیل دہلوی نے کئی صفحات میں خامہ فرسائی کی ہے، اور شفاعت کی ایسی تشریح کی ہے جس سے ائمہ متقدمین کی کتابیں خالی ہیں، اسی کتاب سے شفاعت کے متعلق شاہ اسماعیل دہلوی کی طویل عبارت کسی نے نقل کر کے علامہ کی خدمت میں بطور استفتا پیش کی، اس استفتا کے جواب میں علامہ نے قلم اٹھایا اور فارسی میں '' تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ '' کے نام سے عقلی اور نقلی دلائل سے مزین ایک کتاب تصنیف فرمادی۔ یہ کتاب رمضان ۱۲۴۰ھ مطابق اپریل ۱۸۲۵ء میں تصنیف کی گئی۔ اس میں استفتا کا جواب تو دیا ہی گیا ساتھ ہی علامہ نے کئی جگہ شاہ صاحب کے '' رسالہ یک روزی '' کے دلائل کا تنقیدی جائزہ بھی لے لیا ہے، جس کا ذکر ہم گزشتہ صفحات میں کر چکے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ اپنے موضوع پر اتنی اہم کتاب اپنی تالیف کے تقریباً ڈیڑھ سو برس تک غیر مطبوعہ رہی، مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے اس کا اردو ترجمہ کیا اور ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی بندیال سے شائع کروایا ساتھ میں انہوں نے آخر میں کتاب کا اصل فارسی متن بھی شامل کر دیا ہے۔ تحقیق الفتویٰ کا ایک مخطوطہ مولانا عبدالقادر شہید (بانی جامعہ قادریہ فیصل آباد پاکستان) کے پاس تھا، ان کے نسخے سے مولانا محمد عبدالغفار صابری نے ۱۹۵۸ء میں نقل کیا، ایک مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں تھا، یہ دونوں نسخے شرف صاحب کے پیش نظر رہے، اس کے علاوہ شرف صاحب نے اس کے دو اور نسخوں کا ذکر کیا ہے ایک قاضی صدرالدین ہزاروی (ہری پور) اور دوسرا صاحبزادہ عبدالصبور (گکھڑ منڈی) کے کتب خانے میں، مگر ان نسخوں تک شرف

صاحب کی رسائی نہ ہوسکی، ایک نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں علامہ کے شاگرد تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے جس کا ذکر اس کتاب میں ''خیر آبادی نوادرات'' کے ضمن میں کیا گیا ہے۔ تحقیق الفتویٰ کے علامہ ہی کی تصنیف ہونے کا ذکر مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے اپنی تصنیف ''سیف الجبار'' اور فوز المؤمنین'' میں کیا ہے، سیف الجبار میں نہ صرف تحقیق الفتویٰ کا ذکر ہے بلکہ اس میں تحقیق الفتویٰ کے چاروں مقامات کا مختصر تعارف اور تقریباً ایک صفحہ میں خلاصہ فتویٰ کی عبارت بھی نقل کردی ہے☆ یہ ایک معاصر شہادت ہے، لہٰذا تحقیق الفتویٰ کے علامہ کی طرف انتساب میں شک نہیں کیا جاسکتا، اور پھر سید حیدر علی ٹونکی کا علامہ کو مخاطب کر کے تحقیق الفتوی کا رد لکھنا اور اس کے جواب میں علامہ کا رسالہ امتناع النظیر لکھنا اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

تحقیق الفتویٰ کو علامہ نے ۴؍مقامات اور ایک خاتمہ پر ترتیب دیا ہے:

پہلا مقام: اس میں شفاعت کی حقیقت، اس کے اقسام اور حضور اکرم ﷺ کی شان شفاعت اور مقام محمود پر گفتگو کی گئی ہے، ساتھ ہی شفاعت کے بارے میں تقویت الایمان کی طویل عبارت کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔

دوسرا مقام: شاہ اسماعیل دہلوی کی عبارت ''اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے'' الخ کا ابطال، اسی مقام پر امتناع نظیر اور امکان کذب کے مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے رسالہ یک روزی کے دلائل کا محاسبہ بھی کیا ہے۔

تیسرا مقام: اس مقام میں اس بات پر گفتگو کی گئی ہے کہ شفاعت سے متعلق تقویت الایمان کی زیر بحث عبارت حضور اکرم ﷺ کی تخفیف وتوہین پر مشتمل ہے یا نہیں، چودہ وجوہ سے مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ یقیناً یہ عبارت حضور اکرم ﷺ کی تنقیص شان پر مشتمل ہے، اس مقام میں بھی آپ نے رسالہ یک روزی کی بعض دلیلوں کا جواب دیا ہے۔

چوتھا مقام: اس میں اس بات پر بحث ہے کہ حضور اکرم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی تخفیف شان اور اہانت کرنے والے پر شریعت کا کیا حکم نافذ ہوتا ہے۔

☆ دیکھیے: سیف الجبار: ص ۴۹، ۵۰، مطبع صبح صادق سیتاپور ۱۲۹۲ھ

خاتمہ: اس میں آپ نے استفتا میں مذکور تینوں سوالات کے جوابات قلم بند کیے ہیں۔

تحقیق الفتویٰ کی ترتیب اور اس کے مندرجات کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد ہم ایک اہم بات کی طرف اور اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں ایک بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ شاہ صاحب کتاب وسنت کا گہرا علم رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنے موقف کو کتاب وسنت کے دلائل سے مزین کیا، جب کہ علامہ فضل حق خیر آبادی محض منطقی و فلسفی آدمی تھے، انہوں نے منطق وفلسفہ کی موشگافیوں اور جدل ومکابرے کے لفظی گورکھ دھندوں سے کام لیا، دراصل یہ بات قدیم زمانے کے بعض معتقدین اسماعیل اور مخالفین فضل حق نے لکھ دی، جب سے آج تک ہمارے ''غیر جانبدار مؤرخین ومحققین'' اس کا اعادہ کرتے آرہے ہیں، حالانکہ ان میں سے اکثر کو تقریر اعتراضات، رسالہ یک روزی، اور تحقیق الفتویٰ کی غالباً زیارت کا بھی شرف حاصل نہیں ہوا ہے، تعجب ہوتا ہے کہ یہ بات ہمارے عہد کے ایسے قلم کار بھی پورے یقین واعتماد کے ساتھ لکھ رہے ہیں جو علوم کتاب وسنت اور منطق وفلسفہ کی موشگافیوں کے فرق سے بھی ناآشنائے محض ہیں۔ تحقیق الفتویٰ کے مطالعے سے پتہ چلتا کہ اس میں علامہ نے اپنا موقف ثابت کرنے کے لیے کم وبیش ۵۹؍آیات کریمہ، ۷۷؍احادیث رسول وآثار صحابہ اور ۲۶؍جگہ تابعین، ائمہ دین، مفسرین اور علما کے اقوال وعبارات پیش کی ہیں۔

ان آیات، احادیث، آثار اور اقوال ائمہ سے چاروں مقامات کی بحث مکمل کر کے علامہ نے آخر میں مستفتی کے تینوں سوالوں کے جوابات دیے ہیں، دراصل یہی اس پوری کتاب کا خلاصہ ہے، اس لیے اس حصہ کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

خلاصہ تحقیق الفتویٰ

استفتا میں سائل نے تین سوالات کیے تھے:

(۱) یہ کلام حق ہے یا باطل؟

(۲) اس کا یہ کلام حضور اکرم ﷺ کی شان عالی میں تنقیص وتخفیف ہے یا نہیں؟

(۳) اگر یہ کلام حضور اکرم ﷺ کی شان عالی کی تنقیص وتخفیف پر مشتمل ہے تو اس کے قائل پر شرعاً کیا حکم ہے؟

مذکورہ تینوں سوالات کے جواب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

پہلے سوال کا جواب: یہ ہے کہ قائل کا کلام مذکور سرتاسر جھوٹ ،دروغ ،فریب اور دھوکہ ہے، کیوں کہ وہ گناہ گاروں کی نجات کے لیے شفاعت کے سبب ہونے کی نفی کرتا ہے، اور نبی اکرم ﷺ ، دیگر انبیا و ملائکہ علیہم السلام اور اصفیا سے شفاعتِ وجاہت اور شفاعتِ محبت کی نفی کرتا ہے اس کا یہ عقیدہ کتاب مبین ،احادیث سید المرسلین اور اجماع مسلمین کے خلاف ہے، جیسے مقام اول میں تفصیلاً ثابت ہوا اور مقام ثانی میں اس کلام کے کچھ حصوں کا بطلان دلائل سے واضح ہوا۔

دوسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ اس کا یہ کلام بلا شبہ بارگاہ الٰہی کے مقربین کے سردار، انبیا، اصفیا، مشائخ اور اولیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم کی تنقیص شان پر مشتمل ہے،اور استخفاف پر دلالت کرتا ہے، جیسے مقام ثالث میں مذکور ہوا، اور اس سے پہلے دلائل سے ثابت ہوا۔

تیسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ اس بے ہودہ کلام کا قائل از روئے شریعت کافر اور بے دین ہے، اور ہرگز مسلمان نہیں ہے، اور شرعاً اس کا حکم قتل اور تکفیر ہے، جو شخص اس کے کفر میں شک اور تردد لائے یا اس استخفاف کو معمولی جانے ، کافر و بے دین نا مسلمان ولعین ہے، مگر کفر اور بے دینی میں اس شخص سے کم ہے جو اس گمراہانہ کلام کو قابل تحسین جانتا ہے، اور اس کلام کے اعتقاد کو ضروریات دین میں سے شمار کرتا ہے، ایسا شخص کفر میں قائل کے برابر ہے ، بلکہ استخفاف میں اس سے بھی بڑھ کر ہے ، کیوں کہ اس نے نبی اکرم ، دیگر انبیا، ملائکہ اور اولیا (علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام) کے استخفاف کو مستحسن جانا، اور اسے ضروریات دین میں سے گمان کیا، اسی طرح جو شخص ظاہراً یا باطناً ایسے مسائل میں اس قائل کی طرفداری روا رکھتا ہے ،اور اہل علم میں اس کی عزت کے تحفظ کے لیے دور از کار تاویلات اختیار کرتا ہے، وہ بھی نبی اکرم ﷺ کی تخفیف شان کا مرتکب ہوا ہے کہ ایک بے دین کی طرف داری کو سید الانام ﷺ کی عزت وحرمت پر ترجیح دی اور ملامت کے خوف بلکہ بتقاضائے بدبختی اس کلام کے ثابت کرنے کے درپے ہوا جو نبی اکرم ﷺ کی تخفیف شان پر دلالت کرتا ہے اور یہ سب کفر اور الحاد ہے ،اللہ تعالی ہمیں نبی اکرم ﷺ اور آپ کی آل پاک کے طفیل سے محفوظ رکھے۔(تحقیق

الفتویٰ مترجم: ص ۲۴۶ / ۲۴۷)

تحقیق الفتویٰ پر مندرجہ ذیل علما نے تائیدی دستخط اور مہریں ثبت کیں:

(۱) مولانا محمد شریف دہلوی	(۲) مولانا حاجی محمد قاسم،
(۳) مولانا محمد حیات لاری	(۴) مولانا کریم اللہ،
(۵) مولانا محمد رشید الدین	(۶) مولانا مخصوص اللہ دہلوی
(۷) مولانا محمد رحمت	(۸) مولانا عبد الخالق
(۹) مولانا محمد عبد اللہ	(۱۰) مولانا محمد موسیٰ دہلوی
(۱۱) مولانا خادم محمد	(۱۲) مولانا احمد سعید مجددی
(۱۳) مولانا محمد حیات	(۱۴) مفتی صدر الدین آزردہ
(۱۵) مولانا رحیم الدین	(۱۶) مولانا محبوب علی

تحقیق الفتویٰ کی تصنیف (رمضان ۱۲۴۰ھ) کے چند ماہ بعد جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ میں شاہ صاحب سکھوں سے لڑائی کے لیے سرحد کی طرف روانہ ہو گئے اور ۱۲۴۶ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، اس لیے اس وقت تحقیق الفتویٰ کے جواب میں شاہ اسماعیل دہلوی یا ان کے متبعین کی جانب سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا اور وقتی طور پر یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا، اس کے تقریباً ۲۰/۲۵ برس بعد سید حیدر علی ٹونکی تحقیق الفتویٰ کے جواب کے ساتھ میدان میں آئے، اور اس دبی ہوئی چنگاری کو انہوں نے شعلہ جوالہ بنا دیا نتیجے کے طور پر اختلاف و انتشار کا بازار گرم ہوا، جواب اور جواب الجواب چھپنے لگے، اور بالآخر امت اسلامیہ ہند انتشار و افتراق کا شکار ہو کر اپنی اجتماعی قوت اور توانائی سے محروم ہو گئی۔

باغی ہندوستان میں مولانا شیروانی کی ایک عبارت (باغی ہندوستان: ص ۲۰۲) سے اشارہ ملتا ہے کہ علامہ اور شاہ صاحب کے درمیان رفع یدین اور آمین بالجہر کے موضوعات پر بھی ''تحریروں کا سلسلہ چلتا رہا''، مگر راقم الحروف کو اس سلسلہ میں کوئی تاریخی ثبوت نہیں مل سکا۔

☆☆☆

علامہ فضل حق کے بارے میں بعض بے بنیاد روایتیں

سطور بالا میں علامہ اور شاہ صاحب کے درمیان عقائد ونظریات کے اختلاف کی تفصیل آپ نے ملاحظہ فرمائی، آپ نے دیکھا کہ شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان کے بعض مندرجات پر سب سے پہلے علامہ نے علم احتجاج بلند کیا، جس کے نتیجے میں باقی علمائے دہلی نے بھی شاہ صاحب کا مواخذہ کیا، اور تقویت الایمان کے ردوابطال کا ایک ناختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگیا، غالبًا یہی وجہ ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی کے معتقدین ومخلصین نے علامہ کے خلاف افواہوں اور غلط بیانیوں کا ایک طومار کھڑا کردیا، حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

> مولانا فضل حق کے متعلق غلط بیانیاں زیادہ تر ایک خاص گروہ کے حضرات نے کی ہیں، جس نے بھی شاہ اسماعیل دہلوی کے سوانح کو موضوع بنایا اس نے شاہ صاحب کی مدح کے ساتھ مولانا کی قدح کو بھی لازم قرار دیا
> (فضل حق اور سن ستاون: ص ۱۰۳)

شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ کے درمیان ہونے والے قلمی معرکے کی کچھ تفصیل درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> مولانا فضل حق کا یہ وہ جرم ہے جو آج تک معاف نہیں کیا گیا، اور ان کی تخفیف شان، تفسیق اور تضلیل کا کوئی موقع اب بھی ہاتھ سے (جانے) نہیں دیا جاتا اور صرف مولانا فضل حق ہی تک بات محدود نہیں رہی، مولانا کے تمام وابستگانِ داماں اور اصحابِ سلسلہ اس انتقام کا شکار ہیں (فضل حق اور سن ستاون: ص ۱۰۴)

حکیم صاحب نے اپنے محولہ بالا مضمون میں چند ایسی ہی روایتوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے، یہ مضمون ''چند اغلاط کی تصحیح'' کے عنوان سے باغی ہندستان میں بھی شامل کرلیا گیا ہے، جن روایتوں پر حکیم صاحب نے کلام کیا ہے ہم ان سے قطع نظر کر کے کچھ دوسری روایتوں کا تنقیدی جائزہ لیں گے۔

مولوی عبداللہ خاں کاندھلوی سے مناظرہ: مولانا اشرف علی تھانوی کے ملفوظات ''امیر الروایات'' میں علامہ فضل حق خیرآبادی کے سلسلہ میں کئی ایک دلچسپ کہانیاں موجود ہیں انہیں میں ایک روایت یہ ہے کہ سہارنپور میں علامہ فضل حق خیرآبادی کا ایک مباحثہ مولوی عبداللہ خاں کاندھلوی سے امکان نظیر کے موضوع پر ہوا، اور اس میں علامہ کو ''بھرے مجمع میں الزام ہوگیا'' یعنی علامہ جواب سے عاجز ہوگئے، پہلے روایت دیکھ لیں پھر ہم کچھ عرض کریں گے۔ مولانا اشرف علی تھانوی امیر شاہ خان خورجوی سے روایت کرتے ہیں کہ:

> خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولوی عبداللہ خاں کاندھلوی کا اور مولوی فضل حق صاحب کا سہارنپور میں امکان نظیر کے مسئلہ میں مناظرہ ہوا اور مولوی فضل حق صاحب کو بھرے مجمع میں الزام ہوگیا۔
>
> (ارواح ثلاثہ: ص ۲۷۸)

پروفیسر ایوب قادری اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> امیر الروایات کی اکثر روایتیں تاریخی اعتبار سے غلط ہیں، مولوی عبداللہ خاں کس حیثیت کے عالم تھے، معلوم نہیں، تاریخیں اور تذکرے ان کے ذکر سے خالی ہیں، نور الحسن راشد کاندھلوی نے امیر الروایات کے حوالے سے انہیں مفتی الٰہی بخش کا شاگرد بتایا ہے، اگرچہ مولوی الٰہی بخش کاندھلوی مؤلف ''حالات مشائخ کاندھلہ'' نے مفتی صاحب کے تلامذہ (میں) ان کا

ذکر نہیں کیا ہے۔

مولوی عبداللہ خاں کاندھلوی کا امکان نظیر کے مسئلے پر مولانا فضل حق کو الزام دینا درست معلوم نہیں ہوتا۔ (مولانا فضل حق خیرآبادی ایک تحقیقی مطالعہ: ص ۳۸/۳۹)

اپنے ایک مکتوب میں اسی امیر الروایات کے بارے میں ڈاکٹر ایوب قادری لکھتے ہیں:

اسی طرح امیر الروایات بھی میرے خیال سے غیر مستند ماخذ ہے، اس میں بھی اکثر ناقابل اعتبار روایتیں جمع کر دی گئی ہیں (مکتوب ایوب قادری بنام عبدالحکیم شرف قادری، مؤرخہ ۳۰/ اکتوبر ۱۹۷۱ء مطبوعہ باغی ہندوستان ص ۴۰۶/۴۰۷)

شاہ اسماعیل اور علامہ کا تحریری مناظرہ: اسی امیر الروایات میں شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ کے درمیان تحریری مناظرے کی ایک دلچسپ کہانی موجود ہے، امیر شاہ خان خورجوی روایت کرتے ہیں کہ:

مولوی اسماعیل صاحب اور مولوی فضل حق صاحب سے تحریری مناظرہ ہو رہا تھا تو مولوی اسماعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جب آپ کے پاس مولوی فضل حق صاحب کی تحریر پہنچی تو فوراً جواب دیتے اور بعض اوقات تو ایسا ہوا کہ آپ تیر رہے ہیں اور تیرنے کی حالت میں آپ کے پاس تحریر پہنچی، آپ نے تیرتے ہی تیرتے اس کا جواب لکھوا دیا، ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مومنؔ خاں اور مولوی فضل حق صاحب شطرنج کھیل رہے تھے، مولوی فضل حق صاحب نے مولوی اسماعیل صاحب کے پاس تحریر بھیجی تھی، اتفاق سے ان کے شطرنج کھیلنے ہی میں آدمی واپس آ گیا اور مولوی فضل حق صاحب نے دریافت کیا کہ جواب لائے؟ اس نے کہا کہ جواب نہیں دیا، اور کہا کہ فلاں وقت دوں گا، کیوں کہ یہ بات مولوی اسماعیل صاحب کے طرز کے خلاف تھی اس لیے مولوی فضل حق صاحب نے سمجھا

کہ مولوی اسماعیل عاجز ہوگئے اور یہ سمجھ کر کہا کہ ''بس دے لیا جواب''، یہ بات مومن خاں کو ناگوار ہوئی انہوں نے کہا کہ ''وہ بات ہی کیا ہے جس کا جواب مولوی اسماعیل صاحب نہیں دے سکتے''، اس پر ان میں گفتگو شروع ہوگئی اور مومن خاں مناظرے میں غالب رہے، چونکہ گفتگو میں مزاج تیز ہوگیا تھا اس لیے مومن خاں یہ شعر کہہ کر چل دیے۔

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال دیں
(آرزو مولوی فضل حق صاحب کا تخلص ہے)
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

جب مولوی فضل حق صاحب نے دیکھا مومن خاں ناراض ہوگئے تو وہ ان کو منانے کے لیے گئے، کچھ گفتگو ہو کر صلح ہوگئی اس وقت مومن خاں نے یہ شعر پڑھا۔

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہوگئے ناچار جی سے ہم

یہ قصہ بیان فرما کر فرمایا کہ یہ قصہ میں نے متعدد ثقات سے سنا ہے مگر نام یاد نہیں رہے (ارواح ثلاثہ: ص۴۳/۴۷)

اس کتاب کی روایتیں اصول روایت ودرایت پر کتنی درست اترتی ہیں یہ تو ڈاکٹر ایوب قادری کے حوالے سے آپ ملاحظہ فرما چکے، اس روایت میں بھی درایتاً کچھ امور ایسے ہیں جو قابل غور ہیں، مثال کے طور پر اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے درمیان کوئی ''تحریری مناظرہ'' بھی ہوا تھا، اور اس میں باہم متعدد تحریروں کا تبادلہ ہوا، لیکن کسی معتبر تاریخی ماخذ سے اس کی تصدیق نہیں ہوسکی، تاریخی طور پر تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ علامہ نے ایک تحریر ''تقریر اعتراضات'' لکھی اور بقول مولانا آزاد 'شاہ اسماعیل دہلوی نے اس کا جواب مسجد میں بیٹھ کر لکھ دیا'، اس رسالے کا تنقیدی جائزہ علامہ نے تحقیق الفتویٰ میں لیا، جس کے جواب میں شاہ صاحب نے خاموشی اختیار کر لی، اور اس کے صرف ۷/ ماہ بعد شاہ اسماعیل دہلی

سے کوچ کر گئے، پھر آخر یہ کون سی تحریریں تھیں جن کا جواب شاہ اسماعیل دہلوی فوراً لکھ کر بھیج دیا کرتے تھے؟ اور پھر لطف یہ کہ بعض اوقات'' آپ نے تیرتے تیرتے ہی تیرتے اس کا جواب لکھوا دیا ''۔ یہ بھی خوب رہی کہ ''آرزؔو مولوی فضل حق کا تخلص ہے''، علامہ عربی کے شاعر تھے جس میں بالعموم تخلص استعمال نہیں کیا جاتا، اردو میں آپ نے غالباً کبھی کچھ نہیں کہا، فارسی میں بھی بہت کم کہا مگر ''آرزؔو'' تخلص کبھی اختیار نہیں کیا، بلکہ سوانح نگاروں نے فارسی میں آپ کا تخلص ''فرقتی'' بیان کیا ہے۔ پھر ایک توجہ طلب پہلو یہ بھی ہے کہ کہاں تو علامہ کی یہ وقعت وعظمت تھی کہ ''علمائے عصر بل فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کر سکیں'' (سرسید) اور ''علم منطق کے پتلے اور افلاطون وسقراط وبقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے'' (جعفر تھانیسری) مگر علامہ نے شاہ اسماعیل دہلوی کا رد کیا کر دیا کہ اب یہ نوبت آ گئی کہ ''مومؔن خاں مناظرے میں غالب رہے''، اس لطیفے پر ہم علامہ کی جانب سے مومؔن خاں ہی کا یہ مصرعہ پڑھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ

مَیں وہی ہوں مومؔن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

پھر یہ بات بھی حیرت انگیز ہے کہ یہ قصہ خاں صاحب نے ''متعدد ثقات'' سے سنا مگر ایک کا بھی نام یاد نہیں رہا۔

علامہ فضل حق خیرآبادی کی توبہ: دراصل یہ اور اس قسم کی روایتیں اسی مہم کا حصہ ہیں جس کی طرف ہم نے حکیم محمود احمد برکاتی کے حوالے سے اشارہ کیا تھا، شاہ اسماعیل دہلوی کے مقابلے میں علامہ کو فروتر ثابت کرنے کی یہ مہم یہیں پر نہیں رکی بلکہ یہ سلسلہ یہاں تک دراز ہوا کہ بعض کرم فرماؤں نے علامہ کو شاہ اسماعیل دہلوی کی بارگاہ میں تائب ونادم بنا کر لا کھڑا کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آخری وقت میں علامہ فضل حق خیرآبادی اپنے اس فعل پر نادم تھے، شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں انہوں نے جو کچھ بھی لکھا اس سے توبہ کر لی تھی، اور فرماتے تھے کہ میں نے شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ سب ''بدایوں والوں'' کے بہکاوے میں آ کر لکھ دیا ورنہ میری تو شاہ اسماعیل دہلوی سے دوستی تھی۔ یہاں ہم ان روایتوں کا بھی تاریخی اور تنقیدی تجزیہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ حقیقت حال سامنے آ سکے۔ اس سلسلے میں اب تک ہماری نظر سے تین

روایتیں گزری ہیں:

(۱) ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب علامہ فضل حق خیرآبادی کو شاہ اسماعیل دہلوی کی وفات کی خبر ملی تو آپ کئی گھنٹے بیٹھے خاموش روتے رہے، اور شاہ اسماعیل دہلوی کی شان میں رطب اللسان رہے، فضل حسن بہاری ''الحیات بعد الممات'' میں لکھتے ہیں:

> جب مولوی اسماعیل دہلوی کی شہادت کی خبر پہنچی تو سناٹے کے عالم میں کئی گھنٹے خاموش بیٹھے روتے رہے، اور اس کے بعد فرمایا کہ اسماعیل کو ہم مولوی نہیں جانتے تھے، بلکہ وہ امت محمدیہ کا حکیم تھا، کوئی شے نہ تھی جس کی کیفیت اور لمّیت اس کے ذہن میں نہ ہو، امام رازی نے اگر حاصل کیا تو دود چراغ کھا کر اور اسماعیل نے محض اپنی قابلیت اور استعدادِ خداداد سے
>
> (الحیات بعد الممات، ص ۱۹۷، بحوالہ ضمیمہ باغی ہندوستان ص ۴۳۰)

(۲) مولانا اشرف علی تھانوی نے امیر شاہ خاں صاحب کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے، خاں صاحب کہتے ہیں مولوی عبدالرشید صاحب غازیپوری رامپور میں علامہ فضل حق خیرآبادی سے پڑھتے تھے، یہ مولوی عبدالرشید صاحب ایک مرتبہ کہیں جارہے تھے اتفاق سے راستے میں ان کے ایک دوست مل گئے، دوست نے ان سے کہا کہ چلو مولوی فضل حق صاحب کے یہاں چلتے ہیں تم مولانا اسماعیل دہلوی کے معتقد ہو آج تمہیں تمہارے استاذ مولانا فضل حق خیرآبادی سے مولانا اسماعیل دہلوی پر تبرا سنوائیں گے، انہوں نے کہا چلو، جب یہ دونوں وہاں جا کر بیٹھے تو مولوی عبدالرشید صاحب نے کہا کہ حضرت یہ مجھے یہ کہہ کر لائے ہیں کہ مولوی صاحب سے تمہیں مولوی اسماعیل پر تبرا سنواؤں گا، یہ سن کر علامہ فضل حق خیرآبادی نے فرمایا:

> اچھا اس غرض سے لائے ہیں اور یہ کہہ کر ان پر بہت ناخوش ہوئے اور فرمایا **میں اور مولوی اسماعیل پر تبرا کروں یہ نہیں ہوسکتا**، جو مجھ سے ہو چکا وہ **بھی بہکائے سکھائے سے ہوا تھا** اور اب تو وہ بھی نہیں ہوسکتا اور یہ کہہ کر ان کو اپنی مجلس سے اٹھوا دیا اور فرمایا کہ میرے یہاں کبھی نہ آنا۔
>
> (ارواح ثلاثہ: ص ۲۷۹)

(۳) اس سلسلے میں تیسری روایت مفتی عنایت احمد کاکوروی کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے، جزیرہ انڈمان میں اپنے زمانہ قید کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مفتی عنایت احمد کاکوروی فرماتے ہیں:

> مولوی فضل حق صاحب بہت نادم تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ سے سخت غلطی ہوئی ہے کہ میں نے مولوی اسماعیل صاحب کی مخالفت کی وہ بے شک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا، مجھ پر جو یہ مصیبت پڑی یہ میرے انہیں اعمال کی سزا ہے، میری مولوی اسماعیل سے دوستی تھی، اور میں بھی ان کے ساتھ شہید ہوتا مگر کیا کیا جائے بدایوں والوں نے ابھار کر ان سے بھڑا دیا اور علم کے غرہ میں حق کو باطل کرنے پر تل گیا تم لوگ گواہ رہنا کہ میں اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور اگر میں رہا ہو گیا تو اپنی توبہ شائع کروں گا
> (برصغیر پاک وہند کے چند تاریخی حقائق :ص ۱۶۱)

اس تیسری روایت کو محمد خالد سیف نے اپنی کتاب ''تذکرہ شہید'' (ص ۲۳۹) میں درج کیا ہے، اسی کے حوالے سے محمد تنزیل صدیق حسینی نے'' برصغیر پاک وہند کے چند تاریخی حقائق'' میں ذکر کیا ہے، اول الذکر کتاب ہمارے پیش نظر نہیں ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ محمد خالد سیف کا ماخذ کیا ہے، البتہ یہی روایت ڈاکٹر ثریا ڈار نے اپنے پی. ایچ. ڈی کے مقالے'' شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات'' (ص:۲۰۲) میں امیر الروایات کے حوالے سے نقل کی ہے، امیر الروایات کا جو ایڈیشن ہمارے پیش نظر ہے اس میں ہمیں یہ روایت نہیں ملی، ممکن ہے نسخوں کے فرق کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔

یہاں اصولی طور پر یہ بات ذہن نشیں رہنا چاہیے کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کا شاہ اسماعیل دہلوی سے نزاع کوئی وقتی جذباتیت کے زیر اثر پیدا نہیں ہوا تھا، علامہ نے جو موقف ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء میں اختیار کیا اس پر آخر وقت تک قائم رہے، اور نہ ہی اس اختلاف کو معاصرانہ چشمک کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا ہے، کیوں کہ علم وفضل کے جس میدان کے وہ شہسوار تھے، وہاں دہلی تو کیا پورے غیر منقسم ہندو پاک میں کوئی ان کا ہمسر نہیں تھا، اس لیے شاہ اسماعیل دہلوی کے خلاف جذبہ رقابت یا مسابقت کا امکان بھی نہیں تھا کہ بعد میں علامہ کو اپنے اس رویہ پر ندامت ہوتی، یہ

کوئی ایسا معاملہ بھی نہیں تھا کہ علامہ نے سنی سنائی بات پر اعتماد کر کے فتویٰ دے ڈالا اور بعد میں جب حقیقت حال واضح ہوئی تو نادم ہوئے، بلکہ علامہ کے سامنے شاہ صاحب کی تقویت الایمان اور رسالہ یک روزی تھیں، پھر دہلی کے مناظرے میں جو کچھ کہا سنا گیا وہ بھی علامہ کے سامنے تھا۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ علامہ نے شاہ صاحب کے اوپر جو حکم کفر عائد کیا وہ بھی معمولی نوعیت کا نہیں ہے، بلکہ اس حکم تکفیر کو اصطلاح میں ''تکفیر کلامی'' کہتے ہیں، ''تکفیر کلامی'' اس وقت تک نہیں کی جاتی جب تک قائل کفر کا التزام نہ کرلے، اور احتمال فی الکلام، احتمال فی المتکلم اور احتمال فی التکلم وغیرہ رفع نہ ہو جائیں، اور قائل کے کلام میں تاویل قریب یا تاویل بعید کسی قسم کی تاویل کا احتمال باقی نہ رہے، اس کے برخلاف ''تکفیر فقہی'' کے لیے محض کفر کا لزوم کافی ہوتا ہے، آپ تحقیق الفتویٰ والے حکم کفر کو غور سے ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ تکفیر تکفیر فقہی نہیں بلکہ تکفیر کلامی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم کفر شعوری طور پر تکفیر کلامی کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کے بعد عائد کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ہم ان روایتوں کا تاریخی تجزیہ کریں گے۔

پہلی روایت شاہ اسماعیل دہلوی کے انتقال کے وقت کی ہے، شاہ صاحب کا انتقال ۱۲۴۶ھ /۱۸۳۱ء میں ہوا، گویا ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں علامہ فضل حق خیر آبادی شاہ اسماعیل دہلوی کے غم میں آنسو بہا رہے ہیں اور ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہیں۔

دوسری روایت میں یہ صراحت ہے کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب مولوی عبدالرشید صاحب علامہ سے رامپور میں پڑھتے تھے، تاریخی طور پر یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ علامہ رامپور میں ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء سے لے کر ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء تک رہے ہیں، گویا ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء اور ۱۲۶۴ھ/ ۱۸۴۸ء کے درمیانی عرصے میں علامہ اس نتیجے پر پہنچ گئے تھے کہ ''میں اور مولوی اسماعیل پر تبرا کروں یہ نہیں ہوسکتا''، اب اگر تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کر دیا جائے کہ ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء کے بعد بھی شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں علامہ کے ''تحقیق الفتویٰ'' والے موقف میں کوئی فرق نہیں آیا تھا تو یہ روایتیں خود بخود بے وزن ہو جائیں گی، ہم یہاں کچھ تاریخی حقائق پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں پورے وثوق سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ آخر وقت تک شاہ

صاحب کے بارے میں علامہ کے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

(۱) شاہ اسماعیل دہلوی سے علامہ کا بنیادی اختلاف امکان کذب، امتناع نظیر اور مسئلہ شفاعت کے بارے میں تھا، مولوی عبدالستار نامی کسی صاحب نے سید حیدر علی ٹونکی کے ایک رسالے سے چند عبارتیں اخذ کر کے ایک استفتا مرتب کیا جو پندرہ سوالات پر مشتمل تھا ان میں سے اکثر سوالات مسئلہ امکان کذب اور امتناع نظیر سے متعلق ہیں، اس کے جوابات یا تو علامہ نے خود لکھے یا پھر ان کے شاگردنے لکھے اور علامہ نے ان کی تصدیق فرمائی، دیگر ۳۴ رعلما کے ساتھ اس پر علامہ کی مہر بھی موجود ہے، یہ فتویٰ ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں مطبع ہدایہ دہلی سے طبع ہوا، اس کو آپ پڑھیں تو اندازہ ہوگا کہ امکان کذب اور امتناع نظیر کے بارے میں اس میں وہی موقف اختیار کیا گیا ہے جو تحقیق الفتویٰ میں علامہ کا ہے، اس سے واضح ہے کہ ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء میں بھی علامہ اپنے اسی موقف پر قائم ہیں، پھر ۱۲۴۶ھ میں شاہ صاحب کی خبر وفات پر گھنٹوں رونے کا کیا جواز باقی رہتا ہے؟

(۲) ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء اور ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء کے درمیانی عرصے میں علامہ نے رسالہ امتناع النظیر تصنیف کیا، اس میں پھر اپنے اسی موقف کا اعادہ کیا، مزید یہ کہ شاہ اسماعیل دہلوی کی جس عبارت (اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے الخ) پر علامہ نے ان کی تکفیر کی تھی، سید حیدر علی ٹونکی نے اس میں تاویل کر کے شاہ صاحب کو بچانے کی کوشش کی، مگر علامہ نے رسالہ امتناع النظیر میں اس تاویل کو رد کر دیا اور اس عبارت کے کفری پہلو کو مزید وضاحت سے پیش کیا، امتناع النظیر زمانہ قیام رامپور کے بعد کی تصنیف ہے، اس کا مطلب ہے کہ رامپور سے جانے کے بعد بھی علامہ اپنے پرانے موقف پر قائم ہیں پھر اس بات پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ رامپور کے دوران قیام علامہ نے فرمایا کہ ''میں اور مولوی اسماعیل پر تبرا کروں یہ نہیں ہو سکتا''۔

(۳) اسی رسالہ امتناع النظیر میں علامہ کا وہ قصیدہ میمیہ بھی موجود ہے جس میں سید حیدر علی ٹونکی کی ہجو کے علاوہ شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں بھی اظہار خیال کیا گیا ہے، شاہ صاحب کے بارے میں چند اشعار یہ ہیں: (۲۲)

ترجمہ ملخصاً: کیا تم ایک نادان، شریر اور بد بخت کی تعریف کرتے ہو؟ جسے اللہ

کی طرف سے انتقام نے گھیر لیا ھے، اور ہٹ دھرمی سے، گمراہی میں پڑ کر
اور نادانی میں اس ذات گرامی کی شفاعت سے انکار کیا کہ ساری مخلوق جن کی
پناہ لیتی ھے، اور ایک ایسے مقام (قبر رسول ﷺ) کے لیے رخت سفر
باندھنے کو حرام قرار دیا جو بیت حرام سے بھی افضل ھے، اور اس نے اللہ کے
جھوٹ بولنے کو جائز کہا جب کہ جھوٹ باعث نقص وعیب ہے، اور ایسی ذات
بابرکات کے کمالات میں مثل کو جائز قرار دیا جن کے فضائل عظیم ہیں۔

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ شفاعت، امکان کذب اور امتناع نظیر کے بارے میں یہ قصیدہ لکھتے وقت بھی علامہ کا وہی موقف ہے جو وہ تحقیق الفتویٰ میں لکھ چکے ہیں، ان اشعار کے علاوہ بھی اس قصیدے میں تقریباً ۳۰/۳۵/ اشعار اور بھی ہیں جن میں شاہ اسماعیل دہلوی کے عقائد اور نظریات بیان کر کے ان کا رد کیا ہے، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یہ قصیدہ رسالہ امتناع النظیر کی تصنیف کے وقت (سنہ ۱۲۶۵ھ اور ۱۲۷۰ھ کے درمیانی عرصے میں) نظم کیا گیا جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ اس زمانے تک شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں علامہ کے نظریات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

(۴) ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۳ء میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے علم کلام میں ایک تحقیقی کتاب "المعتقد المنتقد" تصنیف فرمائی، اس کتاب میں تقریباً ہر پانچ دس صفحات کے بعد شاہ اسماعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان اور صراط مستقیم وغیرہ کی عبارتیں نقل کر کے اس کا رد کیا گیا ہے، مزید یہ کہ اس کتاب میں امتناع نظیر، امکان کذب اور شفاعت کے مسئلہ پر اسی موقف کا اعادہ کیا گیا ہے جو تحقیق الفتویٰ میں علامہ کا ہے، ☆ اس کے باوجود علامہ فضل حق خیر آبادی نے اس کتاب پر زوردار تقریظ تحریر فرمائی، اور یہاں تک لکھ گئے کہ:

اس (المعتقد) کے ذریعے انہوں نے مذہبی سچے عقائد اور گھٹیا فرقوں کی
لایعنی باتوں کے درمیان خط امتیاز کو روشن کیا، اور اس کے ذریعے معتزلہ اور
نجدیوں جیسے عقل کے اندھوں کے گھٹیا عیبوں کا پردہ فاش کیا ہے، چنانچہ اس

☆ دیکھئے: المعتقد المنتقد مسئلہ امتناع کذب باری ص ۵۶، مسئلہ امتناع نظیر ص ۱۰۹، ۱۱۰/ اور مسئلہ شفاعت ص ۱۱۶/ تا ۱۱۸

کے ذریعے انہوں نے حق کو بالکل واضح کردیا، اور ہر نجدی کو شکست خوردہ
اور زمیں بوس کردیا بلکہ ہلاک اور زیر لحد کردیا (**المعتقد المنتقد** :ص۴)

اگر شاہ صاحب کی وفات (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) یا رامپور کے زمانہ قیام (۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء سے لے کر ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء) میں شاہ اسماعیل دہلوی کے بارے میں علامہ کے خیالات میں تبدیلی آگئی ہوتی تو ۱۲۷۰ھ میں ان الفاظ میں المعتقد جیسی کتاب پر تقریظ لکھنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ ۱۲۷۰ھ تک علامہ کے خیالات میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

اگر آپ ان تمام تاریخی حقائق کی موجودگی کے باوجود انہی روایتوں کی صحت پر اصرار کریں تو پھر تو یہی کہا جائے گا کہ علامہ فضل حق خیر آبادی کوئی مستقل مزاج، پختہ رائے اور گہری نظر رکھنے والے عالم نہیں تھے، بلکہ ایسے غیر مستقل مزاج اور سطحی نظر والے تھے کہ دوسروں کے بہکائے سکھائے میں آکر ہر دو چار سال میں عقائد کے باب میں اپنا نظریہ تبدیل کرلیا کرتے تھے۔ ۱۲۴۰ھ میں شاہ اسماعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، اس کے چھ سال بعد ۱۲۴۶ھ میں شاہ صاحب کی یاد میں آنسو بہاتے ہوئے ان کو امت محمدیہ کا حکیم تسلیم کرلیا، رامپور کے زمانہ قیام میں شاہ صاحب پر تبرا کرنے کو برا سمجھ رہے ہیں اور اسی کے چند سال بعد شاہ صاحب کی ہجو میں قصیدہ نظم کررہے ہیں، ۱۲۷۰ھ میں شاہ صاحب کے رد میں لکھی جانے والی ''بدایوں والے'' کی کتاب پر بھرپور تقریظ تحریر فرمارہے ہیں اور اس کے چند سال بعد انڈمان میں بیٹھ کر شاہ صاحب کو حق پر سمجھتے ہوئے سارا الزام اسی بدایوں والے کے سر ڈال کر اپنی برأت ظاہر کررہے ہیں ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

تیسری روایت جو مفتی عنات احمد کاکوروی کے حوالے سے بیان کی گئی ہے، اس کا ماخذ امیر الروایات کو بتایا جاتا ہے، اس سے قطع نظر کہ ہمارے پیش نظر نسخے میں یہ روایت نہیں ہے، اگر ہو بھی تو اس کو بھی اسی اصولی نکتے کے تحت دیکھنا چاہیے جو ہم نے ابتدا میں بیان کیا اور پھر امیر الروایات کے قصے کس حد تک تاریخی طور پر قابل اعتماد ہیں وہ آپ دیکھ ہی چکے۔

پھر ایک لطف کی بات یہ ہے کہ اس تیسری روایت کے مطابق ''بدایوں والوں نے ابھار کر ان سے

بھڑا دیا''، بدایوں والوں سے مراد یہاں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی ذات ہی ہوگی، اس لیے کہ علامہ کے احباب میں اور کوئی ایسا ''بدایوں والا'' نظر نہیں آتا جس کے بہکائے سکھائے میں آکر آپ شاہ صاحب سے بھڑ جائیں۔

اولاً علامہ فضل حق خیرآبادی کسی ایسی شخصیت کا نام نہیں ہے جو کسی کے بہکاوے یا ابھارنے میں آکر کسی کے خلاف کفر کا فتویٰ دے ڈالے اور پھر فتویٰ بھی تکفیر کلامی کا جس میں انتہائی احتیاط اور تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے، دوسری بات یہ کہ اس روایت کا یہ جملہ بھی قابل غور ہے کہ ''تم لوگ گواہ رہنا کہ میں اپنے خیالات باطلہ سے توبہ کرتا ہوں اور اگر میں رہا ہو گیا تو اپنی توبہ شائع کروں گا''، اگر علامہ اپنی اسیری کے دوران رسالہ غدریہ اور قصائد لکھ کر بھیج سکتے ہیں تو کیا ایک صفحہ پر اپنا ''توبہ نامہ'' لکھ کر نہیں بھیج سکتے تھے کہ اس کو جا کر شائع کر دینا، جب کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ''مجھ پر جو یہ مصیبت پڑی یہ میرے انہیں اعمال کی سزا ہے''، یا پھر اتنی اہم بات کا تذکرہ رسالہ غدریہ اور قصائد میں بھی کیا جا سکتا تھا، ان میں نہ صرف یہ کہ ''توبہ'' جیسی کسی بات کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ آپ اس رسالے اور دونوں قصیدوں پر صرف ایک سرسری نگاہ ڈال لیں قدم قدم پر آپ کو علامہ ''تقویت الایمانی توحید'' کے خلاف جاتے ہوئے نظر آئیں گے، ان قصائد میں حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ندا بھی کی گئی ہے، ان سے استعانت بھی ہے، ان کا اور ان کے آل واصحاب کا واسطہ اور وسیلہ بھی اختیار کیا گیا ہے، اور طلب شفاعت بھی ہے، یہ تمام وہ امور ہیں جو شاہ اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان کی رو سے کھلے ہوئے شرک ہیں، ان میں سے بعض امور ایسے ہیں کہ جن کا مرتکب شاہ صاحب کی نظر میں ''ابوجہل کے برابر مشرک ہے''☆ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہ رسالہ اور قصائد علامہ نے وفات سے چند ماہ پہلے لکھے ہیں اور یہ علامہ کی آخری تحریر ہے، اب اس رسالے اور قصائد سے ہم کچھ مثالیں پیش کریں گے جس سے اندازہ ہوگا کہ علامہ کے بالکل آخری زمانے کے نظریات وخیالات اور شاہ اسماعیل دہلوی کے تقویت الایمانی نظریات وخیالات میں کتنا فرق ہے۔ مثال کے طور پر رسالے میں علامہ اللہ سے دعا کرتے

☆ شاہ اسماعیل تقویت الایمان میں لکھتے ہیں: ''سو جو کوئی کسی مخلوق کے ساتھ یہ معاملہ (پکارنا، منتیں ماننا ان کو اپنا وکیل وسفارشی سمجھنا) کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے'' تقویت الایمان ص ۷

ہوئے عرض کرتے ہیں:

وانادیہ متضرعاً بحبیبه الیه متذرعاً ترجمہ: اس کے حبیب کو وسیلہ بنا کر اور امیدوار رحمت ہو کر اس کی بارگاہ میں بصد تضرع التجا کرتا ہوں۔

(باغی ہندوستان، ص۸۲)

اسی میں آگے کہتے ہیں:

آمین بحرمة حبیبك الامان الامین واله المیامین وصحبه المحامین ترجمہ: اپنے حبیب امین اس کی آل طاہرین اور اس کے صحابہ محافظین دین کے صدقے میں ہماری سن لے۔(مرجع سابق ص۸۴)

اسی طرح قصیدہ ہمزیہ میں شعر نمبر ۱۱۲ر سے لے کر ۱۵۴ر تک ۴۳ر اشعار میں حضور اکرم علیہ السلام کی نعت اور ان کے آل واصحاب کی منقبت ایسے پیرائے میں نظم کی ہے جو شاہ اسماعیل دہلوی کی ''تقویت الایمانی توحید'' سے میل نہیں کھاتی، اس کے بعد ۱۵۵ویں شعر میں یوں استعانت اور طلب شفاعت کرتے ہیں: (۲۳)

ترجمہ: اے رحمت عالم اس شخص پر رحم کیجیے جس کے لیے زمانے میں کہیں رحم نہیں، میں آپ پر قربان، اس قیدی پر احسان فرمائیے جس پر نہ کوئی رحم کرنے والا ہے اور نہ اس کے پاس فدیہ واحسان ہے، ناامیدی اور تاخیر کے بغیر اس کی شفاعت فرمائیے، کیوں کہ زمین اور اس کے وسیع وعریض اطراف واکناف اس کے لیے تنگ ہو چکے ہیں۔(باغی ہندوستان ص۱۰۰ر۱۰۱)

اس کے بعد پھر ۱۵۸ر سے لے کر ۱۶۱ر تک ۴ر شعر اسی قسم کی استعانت اور طلب رحمت پر مشتمل ہیں۔ اسی طرح دوسرے قصیدے میں ۴۷ویں شعر میں یوں اللہ سے دعا کرتے ہیں: (۲۴)

ترجمہ: اے پروردگار اس عاجز وخستہ کو ستودہ صفات احمد وحماد ﷺ کے طفیل کافر دشمنوں کے چنگل سے نکال (باغی ہندوستاں، ص۱۱۴ر۱۱۵)

اس کے بعد پھر ۱۸ر اشعار نعت رسول اور منقبت آل واصحاب پر مشتمل ہیں، یہ بھی ایسے ہیں کے شاہ اسماعیل دہلوی کے نظریہ توحید سے لگّا نہیں کھاتے، اس کے بعد ۹۳ر ویں شعر میں اس طرح

حضور ﷺ کی بارگاہ میں استعانت کرتے ہیں:(۲۵)

ترجمہ: اے مخلوق کے سردار، اور اخلاق میں سب سے بہتر، امیدوں کے بہترین سہارے، اور تمام اہل سخاوت سے بلند مرتبہ رکھنے والے، میں آپ پر قربان، مجھ پر رحم فرمایے اور مجھے بخشش سے نوازیے، اپنی عطا سے میری مشقتوں اور غموں کی تلافی کیجیے، اے جود وعطا کے مالک مجھ پر رحم کرتے ہوئے خدا سے میری سفارش کیجیے کہ مجھے جلاوطنی اور قید تنہائی کی مصیبت وآزمائش سے نجات دے (باغی ہندوستاں، ص ۱۱۶ر تا ۱۱۹ر)

کیا ان اشعار کے بارے میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کے قلم سے نکلے ہوں گے جو تقویت الایمان کے مندرجات سے اتفاق رکھتا ہو، اس کے مصنف کو حق پر سمجھتا ہو؟ اور مصنف تقویت الایمان کی مخالفت پر نادم بھی ہو؟

اب اس بحث کے آخر میں یہ لطیفہ بھی سن لیں کہ یہ رسالہ اور یہ قصائد انڈمان سے اور کوئی نہیں بلکہ خود مفتی عنایت احمد کاکوروی صاحب لے کر آئے تھے جو بقول شخصے اپنے ساتھ یہ خبر بھی لائے کہ ''مولوی فضل حق صاحب بہت نادم تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ سے سخت غلطی ہوئی ہے کہ میں نے مولوی اسماعیل صاحب کی مخالفت کی وہ بے شک حق پر تھے اور میں غلطی پر تھا''۔

چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد

علامہ فضل حق اور شاہ اسماعیل دہلوی کے درمیان نزاع کا احوال آپ نے ملاحظہ کیا، شاہ صاحب کے بارے میں علامہ کا سخت موقف اور رویہ بھی آپ نے خود علامہ کی تحریروں سے ہی دیکھ لیا، جس سے ان دونوں حضرات کے درمیان اختلاف کی نوعیت واضح ہوگئی، لیکن اس کے باوجود بعض محققین نے شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے درمیان ہونے والی معرکہ آرائی کو محض علمی اور فقہی اختلاف ثابت کرنے کی سعی کی ہے، جس سے ہمیں اتفاق نہیں ہے ،لہٰذا اس بحث کے آخر میں ان اہل قلم کی اس کوشش کا علمی تجزیہ بے محل نہیں کہا جا سکتا۔ قدیم وجدید بہت سے اہل قلم نے یہ بات لکھی ہے، مثال کے طور پر سید عبدالباقی سہسوانی لکھتے ہیں:

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید اور مولانا فضل حق صاحب سے چند مسائلِ

اعتقادی امکان نظیر وغیرہ میں تحریری بحثیں ہوئیں اور ایک مدت تک باہم چھیڑ چھاڑ عالمانہ رہی۔ مولانا نے دلائل منطقیانہ وفلسفیانہ بہت صرف کیے۔ مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید نے رسالہ ''یک روزیہ'' میں ان کا ردوابطال کیا۔ فریقین میں کسی نے اپنے مخالف کی تکفیر وتفسیق نہیں کی۔ (حیات العلما: ص ۴۰)

اس سلسلے میں سید عبدالباقی سہسوانی معذور ہیں کیوں کہ حیات العلما کی تالیف کے زمانے تک علامہ کی کتاب تحقیق الفتویٰ شائع نہیں ہوئی تھی☆ اگر وہ تحقیق الفتویٰ دیکھ لیتے تو یہ نہ لکھتے کہ ''فریقین میں کسی نے اپنے مخالف کی تکفیر وتفسیق نہیں کی''، سید عبدالباقی کی یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ علامہ فضل حق نے ''دلائل منطقیانہ وفلسفیانہ بہت صرف کیے''، اور شاہ اسماعیل نے ''رسالہ یک روزیہ میں ان کا ردوابطال کیا'' اس عبارت کے بین السطور سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں ایک تو یہ کہ علامہ فضل حق کے پاس محض منطقی وفلسفی دلیلیں تھیں، کتاب وسنت کے دلائل سے ان کا دامن خالی تھا، دوسرے یہ کہ شاہ صاحب نے رسالہ یک روزی لکھ کر بحث کو آخری حد تک پہنچا دیا، حالانکہ تحقیق الفتویٰ کے موادعلمیہ کا تجزیہ کر کے ہم دکھا چکے ہیں کہ علامہ نے کس طرح کتاب وسنت اور ائمہ کے حوالوں سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے، رسالہ یک روزی کے دلائل نقلی وعقلی پر علامہ نے جو گرفتیں کی ہیں وہ بھی آپ کے سامنے ہیں، اب آپ سید صاحب کے اس فرمان کی قدر وقیمت خود ہی متعین کر لیں۔

درحقیقت علامہ اور شاہ اسماعیل کے درمیان ہونے والا اختلاف اس قدر دقیق علمی نکات پر مشتمل ہے کہ اس کی تہہ تک پہنچنا ہر کس وناکس کے بس میں نہیں ہے، جب تک علم کلام وعقائد کی اصطلاحات سے گہری واقفیت اور اصول شرعیہ وفقہیہ پر خاطر خواہ نظر نہ ہو اس اختلاف کی نزاکت، اہمیت، اور حساسیت تک آدمی کی رسائی نہیں ہوسکتی، اسی لیے وہ حضرات جن کی نظر علوم دینیہ میں گہری اور پختہ نہیں ہوتی وہ عام طور پر غلط فہمی کا شکار ہوجاتے ہیں، پھر دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے اہل قلم اور محققین جو اس نزاع کے سلسلے میں بے دھڑک اپنی رائے کا اظہار

☆ حیات العلما کے مرتب ومدون ڈاکٹر حنیف نقوی کے بقول ''حیات العلما کی تسوید وترتیب کا کام سنہ ۱۹۱۴ء کے اوائل میں شروع ہوا اور سنہ ۱۹۱۹ء کے ربع ثالث میں اختتام کو پہنچا''، دیکھیے: مقدمہ حیات العلما از مرتب ص ۱۸۔

کررہے ہیں ان کی نظر سے تقریر اعتراضات، رسالہ یک روزی، تحقیق الفتویٰ اور رسالہ امتناع النظیر نہیں گزرا، گویا انہوں نے براہ راست اصل ماخذ کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ مسلکی فرقہ بندیوں کے زمانے میں لکھے جانے والے تیسرے اور چوتھے درجے کے ماخذ و مراجع پر اعتماد کرلیا، عام اہل قلم کو جانے دیجیے کم از کم اہل تحقیق کا تو یہ شیوہ نہ ہونا چاہیے، معروف صحافی اور معاصر قلم کار جناب شمیم طارق کی یہ بات ہمیں پسند آئی کہ جب ان کی کتاب ''غالب اور ہماری تحریک آزادی'' کے رد میں بعض ایسے لوگوں نے تبصرے لکھے جو اس اہم ادبی مسئلہ پر رائے زنی کی خاطر خواہ اہلیت نہیں رکھتے تھے تو شمیم طارق نے ان کے ان تبصروں کو درخور اعتنا نہیں سمجھا، کیوں کہ بقول شمیم طارق ''یہ تبصرے ایسے لوگوں کے لکھے ہوئے تھے جن کا غالبؔ، عہد غالب اور غالبیات سے تعارف ابھی باقی ہے''، مگر ہمیں افسوس ہے کہ اسی کتاب میں علامہ فضل حق اور شاہ اسماعیل کے اختلاف پر کلام کرتے ہوئے خود شمیم طارق اس زریں اصول پر کاربند نہ رہ سکے، اگر کوئی محقق علامہ فضل حق اور شاہ اسماعیل کے دقیق علمی اور شرعی اختلاف پر اظہار رائے کا حوصلہ کرے تو کم از کم فضل حق، تصانیف فضل حق اور خیرآبادیات سے اس کا خاطر خواہ تعارف ہونا ضروری ہے، غالبؔ کے چند خطوط میں علامہ کا ذکر اور حالیؔ کی ''یادگار غالب'' کے دو چار واقعات ''فضل حق شناسی'' کے لیے مطلوبہ بنیاد فراہم نہیں کرتے، علامہ اور شاہ اسماعیل دہلوی کے اختلاف کے بارے میں شمیم طارق لکھتے ہیں:

> اس قسم کے علمی فقہی نوعیت کے اختلاف کو جن لوگوں نے عوامی انتشار پھیلانے کے لیے استعمال کیا ہے وہ دراصل انگریزوں کے ہمنوا و معاون تھے، اور چاہتے تھے کہ عوام میں جذبہ جہاد پیدا کرکے انہیں انگریزوں کے خلاف میدان جنگ میں اتارنے والے علما کو اتنا بدنام کردیں کہ وہ ان کی آواز پر کان نہ دھریں، اسی لیے مولانا فضل حق خیرآبادی اور شاہ اسماعیل شہید کو ایک دوسرے کے مخالف کے طور پر پیش کیا جاتا رہا حالانکہ یہ دونوں ایک ہی نسبی اور علمی سلسلہ کی کڑی تھے، اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کوئی کدورت نہیں تھی، دونوں کے درمیان بعض علمی اور اعتقادی

مسائل میں اختلاف ضرور پیدا ہوئے لیکن یہ ایسے اختلافات نہیں تھے جن کو ذاتی یا شخصی اختلاف کی شکل میں پیش کیا جاتا ایسے اختلافات تو غالب اور مولانا فضل حق میں بھی تھے، حالی کا بیان ہے کہ مولانا فضل حق مرحوم مرزا کے بڑے گاڑھے دوست تھے۔(غالب اور ہماری تحریک آزادی: ص ۴۰)

اس کے بعد حالؔی کی یادگار غالب کے حوالے سے غالب کی اس مشہور مثنوی کا ذکر کرتے ہیں جس میں انہوں نے علامہ کے کہنے سے امتناع نظیر کا مسئلہ بیان کیا تھا، اس کے بعد لکھتے ہیں:

علمی اور اعتقادی مسائل میں اختلافات کے باوجود جب مولانا فضل حق خیرآبادی اور غالب کی گہری دوستی تسلیم کی جاتی رہی ہے تو مولانا فضل حق اور شاہ اسماعیل شہید کے علمی فقہی اختلافات کو ان کے رشتہ اخلاص کے رد میں کیوں کر پیش کیا جاسکتا ہے۔(مرجع سابق، ص ۴۱)

اس پر ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ علامہ اور شاہ اسماعیل کے نزاع کے سلسلہ میں یہ رائے فضل حق، تصانیف فضل حق اور خیرآبادیات سے تعارف حاصل کیے بغیر نوک قلم پر آ گئی ہے، ورنہ ان دونوں حضرات کے درمیان ''رشتہ اخلاص'' کا حال آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں، ہم محترم شمیم طارق کو علامہ فضل حق کی تحقیق الفتویٰ اور شاہ اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں، علامہ کے قصائد فتنۃ الہند کا ترجمہ شمیم طارق نے اپنی اسی کتاب میں شامل کیا ہے، آپ شاہ اسماعیل دہلوی کی تقویت الایمان کے آئینہ میں علامہ کے ان قصائد ہی کو دیکھ لیں تو علامہ فضل حق پرلے درجے کے بدعتی اور ابوجہل کے برابر مشرک نظر آئیں گے اور اگر آپ تحقیق الفتوی کی روشنی میں تقویت الایمان کا مطالعہ کریں تو شاہ اسماعیل کافر، بے دین اور واجب القتل نظر آئیں گے، گویا جس چیز کو شاہ اسماعیل دہلوی اعلیٰ توحید قرار دیتے ہیں وہ علامہ کے نزدیک اہانت رسول ہے جو کفر ہے، اور جس کو علامہ عین حب رسول سمجھ رہے ہیں وہ شاہ صاحب کے نزدیک کھلا ہوا شرک ہے، لہٰذا خوامخواہ اس اعتقادی اختلاف کو محض علمی اور فقہی اختلاف قرار دینا دیانت علمی کے خلاف یا پھر اصل اختلاف سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

ہم پرفیسر یوسف سلیم چشتی (خلیفہ اشرف علی تھانوی) کے اس جملے پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ ''جب تک فضل حق شامل نہ ہوانسان مولانا فضل حق کے مرتبے سے آگاہ نہیں ہوسکتا''۔

مولوی امیر احمد سہسوانی اور مسئلہ امکان نظیر: مولوی امیر احمد سہسوانی ☆ نے مسئلہ امکان نظیر سے متعلق ایک رسالہ علامہ فضل حق کی تردید اور شاہ اسماعیل کی حمایت میں بنام نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل تصنیف کیا، مولوی امیر احمد سہسوانی کے اس رسالے کی وجہ تالیف کے بارے میں سید عبدالباقی سہسوانی (م:۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء) نے ایک عجیب کہانی لکھی ہے، درایتی اصول اور قرائن وشواہد کی روشنی میں اس کہانی کو بعینہٖ قبول کرنا ذرا مشکل ہے، سید عبدالباقی سہسوانی مولوی امیر احمد سہسوانی کے تذکرے کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> حضرت شمس العلماء (امیر احمد سہسوانی) جب بتقریب نکاح اول قصبہ خیرآباد میں میر محمد حسن خان بہادر سہسوانی کے مکان پر فروکش تھے مولانا محمد عبدالحق بن مولانا محمد فضل حق خیرآبادی سے ملاقی ہوئے، اور باہم آمد ورفت رہی، مولانا خیرآبادی کے بعض تلامذہ ممتاز بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، ایک صحبت میں آپ نے باثنائے تذکرہ علم وفضل مولانا فضل حق مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید کے مقابلے میں ان کی نفسانیت وتعصب اور کمزوری بیان فرمائی، یہ واقعہ جب مولانا (عبدالحق خیرآبادی) کے گوش زد ہوا تو نہایت بر افروختہ ہوئے اور باہم کشیدگی پیدا ہوگئی، آپ (امیر احمد سہسوانی) نے اپنے اثبات مدعا میں ایک رسالہ مبسوط مسمیٰ ''نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل''، مسئلہ امکان نظیر میں مولانا فضل حق کے رسالے کا رد لکھا اور ان کے خلف الرشید موصوف کی خدمت میں بتوسط بعض اعیان رؤسا بھیجا، مگر صدائے برنخواست کا مضمون دیکھ کر بعد انتظار بسیار کتاب ہدیہ سعیدیہ وغیرہ مصنفات مولانا فضل حق پر دس اعتراضات منطقیانہ وفلسفیانہ فوری تحریر فرما کر روانہ

☆ مولوی امیر احمد سہسوانی (وفات:۱۳۰۶ھ/۸۹-۱۸۸۸ء) نے اپنے والد میاں امیر حسن سہسوانی اور دیگر علما سے تحصیل علم کی، عقائد ونظریات میں شاہ اسماعیل دہلوی سے متاثر تھے، آگرہ میں انگریز کی ملازمت کی اور شمس العلما کا خطاب پایا۔

کیے،اور متقاضی جواب ہوئے،اس کے بعد متعدد مقامات پر آپ نے بوساطت اعیان رؤسا مثلاً دہلی میں موقع دربار ۱۸۷۷ء اور لکھنؤ وآگرہ میں مولانا (عبدالحق خیرآبادی) سے مطالبہ تحریر جوابات کیا اور ریاست رامپور میں بھی تحریک بحث ومناظرہ کی اور اعتراضات متعلق فن معقول رسالہ مطبوعہ ''تلک عشرۃ کاملہ'' میں مولوی سید محمد نذیر مرحوم نے جمع فرما کر شائع کیے۔

(حیات العلما:ص۶۴)

مولوی امیر احمد سہسوانی نے علامہ فضل حق خیرآبادی کی جو'' نفسانیت وتعصب اور کمزوری بیان فرمائی'' اس پر تو ہمیں کوئی حیرت نہیں البتہ یہ بات اپنے اندر تعجب خیز ضرور ہے کہ مسئلہ امکان نظیر میں علامہ فضل حق خیرآبادی کے رد میں سہسوانی صاحب نے ''نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل'' کے نام سے ایسا محققانہ رسالہ تصنیف فرمایا کہ ''صدائے برنخواست'' کا مضمون سامنے آگیا،لیکن جب یہی مولوی امیر احمد سہسوانی (اس رسالے کی تصنیف سے کچھ عرصہ قبل) اسی مسئلہ امکان نظیر میں علامہ فضل حق خیرآبادی کے شاگرد مولانا عبدالصمد سہسوانی کے روبرو ہوئے تو اس نوخیز خیرآبادی فاضل کے سامنے اپنے عقیدے کو کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت نہ کر سکے☆۔

پھر لطف کی بات تو یہ ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے درمیان یہ بات متفق علیہ تھی کہ حضورﷺ کی نظیر اور مثل نہ موجود ہے نہ ہوسکتی ہے،اختلاف اس بات میں تھا کہ نظیر کیوں نہیں ہوسکتی؟ علامہ کے نزدیک نظیر ممتنع بالذات ہے اس لیے نہیں ہوسکتی،شاہ صاحب کے نزدیک ممتنع بالغیر ہے اس لیے نہیں ہوسکتی،مگر مولوی امیر احمد سہسوانی نے ایک تیسری راہ نکالی

☆ اس گفتگو کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ ۲رذی الحجہ ۱۲۸۹ھ رجنوری ۱۸۷۳ء کو خیرآباد ضلع سیتاپور میں منشی برکت علی خاں مرحوم کے مکان پر مولانا عبدالصمد سہسوانی اور مولانا امیر احمد سہسوانی کے درمیان اسی مسئلہ امکان نظیر پر مناظرہ منعقد ہوا،جس کی روداد ایک عینی گواہ نعمان احمد نے ''مناظرہ صمدیہ'' کے نام سے اسی زمانے میں شائع کردی تھی،اس روداد میں محفل مناظرہ میں موجود مندرجہ ذیل حضرات کے تائیدی دستخط موجود ہیں کہ یہ مناظرہ ہماری موجودگی میں ہوا اور روداد بالکل درست ہے،غلام محمد ہادی خاں لکھنوی،سید عزیز احمد سہسوانی،شیخ علی احمد،لطف حسین،محمد عبدالغنی وکیل عدالت،مراد علی،ولایت علی،محمد جعفر متولی،محمد ابرار حسین وغیرہ۔دیکھیے مناظرہ صمدیہ:ص۱۲رتا۱۵۔

کہ مثل کے ممکن یا ممتنع ہونے کی بات تو درکنار بلکہ:

''میرا عقیدہ یہ ہے کہ چھ آدمی مثل جناب رسول مقبول ﷺ کے فقط ختم نبوت میں اور چھ زمینوں میں موجود و متحقق ہیں'' (مناظرہ صمدیہ: ص ۶)

ان کے والد میاں امیر حسن سہسوانی نے ایک قدم اور ترقی کی اور ۶ رکی بجائے ۷ رامثال کے قائل ہوگئے، اثر ابن عباس نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

یہ حدیث فتح الباری شرح صحیح بخاری، اور تفسیر درمنثور، اور شعب الایمان وغیرہا میں موجود ہے پس اس صورت میں امکان مثل کیا بلکہ سات مثل موجود و متحقق عالم میں ہیں (افادات ترابیہ: ص ۴۲)

والد و فرزند کا یہ موقف خود شاہ اسماعیل دہلوی کے موقف کے خلاف ہے،☆ شاہ اسماعیل لکھتے ہیں: (۲۶)

ترجمہ: اس مقام پر اسی قدر ثابت کرنا مقصود ہے کہ مثل مذکور قدرت الٰہیہ کے تحت داخل ہے، مثل مذکور کے وقوع کو ثابت کرنا مقصود نہیں ہے (رسالہ یک روزی: ص ۱۳۸)

اسی رسالے میں آگے لکھتے ہیں: (۲۷)

ترجمہ: اگر معترض (فضل حق) کا مقصود یہ ہے کہ مثل مذکور کا وقوع بالفعل مستلزم کذب نص ہے، تو یہ بات مسلم ہے، مگر کسی شخص نے مثل مذکور کے وقوع بالفعل کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ (رسالہ یک روزی: ۱۴۴)

اسی طرح جب علامہ نے کہا کہ مثل مذکور مستلزم کذب باری ہے تو اس کے جواب میں شاہ اسماعیل نے لکھا: (۲۸)

ترجمہ: ہاں البتہ مثل مذکور کے وقوع کا قول کرنا کذب باری کو جائز ماننا ہے معاذ اللہ من ذلک، رہا مثل مذکور کے امکان کا قول کرنا پس وہ کذب باری

☆ ان والد و فرزند کو اپنے اس موقف پر اتنا اصرار تھا کہ اسی مسئلہ شش مثل پر مولوی امیر احمد سہسوانی اور تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی کے درمیان سنہ ۱۲۸۸ھ میں شیخوپور ضلع بدایوں میں مناظرہ بھی ہوا تھا، والد و فرزند کے اس موقف کی تردید میں کم و بیش ایک درجن مطبوعہ رسائل کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہیں۔

کے امکان کو مستلزم نہیں ہے (رسالہ یک روزی:۱۴۴)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ساری بحث امکان نظیر کی ہے، وقوع یا اثبات نظیر کو شاہ اسماعیل بھی غلط قرار دے رہے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک بھی نظیر خاتم النبیین ﷺ بہر حال ممتنع بالغیر ہے، لہٰذا میاں امیر احمد سہسوانی کے نقطۂ نظر سے علامہ فضل حق اور شاہ اسماعیل دونوں کا موقف غلط ہے، پھر مسئلہ امتناع نظیر میں صرف علامہ فضل حق کے رسالے کا رد لکھنے کا کیا معنی؟ میاں امیر احمد کو علامہ کے ساتھ ساتھ شاہ اسماعیل کے رسالہ یک روزی کا بھی رد لکھنا چاہیے تھا، سہسوانی صاحب کے زیر بحث رسالے کے نام (نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں شاہ اسماعیل کا دفاع کیا گیا ہے، مگر یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ جب مسئلہ امکان نظیر میں آپ کے نزدیک شاہ اسماعیل کا موقف بھی غلط ہے تو اس مسئلہ میں آپ نے ان کا دفاع کیسے کیا ہوگا؟ بہر حال جب تک سہسوانی صاحب کا رسالہ ''نقض الاباطیل فی الذب عن الشیخ اسماعیل'' سامنے نہ ہو اس وقت تک سید عبدالباقی کے اس بیان کو من وعن تسلیم کرنا ذرا مشکل ہے کہ میاں امیر احمد سہسوانی نے مسئلہ امکان نظیر میں مولانا فضل حق خیر آبادی کا رد کرتے ہوئے ایسا محققانہ رسالہ تصنیف فرمایا کہ صدائے برنخواست کا مضمون سامنے آ گیا۔

اس روایت کے مطابق ہدیہ سعیدیہ وغیرہ پر مولوی امیر احمد سہسوانی نے جو ''منطقیانہ اور فلسفیانہ اعتراضات'' فوری تحریر فرما کر روانہ کیے تھے، سید عبدالباقی سہسوانی کے بیان سے ایسا لگتا ہے کہ وہ بھی لاجواب رہے، مگر آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے کہ مفتی سعداللہ مرادآبادی نے ہدیہ سعیدیہ پر کچھ اعتر ضات کیے تھے ان کے جواب میں ایک نہیں بلکہ تین تین فضلاے خیر آباد نے قلم اٹھایا اور ان کے معقول جوابات دے دیے، لہٰذا یہ باور کرنا ذرا مشکل ہے کہ مولوی امیر احمد سہسوانی کے اعتراضات کے جواب میں کوئی خیر آبادی فاضل سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکا، جب کہ یہ وہ وقت تھا کہ خیر آبادی سلسلہ کے جید علما اور بہترین دماغ موجود تھے، یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ معقولات میں مولوی امیر احمد سہسوانی کا وہ علمی مقام و مرتبہ نہیں تھا جو مفتی سعداللہ مرادآبادی کو حاصل تھا، جب مفتی سعداللہ جیسے معقولی کے اعتراضات کو فضلائے خیر آباد نے پر کاہ کے برابر اہمیت نہیں دی تو بھلا مولانا امیر احمد سہسوانی کے اعتراضات کی ان کے سامنے کیا وقعت

ہوتی، بہرحال ان کا رسالہ ''تلک عشرۃ کاملہ'' ہمارے سامنے نہیں ہے کہ ان کے اعتراضات دیکھ کر ان کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جائے، ہاں البتہ یہاں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ مولوی امیر احمد سہسوانی کے ان دس اعتراضات کو مرزا حیرت دہلوی نے ۱۳۰۰ (تیرہ سو) اعتراضات قرار دے دیا، حیات طیبہ میں لکھتے ہیں کہ:

> مولانا فضل حق کی نظم ونثر پر مولوی امیر احمد صاحب مرحوم نے تیرہ سو اعتراض کیے تھے، اور مولانا سید احمد رامپوری نے ان ۱۳/سو اعتراضات کو ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر کے اس کا نام تیرہ صدی رکھا تھا
>
> (حیات طیبہ ص ۱۰۰، بحوالہ فضل حق اور سن ستاون: ص ۱۱۷)

اس پر حکیم محمود احمد برکاتی نے راست تنقید فرمائی کہ:

> مرزا حیرت کا یہ بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ حقیقت میں مبالغے کا عنصر شامل کر دینے میں چابک دست واقع ہوئے تھے، واقعہ یہ ہے کہ ایک اہل حدیث عالم شمس العلما مولوی امیر احمد سہسوانی نے مولانا فضل حق کی کتاب الہدیۃ السعیدیہ وغیرہ پر دس اعتراضات ''تلک عشرۃ کاملہ'' کے نام سے ایک رسالہ میں لکھے تھے، اور مولوی سید محمد نذیر نے رامپور میں یہ رسالہ طبع کرایا تھا، دس کو تیرہ سو لکھ کر مرزا حیرت نے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی تحریر میں صداقت کا عنصر ۳۰۰/۱ ہوتا ہے۔ (مرجع سابق: ۱۱۷)

☆☆☆

علامہ فضل حق خیرآبادی اور سید حیدر علی ٹونکی

یہ ہم پیچھے لکھ آئے ہیں کہ تحقیق الفتویٰ کے منظر عام پر آنے کے چند ماہ بعد شاہ اسماعیل دہلوی دہلی سے روانہ ہو گئے تھے، اور ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء میں ان کا انتقال ہوا، لہٰذا تحقیق الفتویٰ کا کوئی جواب اس وقت منظر عام پر نہیں آ سکا، شاہ صاحب کے انتقال کے تقریباً ۲۰/ برس بعد سید حیدر علی ٹونکی ☆ میدان میں آئے، اور انہوں نے تحقیق الفتویٰ کے جواب میں ایک رسالہ تصنیف کیا، یہ رسالہ اب تک ہماری نظر سے نہیں گزرا، اور نہ ہی اس کا نام معلوم ہو سکا، ☆☆ سید حیدر علی ٹونکی کے اس رسالے کا ایک جواب علامہ کے شاگرد مولانا شاہ عبدالحق کانپوری (وفات: ۱۳۱۲ھ/

☆ سید حیدر علی ٹونکی بن عنایت علی بن فضل علی الحسینی تیرہویں صدی کے اوائل میں دہلی میں پیدا ہوئے، مولوی عبدالرحمٰن قہستانی، مولوی غلام جیلانی رامپوری، مولوی رستم علی رامپوری، اور مولانا مبین بن محبّ اللہ فرنگی محلی وغیرہ سے اخذ علم کیا، سند حدیث شاہ رفیع الدین (بعض تذکرہ نگاروں کے بقول شاہ عبدالعزیز دہلوی) سے حاصل کی، ایک زمانے تک رامپور میں قیام پذیر رہے اس لیے رامپوری کہلائے، بعد میں ایک مدت تک ریاست ٹونک میں طبابت اور تدریس کی اس لیے ٹونکی مشہور ہوئے، سید احمد رائے بریلوی کے مرید و خلیفہ تھے اس لیے شاہ اسماعیل دہلوی کے پرزور حامی رہے، علامہ فضل حق خیرآبادی اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے رد میں رسائل تصنیف کیے، ۱۲۷۲ھ/۱۸۶۵ء میں انتقال ہوا (صاحب نزہۃ الخواطر نے سنہ وفات ۱۲۷۳ھ لکھا ہے) تفصیل کے لیے دیکھیے: نزھۃ الخواطر: ج ۷/ص ۱۷۲/۱۷۳، تذکرہ علمائے ہند: ص ۱۷۴/۱۷۵ ، تذکرہ کاملان رامپور: ص ۱۱۸/۱۱۹۔

☆☆ ہمارے بعض بزرگ محققین نے سید حیدر علی ٹونکی کے اس رسالے کا نام "صیانۃ الناس من وسوسۃ الخناس" تحریر کیا ہے، مگر ہمیں اس میں قدرے تأمل ہے، ابجد العلوم، نزہۃ الخواطر اور تذکرہ علمائے ہند میں ٹونکی صاحب کی تصانیف کے ذیل میں صیانۃ الناس نامی کسی رسالے کا ذکر نہیں ہے، البتہ مذکورہ تینوں کتابوں میں ایک رسالے صیانۃ الاناس کا ذکر کیا گیا ہے، مگر صیانۃ الاناس علامہ فضل حق کی تحقیق الفتویٰ کے جواب میں نہیں بلکہ مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کی کتاب فصل الخطاب (مقولات عشر) کے جواب میں لکھا گیا تھا، یہ رسالہ ہمارے پیش نظر ہے، جو فخر المطابع سے ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوا ہے، ممکن ہے کہ صیانۃ الاناس اور صیانۃ الناس دو الگ الگ رسالے ہوں، پہلا فصل الخطاب کا جواب اور دوسرا تحقیق الفتویٰ کا رد، اور یہ بھی ممکن ہے کہ صیانۃ الاناس ہی کو صیانۃ الناس سمجھ لیا گیا ہو، دوسرا احتمال زیادہ قرین قیاس ہے۔

۱۸۹۴ء۱۸۹۵ء) نے دیا، مولوی عبدالستار ''فتویٰ تکفیر'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

مولوی حیدر علی ٹونکی نے بعد مدت دراز اس کا جواب لکھ کر آپ (خود) کو رسوا کیا، فضیلت پناہ کمالات دستگاہ مولوی شاہ عبدالحق صاحب خلف الصدق حقائق آ گاہ معارف پناہ جناب عبدالرسول صاحب کانپوری سلمہما اللہ نے کہ شاگرد خاص ہیں جناب ہدایت مآب صاحبِ تحقیق الفتویٰ کے رد جواب جیسا چاہیے ویسا لکھا (تحقیق الفتویٰ: ص۲۵۲)

مولانا عبدالحق کانپوری کا یہ رسالہ بھی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

مولانا شاہ عبدالصمد سہسوانی (وفات: ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید حیدر علی ٹونکی نے تحقیق الفتویٰ کے جواب میں دو رسالے لکھے تھے، ایک مختصر جس کا جواب بدایوں سے دیا گیا اور دوسرا قدرے تفصیلی جس کا جواب مولانا عبدالحق کانپوری نے دیا، لکھتے ہیں:

بعد مدت دراز مولوی حیدر علی نے ایک رسالہ مختصرہ صغیرہ بنام نہاد جواب تحقیق الفتویٰ کے لکھا کہ وہ رسالہ بتوسط منشی اظہار حسین صاحب سہسوانی کے بدایوں میں پہنچا اور جواب اس کا لکھا گیا کہ بتوسط اہل سہسوان مولوی حیدر علی کے پاس پہنچا اور انہوں نے جواب اس کا تو نہ لکھا مگر بعد مدت پھر تحقیق الفتویٰ کا جواب کبیر لکھا اور اس میں اکثر اعتراضات مولوی فضل حق صاحب سے کلام مولوی اسماعیل پر سکوت کیا چند اعتراضوں کا جواب پریشان دیا، مولوی عبدالحق صاحب بن شاہ عبدالرسول صاحب کانپوری تلمیذ مولوی فضل حق صاحب نے اس کا جواب نہایت بسط کے ساتھ لکھا، اس کا جواب بھی مولوی حیدر علی یا ان کے اتباع سے نہ ہو سکا۔ (افادات صمدیہ: ص۱۹/۲۰)

سید حیدر علی ٹونکی کے رسالہ صغیرہ کے جواب میں بدایوں سے جو رسالہ لکھا گیا تھا اس کا مخطوطہ کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہے، یہ فارسی میں ۴۱/اوراق (۸۱/صفحات) کا رسالہ ہے، اس پر مصنف کا نام درج نہیں ہے، اسلوب تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کا ہے، اگرچہ رسم الخط آپ کا نہیں ہے، حمد وصلاۃ کے بعد مصنف رسالہ لکھتے ہیں: (۲۹)

ترجمہ: برادر صاحب گرامی مرتبت اعزوارشد نورالعین شیخ اظہار حسین
(اسعدہ اللہ فی الدارین)

بعد سلام مسنون، فاضل کامل رأس المدققین سند المحققین لوذعی المعی مولوی حیدر علی رامپوری زاد افاداتہ کی وہ تحریر خاکسار کو عنایت کی جو اُس فتوے کے رد میں ہے جو امام زماں فرید دوراں الاستاذ المطلق مولوی فضل حق ازداد برکاتہ کی فکر صامت اور ذہن ثاقب کا نتیجہ ہے، جو انہوں نے شفاعت کے بیان میں تقویت الایمان کی ایک عبارت کے متعلق دیا تھا، جو کچھ میرے شکستہ خیال میں آیا اس کے اظہار کا اصرار کیا گیا، تو حال یہ ہے کہ مولوی فضل حق صاحب علمی کمالات کی جامعیت اور از اول تا آخر علوم عقلیہ ونقلیہ کے احاطہ میں اس زمانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے الا ماشاء اللہ، جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا ہے وہ یہی ہے باقی پوشیدہ باتوں کو تو اللہ ہی جانتا ہے، اُس زمانے میں کہ جب انہوں نے یہ فتویٰ لکھا تھا اس فرقے کے ارکان اور اس طائفے کے اعیان جو اس کے شروع کرنے والے اور بانی مبانی تھے وہ خود موجود تھے، انہوں نے (اس فتوے کی وجہ سے) کیا کیا رنج نہ اٹھائے اور کیا کیا پیچ وتاب نہ کھایا، اور کتنا جگر خون نہ کیا مگر مقابلے کی تاب نہ لا کر ساکت ہو گئے الخ (رسالہ تردید حیدر علی ٹونکی قلمی: ورق ۱/الف)

رسالہ امتناع النظیر :مولانا ٹونکی کے سابق الذکر رسالے کے جواب میں خود علامہ نے قلم اٹھایا، اور رسالہ ''امتناع النظیر'' تصنیف کیا، یہ رسالہ فارسی میں ہے، امتناع النظیر کے علامہ کی تصنیف ہونے پر شبہ ظاہر کیا جاتا ہے، اس شبہ کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ''رسالے کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے ''افاد استاذ نا العلام''، اس کے علاوہ رسالہ میں جہاں بھی سید حیدر علی ٹونکی کے اقوال ذکر کیے گئے ہیں ان کا جواب عموماً اس قسم کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے، قال الاستاذ العلامہ، افاد الاستاذ العلامہ، قال الاستاذ مدظلہ، افاد استاذی العلام، افاد استاذ نا وغیرہ، اس سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ رسالہ علامہ کا نہیں بلکہ ان کے کسی شاگرد کا ہے'' مگر ہمارے خیال میں یہ محض ایک شبہ ہے،

داخلی اور خارجی دونوں قسم کے شواہد سے یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ رسالہ امتناع النظیر علامہ ہی کی تصنیف ہے۔

دراصل سید حیدر علی ٹونکی اور علامہ کے درمیان علم وفضل کے حوالے سے کوئی مناسبت نہیں تھی، غالباً براہ راست ان کو مخاطب کرنا علامہ نے اپنی شان کے خلاف سمجھا ہو، اسی لیے یہ رسالہ اپنے شاگرد مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے نام سے مشتہر کر دیا، حکیم نصیر الدین اجمیری (برادر زادہ مولانا معین الدین اجمیری) سلسلہ خیرآباد کے ایک ثقہ بزرگ اور محرم راز تھے، اس سلسلے میں ان کا یہ بیان اہمیت رکھتا ہے:

> یہ کتاب (امتناع النظیر) حضرت علامہ مرحوم نے دراصل اپنے تلمیذ رشید مولانا ہدایت اللہ جونپوری کے نام سے ارقام فرمائی تھی، مولانا ہدایت اللہ صاحب کی دیانت اس امر کی متقاضی نہیں ہوئی کہ وہ حضرت علامہ کی کتاب اپنی ذات سے منسوب کریں، اس لیے انہوں نے اپنے شاگرد رشید مولانا سلیمان اشرف بہاری کے اصرار پر مصنف کا اصل مسودہ ہی مولانا سلیمان اشرف کے حوالے کر دیا، یہ جملہ باتیں مجھے مولانا سلیمان اشرف مرحوم ہی سے معلوم ہوئیں (امتیاز حق: ۱۷۰)

یہ ایک ثقہ کی روایت ہے جو سند کے ساتھ بیان کی گئی ہے اس کو اس معاملہ میں ایک اہم شہادت تسلیم کیا جاسکتا ہے۔

مولانا ہدایت اللہ رامپوری کے پاس اس کا وہ اصل نسخہ تھا جو خود علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، یہی نسخہ انہوں نے اپنے شاگرد مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کو عنایت کیا☆ جو انہوں نے اگست ۱۹۰۸ء میں جونپور سے شائع کیا، اس اشاعت میں بحیثیت مصنف علامہ ہی کا نام ہے۔ اس سے قطع نظر ایک اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ رسالہ علامہ کا نہیں ہے بلکہ ان کے کسی شاگرد کا ہے تو

☆ دیکھیے امتناع النظیر: ص ۳۳۵۔ مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی کے بقول علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ مسودہ کتب خانہ حبیب گنج میں موجود ہے (باغی ہندوستان: ص۱۹۲) کتب خانہ حبیب گنج مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں حبیب گنج کلیکشن کے نام سے ضم کر دیا گیا ہے، ممکن ہے یہ نسخہ اب بھی وہاں موجود ہو۔

پھر علامہ کے ہاتھ کے مسودے کی کیا توجیہ کی جائے گی؟ یہ تو عموماً ہوتا ہے کہ اساتذہ کی کتابیں ان کے شاگرد نقل کرتے ہیں، مگر شاید یہ اپنی نوعیت کی پہلی مثال ہو گی کہ ایک استاذ نے اپنے شاگرد کا رسالہ اپنے ہاتھ سے نقل کر کے محفوظ کیا، اس رسالے کا مسودہ علامہ کے قلم سے ہونا ہی اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ یہ رسالہ علامہ کا تصنیف کردہ ہے، ہمارے خیال میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسالے کا علمی مواد علامہ کا ہے اور ان کے ہی الفاظ وعبارت میں ہے، مولانا ہدایت اللہ رامپوری نے علامہ کے اس موادِ علمیہ اور ان کی عبارتوں کو جمع کر دیا ہے، گویا رسالے کے اصل مصنف علامہ ہی ہیں، ہاں مولانا ہدایت اللہ رامپوری کی حیثیت ایک جامع ومرتب کی مانی جاسکتی ہے، اگر اس بات کو آپ تسلیم کرتے ہیں (اور تسلیم نہ کرنے کی بظاہر کوئی معقول وجہ نہیں) تو اس معاملے کو ایک اور زاویے سے دیکھیں، رسالے کی ترتیب کچھ یوں ہے کہ پہلے سید حیدر علی ٹونکی کے اقوال درج کیے گئے ہیں اس کے بعد قال الاستاذ العلامہ، افاد الاستاذ العلامہ، قال الاستاذ مدظلہ وغیرہ لکھ کر علامہ کی عبارت نقل کی گئی ہے، ٹونکی صاحب کی عبارت عموماً چند سطروں کی ہے اور جواب میں علامہ کی عبارت ا/صفحہ ۲/صفحہ اور کبھی اس سے بھی زیادہ کی ہے، ۳۳۶/صفحات کے (مطبوعہ) رسالے میں سے اگر آپ حیدر علی ٹونکی اور علامہ کی عبارتیں نکال دیں تو شاید بمشکل ۱۰/صفحات باقی رہ جائیں گے جو جامع ومرتب کے کہے جاسکتے ہیں، جن عبارتوں کو ہم علامہ کی عبارتیں کہہ رہے ہیں ان کے بارے میں یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ علامہ کے قلم کی نہیں ہیں بلکہ علامہ کے موادِ علمی کو جامع ومرتب نے اپنے الفاظ میں تعبیر کیا ہے لہٰذا یہ عبارتیں علامہ کی نہیں بلکہ جامع ومرتب کی ہیں، یہ شبہ وہی کر سکتا ہے جو علامہ کے اسلوبِ نگارش، تنقیدی لب ولہجے اور دلائل کے انداز سے ناآشنا ہو، رسالہ امتناع النظیر فارسی میں ہے، ہمارے سامنے علامہ کی فارسی نثر کے نمونے کے طور پر تحقیق الفتوی اور وہ مکاتیب ہیں جو مفتی آزردہ اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے نام لکھے گئے ہیں، ان کے اسلوب کو ذہن میں رکھ کر رسالہ امتناع النظیر کا مطالعہ کیا جائے تو ہر ہر سطر اس بات کی گواہی دیتی نظر آئے گی کہ یہ علامہ کے رشحاتِ قلم ہیں جو ان کی فکرِ عالی کا نتیجہ ہیں۔

سید حیدر علی ٹونکی کے جس رسالے کے جواب میں علامہ نے امتناع النظیر لکھی اس کے

بارے میں ایک بات حکیم محمود احمد برکاتی نے یہ لکھی ہے کہ:

> اس (تحقیق الفتویٰ) کے ایک عرصے بعد مولوی حیدر علی رامپوری نے اس موضوع پر قلم اٹھایا جس کا لب ولہجہ اور زبان اب تک فریقین کی تحریروں کے برعکس عالمانہ اور شائستہ نہیں تھی، علامہ نے اس کے جواب میں امتناع النظیر کے نام سے کتاب لکھی (سفر اور تلاش:۵۷)

غالبًا یہ اسی کا ردعمل ہے کہ تحقیق الفتویٰ کے مقابلے میں امتناع النظیر میں علامہ نے قدرے سخت زبان استعمال کی ہے، سید حیدر علی ٹونکی کا وہ رسالہ تو پیش نظر نہیں ہے کہ ان کی شائستگی کے نمونے پیش کیے جائیں، البتہ ان کا رسالہ ''صیانة الاناس ''پیش نظر ہے جو انھوں نے مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے جواب میں لکھا تھا، اس میں موصوف نے جو شائستہ زبان استعمال کی ہے☆ اسی سے اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے علامہ کے خلاف کس قسم کا لب ولہجہ روا رکھا ہوگا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

قصیدہ ہجویہ: ٹونکی صاحب نے اپنے رسالے میں شاہ اسماعیل کی تعریف اور علامہ کی ہجو میں ایک شعر لکھا تھا:

اتهجو عالماًبراً تقياً وعندالله فى ذاك انتقام

اس کے جواب میں علامہ نے فی البدیہہ ۱۱۴/اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ نظم کیا، جو صنائع و بدائع سے مرصع اور عربی شاعری کا ایک شاہکار ہے، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ ٹونکی صاحب نے علامہ کی ہجو میں مکمل قصیدہ نظم کیا تھا جس کے جواب میں علامہ نے قصیدہ کہا، ہمارے خیال میں یہ بات درست نہیں ہے، ٹونکی صاحب نے مکمل قصیدہ نہیں لکھا تھا بلکہ صرف یہی ایک شعر لکھا تھا، رسالہ امتناع النظیر میں اس شعر سے پہلے ان کی جو عبارت نقل کی گئی ہے☆☆ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے، اور خود علامہ کے قصیدے کا درج ذیل شعر بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے، اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ یہ شعر ٹونکی صاحب کا نہیں ہے بلکہ ان کے مشائخ میں سے کسی کا ہے، علامہ کہتے ہیں:

☆ دیکھئے ضمیمہ ا، صفحہ 236

☆☆ درجوابش بیک بیت اکتفا رفت: امتناع النظیر ص ۳۰۲

اتنشد یا کھام علیّ بیتاً

افاد که مشائخك الکھام

(ترجمہ:اے بزدل! کیاتم مجھے شعر سناتے ہو؟ (اور وہ بھی) اپنے گونگے مشائخ سے سیکھ سکھا کر)

یہ قصیدہ علامہ کے رسالہ امتناع النظیر میں شائع ہوا ہے (امتناع النظیر :ص۳۰۳ر تا ۳۱۹)

اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بدایوں میں موجود ہے، جس کا تعارف نوادرات کے ضمن میں مذکور ہے۔

فتویٔ تکفیر: کوئی مولوی عبدالستار صاحب تھے جو ابتدا میں شاہ اسماعیل دہلوی کے عقائد ونظریات سے متأثر تھے بعد میں ان کے مسلک کو ترک کر کے علمائے اہل سنت کے ساتھ ہو گئے، انہوں نے سید حیدر علی ٹونکی کے سابق الذکر رسالے کی چند عبارتیں جمع کر کے ایک استفتا کیا، کسی عالم نے اس کا جواب دیا جس پر مشاہیر علما نے تائیدی دستخط کیے، پھر مولوی عبدالستار نے اس فتوے کو شائع کروادیا، اس کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> خاکسار عبدالستار نے چند باتیں اس سے التقاط کر کے استفتا مرتب کیا، علمائے دین دار نے مہر و دستخط سے مزین فرمایا، خاکسار ابتدائے زمان شہرت تقویت الایمان سے اس طرف راغب تھا، یہ مباحثات ومناظرات سبب ہوئے اس کی ہدایت کے اور طریقہ اسماعیلیہ سے تائب ہوا اور باعث ہوا اس کی طبع واشاعت کا کہ جیسے میں اشتباہ میں تھا اور بہت لوگ ہیں تو جس طرح مجھ کو ہدایت ہوئی اوروں کو بھی ہو۔ (تحقیق الفتویٰ:ص۲۵۲)

اس استفتا میں ۱۵ر سوالات تھے جو امکان کذب وامتناع نظیر سے متعلق ہیں، اس فتوے کے آخر میں یہ عبارت درج ہے:

> در مطبع الہدایہ متصل طویلۂ دارا گزر کشمیری دروازہ باہتمام بندہ سید ہادی مہتمم طبع گردید سنہ ۱۲۶۹ ہجری

تحقیق الفتویٰ کے ہندوستانی ایڈیشن (دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی ۱۹۸۲ء) کے آخر میں (ص۲۵۲ر تا ص۲۷۰) اس فتوے کا عکس شائع کر دیا گیا ہے، فتوے کے مطبوعہ نسخے میں

بحیثیت مصنف کسی کا نام نہیں ہے، مہر تصدیق کرنے والوں میں ایک نام ''جناب مولانا محمد فضل حق صاحب'' بھی ہے، مگر مندرجہ ذیل وجوہ کی بنیاد پر ایسا لگتا ہے کہ یہ فتوی علامہ کے زور قلم کا نتیجہ ہے:

(۱) اس فتوے کے جواب میں سید حیدر علی ٹونکی نے رسالہ کلام الفاضل الکبیر لکھا اس میں فتوے کے مصنف کے طور پر براہ راست علامہ کو مخاطب کیا، کلام الفاضل الکبیر کے سرورق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) آپ آگے پڑھیں گے کہ یہ فتویٰ علامہ نے مفتی آزردہ کو بھیجا تھا، جس کے ایک جواب پر مفتی صاحب اور علامہ کے درمیان مراسلت ہوئی تھی، ان مکاتیب کو دیکھیں ان سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ علامہ کا ہے۔

(۳) کتب خانہ قادریہ بدایوں میں اس کا جو قلمی نسخہ ہے، اس میں جوابات کے اختتام پر صرف ایک مہر ثبت ہے اور وہ مہر علامہ کی ہے۔

ان وجوہ کی بنیاد پر خیال ہوتا ہے کہ یہ فتویٰ علامہ ہی کا ہوگا، لیکن ہمیں اس رائے پر اصرار نہیں ہے، اگر کسی دوسری قوی دلیل سے رسالے کا مصنف دریافت کرلیا جائے تو ہمیں تسلیم کرنے میں تأمل نہ ہوگا۔

اس فتوے پر مندرجہ ذیل ۳۴؍علما نے تائیدی دستخط اور مہریں ثبت فرمائیں:

(۱) مہر جناب مولوی محمد علی (۲) مہر جناب مولانا محمد فضل حق صاحب (۳) مہر جناب مولوی جلال الدین صاحب (۴) مہر جناب مولوی محمد عبدالحق صاحب (۵) مہر جناب مولوی حبیب اللہ صاحب (۶) مہر جناب مولوی محمد رفیع اللہ صاحب (۷) مہر جناب مولوی نور النبی صاحب (۸) مہر جناب مولوی غلام نبی صاحب (۹) مہر جناب مولوی مفتی محمد عبدالواحد صاحب (۱۰) مہر جناب مولوی محمد نجیب اللہ صاحب (۱۱) مہر جناب مولوی حمد اللہ صاحب (۱۲) مہر جناب مولوی نصر اللہ صاحب (۱۳) مہر جناب مولوی ہزار میر خاں صاحب (۱۴) دستخط جناب قاضی خاں صاحب (۱۵) دستخط جناب مولوی محمد خاں صاحب (۱۶) دستخط جناب مولوی فتح الدین صاحب (۱۷) دستخط جناب مولوی محمد حسن صاحب (۱۸) دستخط جناب مولوی شریف حسن

صاحب (۱۹) دستخط جناب مولوی محمد ہدایت اللہ صاحب (۲۰) دستخط جناب مولوی غلام حسین صاحب (۲۱) مہر جناب مولوی عالم صاحب واعظ (۲۲) مہر جناب مولوی شاہ علی صاحب (۲۳) مہر جناب مولوی احمد حسن صاحب (۲۴) دستخط جناب مولوی عمادالدین احمد صاحب (۲۵) مہر جناب مولوی سراج الدین صاحب (۲۶) مہر جناب مولانا مفتی محمد صدرالدین صاحب (۲۷) مہر حضرت شاہ احمد سعید صاحب (۲۸) مہر جناب مولوی کریم اللہ صاحب (۲۹) مہر جناب مولوی عبدالرشید صاحب (۳۰) مہر جناب مولوی محمد عمر صاحب (۳۱) مہر جناب مولوی محمد مظہر صاحب (۳۲) دستخط جناب مولوی محمد نواب صاحب (۳۳) مہر جناب مولوی فرید الدین صاحب (۳۴) دستخط مولوی حیدر علی صاحب (مصنف منتہی الکلام)

اس فتویٔ تکفیر کے جواب میں سید حیدر علی ٹونکی نے پھر قلم اٹھایا اور ''کلام الفاضل الکبیر علیٰ اہل التکفیر'' کے نام سے اس کا جواب دیا، ۹۴ر صفحات کا یہ رسالہ فارسی میں ہے، سرورق پر یہ عبارت درج ہے:

> الحمدللہ ایں رسالہ متبرکہ در جواب تکفیر نسبت فاضل نحریر عالم ربانی بےنظیر، واقف علوم نقلیہ، ماہر فنون عقلیہ مولانا بالفضل اولانا جناب مولوی حیدر علی صاحب......
> (لفظ نہیں پڑھا جاسکا) مولوی فضل حق صاحب مسمی بہ کلام الفاضل الکبیر علی اہل التکفیر تالیف مولانا ممدوح سلمہ اللہ تعالیٰ در فخر المطابع باہتمام حافظ عبداللہ طبع شد

رسالے پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے، قیاس ہے کہ یہ ۱۲۶۹ھ ر ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوا ہوگا، غالبًا یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ رسالے میں کس قسم کا اسلوب نگارش اختیار کیا گیا ہے۔

اس رسالے کے جواب میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے قلم اٹھایا اور ایک رسالہ تبکیت النجدی تصنیف کیا، ضیاء القادری اکمل التاریخ میں لکھتے ہیں:

> مولوی حیدر علی صاحب نے ایک رسالہ کلام الفاضل الکبیر در بارہ امکان نظیر لکھا یہ (تبکیت النجدی) اُس کا ردّ بزبان فارسی ہے، مباحث عقلیہ ونقلیہ، کلامیہ وفلسفیہ کو حد کمال تک پہنچایا ہے (اکمل التاریخ: ج ۲ ر ص ۱۵۳)

رسالہ تبکیت النجدی اب تک راقم الحروف کی نظر سے نہیں گزرا، معلوم نہیں طبع بھی ہوا تھا یا نہیں؟

کتب خانہ قادریہ میں اس کا کوئی قلمی نسخہ بھی اب تک علم میں نہیں آیا ہے، ابھی کتب خانہ قادریہ کے بہت سے قلمی مسودات اور مجلدات امعان نظر اور توجہ سے دیکھنا باقی ہیں ممکن ہے اس رسالے کی بازیافت ہوجائے۔

سید حیدر علی ٹونکی اور علامہ کے قلمی معرکے کی تفصیل آپ نے ملاحظہ فرمائی، اس باب کو ختم کرنے سے پہلے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کے ایک جملے پر نظر ڈالتے چلیں، علامہ خیرآبادی کے شاگرد مولانا محسن ترہتی نے اپنی کتاب الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی میں سید حیدر علی ٹونکی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ہمارے شیخ (علامہ فضل حق) اور سید حیدر علی کے درمیان شاہ اسماعیل کے بارے میں مباحث ہوئے تھے، ان مباحث کے دوران سید صاحب کی طرف سے ایسی باتیں (دلیلیں) سامنے آئیں جن کو علما نے کمزور قرار دیا ہے (بدرت منه عندالبحث بوادر وهاها العلماء۔ الیانع الجنی: ص۱۱۱) مولانا محسن ترہتی کے اس جملے پر نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے یہ جملہ ٹانک دیا کہ:

والحق بید السید لا بید الشیخ کما یظهر من الرجوع الی کتبهما عند نظر الانصاف (ابجد العلوم: بحوالہ نزهة الخواطر: ج۷/ص۱۷۳)

ترجمہ: (اس بحث میں) سید حق پر تھے شیخ (فضل حق) حق پر نہیں تھے، جیسا کہ ان دونوں کی کتابوں کو بنظر انصاف دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

مگر ہم نے جب فتویٰ تکفیر، کلام الفاضل الکبیر، اور امتناع النظیر کا بنظر انصاف مطالعہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ اپنے اکابر کے بارے میں ایک عقیدت مند کا جو فرض بنتا ہے نواب صاحب بڑی سعادت مندی سے اُسے اپنی تصانیف میں ادا کرتے ہیں۔ یہ ہماری ذاتی رائے ہے، ہمیں اس پر اصرار نہیں ہے، اگر میسر ہو تو آپ خود سید حیدر علی ٹونکی اور علامہ کی تصانیف کی طرف رجوع کریں مگر شرط یہ ہے کہ یہ رجوع (بقول نواب صاحب) ''بنظر انصاف'' ہونا چاہیے۔

☆☆☆

علامہ فضل حق خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی

حکیم محمود احمد برکاتی اور ڈاکٹر ایوب قادری کی تحقیق کے مطابق لکھنؤ میں علامہ فضل حق کا زمانۂ قیام ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء سے ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کے اوائل تک قرار پاتا ہے، یہ وہی زمانہ ہے جب مفتی سعد اللہ مراد آبادی ☆ لکھنؤ میں مفتی کے عہدے پر فائز تھے، جب علامہ لکھنؤ میں جلوہ افروز ہوئے تو ان کے علم و فضل کا چرچا ہوا، محفل درس و تدریس بھی گرم ہوئی، غالباً اسی وجہ سے مفتی صاحب نے میدان علم و فضل میں علامہ کو اپنا حریف گمان کرلیا، جس کے نتیجے میں ان دونوں عظیم شخصیات کے درمیان معاصرانہ چشمک شروع ہوئی، زبانی مباحثے بھی ہوئے اور تحریری کی نوبت بھی آئی، مفتی صاحب علامہ سے عمر میں صرف ۷/ برس چھوٹے تھے، مگر چونکہ وہ مفتی صدر الدین آزردہ کے شاگرد تھے اس لیے علامہ غالباً ان کو اپنا مدمقابل بنانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہوں، یہ قیاس ہم اس لیے کر رہے ہیں کہ مفتی صاحب کے رد میں جو کچھ بھی لکھا گیا وہ علامہ

☆ مفتی سعد اللہ مراد آبادی (ولادت: ۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء۔ وفات: ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء) تیرہویں صدی کے مشاہر علما میں تھے، صاحب تصانیف کثیرہ، اور درسیات کے ماہر تھے، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، شاہ اسحاق دہلوی، مفتی صدر الدین آزردہ اور مفتی ظہور اللہ لکھنوی اور دیگر اساتذہ سے درسیات کی تکمیل کی، شیخ جمال مکی سے سند حدیث حاصل کی، ۲۹/ سال تک لکھنؤ میں مفتی کچہری کے عہدے پر فائز رہے، لکھنؤ کے بعد کچھ عرصے تک نواب یوسف علی خاں کے زمانے میں رامپور میں عہدۂ قضا و افتا پر متمکن ہوئے، رامپور ہی میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہیں۔ تفسیر، فقہ، لغت، نحو و صرف، عروض و قوافی، علم بیان، ہیئت و ریاضی اور منطق و فلسفہ میں درجنوں کتب و حواشی تصنیف فرمائے، تذکرہ علمائے ہند اور تذکرہ کاملان رامپور میں مفتی صاحب کی تصانیف کی جو فہرست دی ہے اس سے ان کی جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مفتی صاحب کا ایک مجموعہ رسائل (مطبع قیومی کانپور) کتب خانہ قادریہ میں موجود ہے جس میں چھ رسائل ہیں، نوادر الوصول فی شرح الفصول، نور الصباح فی اغلاط الصراح، خبر المسہل لمسئلۃ طہر المتخلل، رسالہ علم الواجب تعالیٰ، التنویہ بالتشبیہ، اور وجوہ تراکیب بسملہ، آخر الذکر رسالے میں ثابت کیا ہے کہ بسم اللہ کی ترکیب نحوی ۵۳۱۲ طریقے سے کی جاسکتی ہے، (تفصیل کے لیے دیکھئے: تذکرہ علمائے ہند: ص ۲۱۴/۲۱۵، اور تذکرہ کاملان رامپور: ص ۱۵۱ تا ۱۵۴۔

کے نام سے منظر عام پر نہیں آیا بلکہ تمام رسائل علامہ کے تلامذہ کے نام سے منظر عام پر آئے، یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ علامہ اور مفتی سعد اللہ کے درمیان اختلاف محض علمی نوعیت کا تھا، جو معاصرانہ چشمک کے نتیجے میں واقع ہوا تھا، یہ اختلاف منطق وفلسفہ کی بعض عبارتوں کی تشریح، اور عربی زبان وادب کی رو سے بعض الفاظ وتراکیب کے غلط اور صحیح استعمال کی حد تک محدود تھا، یہ اختلاف ویسا نہیں تھا جیسا علامہ اور شاہ اسماعیل دہلوی اور سید حیدر علی ٹونکی کے درمیان تھا، کیونکہ آخرالذکر اختلاف اصول وعقائد میں تھا جس کی تفصیل آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔

ان دونوں کے درمیان کم از کم دو مرتبہ زبانی مباحثہ کا پتہ چلتا ہے، جس کا ذکر غالباً پہلی مرتبہ اس کتاب کے ذریعے منظر عام پر آ رہا ہے، کتب خانہ قادریہ بدایوں میں مولانا ثناء الدین عثمانی کے ہاتھ کے دو قلمی رسائل موجود ہیں جن میں ان مباحث کی تفصیل ہے، یہ دونوں رسائل فارسی میں ہیں، ان پر رسالے کا کوئی نام درج نہیں ہے اور نہ ان کے مصنف کا نام ہے، ہم نے سہولت کے لیے ان کا نام "روداد مباحثہ اول" اور "روداد مباحثہ دوم" رکھا ہے۔

روداد مباحثہ اول: یہ فارسی زبان میں متوسط سائز پر ۱۰؍اوراق کا رسالہ ہے، بعض جگہ سے اوراق کرم خوردہ ہیں، اس لیے پوری بات سمجھنے میں دشواری ہو رہی ہے، رسالے کی ابتدائی عبارت درج ذیل ہے: (۳۰)

> ترجمہ: (عربی خطبے کے بعد) ارباب صفوت وصفا اور انصاف وحیا پر واضح ہو کہ اس زمانے میں کہ افضل المحققین، خیر المدققین مولانا مولوی حافظ محمد فضل حق خیرآبادی ادام اللہ فیوضہ کے لکھنؤ شہر میں رونق افروز ہونے کی خبر پہنچی، تو بعض مہربانوں نے مفتی کوتوالی لکھنؤ مولوی مرادآبادی کے ساتھ مشورہ کیا، یہ اپنا نام کبھی محمد المدعو بسعد اللہ لکھتے ہیں اور کبھی ابومحمد الشہیر بسعد اللہ، لوگوں نے مفتی موصوف کو مولانا (فضل حق) کے ساتھ مکالمے پر (آمادہ کیا) چنانچہ شروع میں انہوں نے مولانا (فضل حق) کی خدمت میں نہایت ادب وعقیدت سے آنا جانا شروع کیا، اس کے بعد ایک دن اس وقت کہ مولانا خضاب کر کے قیلولہ واستراحت فرما رہے تھے، حکیم

حاجی اسدعلی صاحب کے ساتھ حاضر ہوئے، حکیم صاحب ان اصحاب شوریٰ کے ایک اہم رکن ہیں، ان لوگوں نے آداب ونیاز کے بعد ایک پرچہ پیش کیا جس میں شیخ (ابن سینا) کی کتاب شفا کی ایک عبارت درج تھی...الخ (روداد مباحثہ اول قلمی)

مفتی صاحب نے علامہ سے اس عبارت کی تشریح کرنے کی درخواست کی، علامہ نے تشریح کی، اس پر مفتی صاحب نے اپنے اشکال پیش کیے، اس طرح یہ بحث آگے بڑھی، آگے کی روداد پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اس گفتگو کے دوران علامہ مفتی صاحب کو مطمئن نہیں کر سکے تھے، مفتی صاحب کے احباب (خاص کر حاجی اسدعلی صاحب) نے اس واقعہ کو رنگ آمیزیوں کے ساتھ شہرت دی، غالبًا اسی کے ردعمل میں یہ روداد مباحثہ لکھنا ناگزیر ہوئی، اس روداد میں خالص دقیق فلسفیانہ بحثیں ہیں کہ علامہ نے یہ کہا، پھر مفتی صاحب نے یہ کہا وغیرہ وغیرہ۔

اس روداد مباحثہ میں ایک جگہ مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کا بھی ذکر ہے کہ انہوں نے بھی مفتی سعداللہ صاحب کو فہمائش کی تھی کہ وہ علامہ سے علمی مناقشات میں نہ پڑیں، لکھا ہے کہ: (۳۱)

ترجمہ: مولانا مولوی فضل رسول بدایونی جو افاضل زمانہ اور اذکیائے دہر میں سے ہیں اور علوم ظاہر وباطن کے جامع ہیں، انہوں نے جب ان (مفتی سعد اللہ) کی یہ ناشائستہ باتیں سنیں تو آپ نے (مفتی سعداللہ سے) فرمایا کہ آپ نے یہ بہت برا کیا، آپ کے لیے مناسب تو یہ تھا کہ کتاب مولانا فضل حق کے سامنے رکھتے، اور ان سے استفادہ علمی کرتے، تاکہ آپ کو بھی درجہ اعتبار حاصل ہوتا اور آپ کے علم میں بھی جلا پیدا ہوتی، اور مولانا فضل حق کی بزرگی اور تعظیم بھی ظاہر ہوتی، کیوں کہ پہلے زمانے میں اگر کوئی عالم کسی شہر میں رونق افروز ہوتا تھا تو استفادہ کرنے والوں کا یہی طریقہ ہوا کرتا تھا، اور فرض کرلیا کہ ایک مسئلہ مولوی (فضل حق) صاحب کو معلوم نہیں تھا تو آپ کو سو مسئلے معلوم نہیں ہیں، اور اگر ان کو سو مسئلے معلوم ہیں تو آپ کو ...... معلوم نہیں ہیں، لہذا ان ناشائستہ باتوں سے آپ ہی کی محرومی ظاہر ہوتی ہے مولوی (فضل حق)

صاحب کے فضل وکمال کو کوئی نقصان نہیں۔ (رودادِ مباحثۂ اول قلمی)

رودادِ مباحثۂ دوم: یہ مفتی صاحب سے علامہ کے دوسرے مباحثے کی روداد ہے، یہ رسالہ ۹/اوراق پر مشتمل ہے، مگر ناقص الآخر ہے، اس کی ابتدا اس عبارت سے ہوتی ہے: (۳۲)

ترجمہ: دوسری مرتبہ کے مکالمے کی تفصیل یہ ہے کہ میں دو شوال کو مولانا (فضل حق) کے پاس عید ملنے حاضر ہوا الخ (رودادِ مباحثۂ دوم قلمی)

آگے مصنف رسالہ لکھتے ہیں کہ وہ مولانا کی خدمت میں تھے کہ اسی درمیان مفتی سعد اللہ صاحب بھی آ گئے، گفتگو کے دوران علامہ نے ان سے کہا کہ حواشی صدرا میں فلاں فلاں بحث آئی ہے (یہاں مصنف نے پوری بحث لکھی ہے) مگر آپ (مفتی سعد اللہ) نے اپنے حواشیٔ صدرا میں یوں لکھا ہے (یہاں بھی مصنف نے پوری عبارت نقل کی ہے) جو درست نہیں ہے، اس پر میرے (فضل حق کے) بعض تلامذہ نے کچھ اعتراض کیے ہیں، جن کا جواب آپ کے ذمہ ہے، اگر آپ نے حواشیٔ صدرا کو بخوبی سمجھا ہو تو جواب عنایت فرمائیے۔ اس کے بعد دونوں حضرات میں جو علمی مکالمہ ہوا اس کی پوری تفصیل روداد میں موجود ہے۔

حواشی صدرا پر اعتراضات: مفتی سعد اللہ مراد آبادی نے فلسفہ کی مشہور کتاب صدرا☆ پر حواشی تحریر کیے تھے، مفتی صاحب کے ان حواشی پر علامہ کے کسی شاگرد نے اعتراضات لکھ کر ایک رسالے میں مشتہر کیے، رسالے کے شروع میں درج ہے:

ایں تحریر از مولوی محمد سراج الدین صاحب بر تحریر از مولوی محمد سعد اللہ صاحب کہ بر حواشیٔ صدرا کہ مطبوع است تعلیق کردہ اند

یہ مولوی محمد سراج الدین کون ہیں، معلوم نہیں ہو سکا، مگر یہ علامہ کے تلامذہ میں ہیں، رسالہ

☆ اثیر الدین ابہری (وفات: ٦٦٠ھ/١٢٦١ء یا ٦٧١ھ/١٢٧٢ء) نے فلسفہ کا متن ہدایت الحکمۃ کے نام سے لکھا، یہ متن علما کے درمیان مقبول ہوا، نصاب میں داخل کیا گیا اور بعض مدارس میں آج تک داخل ہے، اس کی شروح وحواشی اور حاشیہ بر حاشیہ کی ایک لمبی فہرست ہے، صدر الدین شیرازی (وفات: ۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء یا ۱۰۶۱ھ/۱۶۴۹ء) اور قاضی میر حسین بن معین الدین میبذی (وفات: ۹۰۴ھ/۱۴۹۸ء یا ۹۱۰ھ/۱۵۰۴ء) کی شرح ہدایت الحکمۃ ''صدرا'' اور ''میبذی'' کے نام سے مشہور ہوئیں اور درس نظامی میں داخل کی گئیں، اول الذکر کا طبیعات اور دوسری کا الٰہیات والا حصہ پڑھایا جاتا تھا، صدرا اور میبذی کے حواشی کی ایک لمبی فہرست ہے، بحر العلوم فرنگی محلی کا حاشیہ صدرا مشہور ہے، صدرا پر مولانا فیض احمد بدایونی کا بھی حاشیہ ہے، میبذی پر مولانا عین القضاۃ (تلمیذ مولانا عبد الحی فرنگی محلی) کا حاشیہ ہے، جو طلبہ کے لیے مفید ہے۔

میں کئی جگہ ''مولانا الاستاذ''اور''استاذنا المحقق'' کے بعد علامہ کا نام درج ہے، ڈاکٹر سلمہ کی پیش کردہ فہرست تلامذہ میں ''مولوی سراج الدین بجنوری ثم لکھنوی'' کا ذکر ہے (علامہ محمد فضل حق خیرآبادی: ص۷۱) ممکن ہے یہ وہی ہوں، ۱۰/اوراق پر مشتمل یہ رسالہ عربی میں ہے۔ خیال ہے کہ یہ رسالہ علامہ ہی کی ایما پر تصنیف کیا گیا ہوگا۔

اس رسالے کے جواب میں مفتی سعداللہ مرادآبادی نے قلم اٹھایا، اور اپنے حواشی صدرا کے دفاع میں ایک رسالہ تحریر فرمایا، مگر انہوں نے بھی اپنا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا، ان کا یہ رسالہ کسی ''محمد مہدی ساکن کٹرہ'' کے نام سے منظر عام پر آیا، رسالہ کے سرورق پر لکھا ہے ''جواب از مولوی محمد سعداللہ صاحب از نام محمد مہدی ساکن کٹرہ''، غالباً یہ مفتی صاحب کے کوئی شاگرد ہوں گے، یہ رسالہ ۵/اوراق پر مشتمل ہے۔

مفتی صاحب کے مذکورہ رسالہ کے جواب میں پھر مولوی سراج الدین نے قلم اٹھایا، اور جواب الجواب میں رسالہ تصنیف کیا، رسالے کے سرورق پر لکھا ہے، ''جواب الجواب از مولوی سراج الدین صاحب''، یہ رسالہ ۱۸/اوراق پر مشتمل ہے۔

مفتی صاحب کے ان حواشی صدرا پر مولانا عبدالحق خیرآبادی نے بھی ایک رسالے میں ۴/اعتراضات کیے، ان ۴/اعتراضات کے جواب میں مفتی سعداللہ مرادآبادی کے شاگرد مولانا محمد فدا حسین نے قلم اٹھایا اور اپنے استاذ کے دفاع میں ایک رسالہ قلم بند کیا، مولانا فدا حسین کی تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعتراضات مولانا عبدالحق نے اپنے کسی شاگرد کے نام سے مشتہر کیے تھے☆ مولانا فدا حسین نے پہلے مولانا عبدالحق خیرآبادی کے ان چاروں اعتراضات کا جواب دیا اور ساتھ ہی مولانا عبدالحق خیرآبادی کے والد اور دادا پر چار اعتراضات بھی کر دیے، پہلے تین اعتراضات علامہ فضل حق خیرآبادی کی کتاب ہدیہ سعیدیہ پر تھے، اور ایک اعتراض علامہ کے والد مولانا فضل امام خیرآبادی کی کتاب ''شرح میزان منطق'' کی ایک عبارت پر تھا، معلوم نہیں کہ اس کے جواب میں مولانا عبدالحق خیرآبادی یا آپ کے تلامذہ میں سے کسی نے کچھ لکھایا پھر یہ

☆ لکھتے ہیں: انہ اعترض الفاضل الاوحد الارفق و بفضل الحق احق مولانا عبدالحق وعزاہ الی من لا یستحق (رسالہ مولانا فدا حسین قلمی: ورق الف/۱، مخزونہ کتب خانہ قادریہ بدایوں)

سلسلہ یہیں ختم ہو گیا۔ سابق الذکر چاروں رسائل کے قلمی نسخے کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہیں، جو ہمارے پیش نظر ہیں۔

ان رسائل (اور آگے آنے والے رسائل) میں فلسفہ وحکمت کی اعلیٰ پایے کی بحثیں ہیں، جو عالمانہ بھی ہیں اور دلچسپ بھی، ایک دوسرے پر عالمانہ چوٹیں بھی ہیں، اور احترام وقدر شناسی کا اظہار بھی، فلسفہ ومنطق کی تھوڑی بہت شُد بد راقم سطور کو بھی ہے، میں نے ان رسائل کا مطالعہ کیا اور محظوظ ہوا، دل چاہتا تھا کہ ان مباحث میں سے بعض کی تلخیص پیش کی جائے، مگر اب نہ ان مباحث میں دلچسپی لینے والے باقی رہے اور نہ ان کو سمجھنے والے ع

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

لہٰذا ہم اس سے صرف نظر کر رہے ہیں۔

ہدیہ سعیدیہ پر اعتراضات:

علامہ فضل حق خیرآبادی (یا ان کے تلامذہ) نے جب مفتی سعد اللہ مرادآبادی کے حواشی صدرا پر اعتراضات کیے تو بھلا مفتی صاحب کیوں خاموش رہتے، انہوں نے جواب آں غزل کے طور پر علامہ کی مشہور کتاب ''الھدیۃ السعیدیۃ فی الحکمۃ الطبیعیۃ'' کی بعض عبارتوں پر ۱۵/اعتراضات کر دیے، ان اعتراضات کے جواب میں علامہ کے تلامذہ نے قلم اٹھایا، اور اپنے استاذ کے دفاع کا حق ادا کر دیا، اس سلسلے میں علامہ کے تلامذہ کی جانب سے جو جوابات سامنے آئے وہ مندرجہ ذیل ہیں (یہ صرف وہ جوابات ہیں جن کے قلمی نسخے کتب خانہ قادریہ میں موجود ہیں، ممکن ہے ان کے علاوہ بھی رسائل تصنیف کیے گئے ہوں)

رسالہ مولانا فیض الحسن سہارنپوری در جواب مفتی سعد اللہ مرادآبادی

مولانا فیض الحسن سہارنپوری (م: ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۷ء) علامہ کے مایۂ ناز تلامذہ میں سے ہیں، علامہ کے علوم ادبیہ سے آپ کو وافر حصہ ملا تھا، عربی کے بلند پایہ شاعر اور ادیب تھے، بقول سید سلیمان ندوی ''اس پایہ کے ادیب تھے کہ خاک ہند نے صدیوں میں شاید ہی کوئی اتنا بڑا امام الادب پیدا کیا ہو'' (حیات شبلی: ص ۸۰)۔ آپ کے تلامذہ میں پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری (وفات: ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء) اور علامہ شبلی نعمانی (وفات

:۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء) کا نام قابل ذکر ہے، آپ نے مفتی سعد اللہ مرادآبادی کے اعتراضات کے جواب میں قلم اٹھایا، اور اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف ۳/اوراق میں اعتراضات کا جواب دیا ہے، یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔

تقریر جواب ایرادات مفتی سعد اللہ مرادآبادی

یہ مولانا ہدایت علی بریلوی (م۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) کا رسالہ ہے، آپ بھی علامہ فضل حق خیرآبادی کے تلمیذ رشید ہیں، مفتی سعد اللہ صاحب کے مذکورہ پندرہ اعتراضات کے جواب میں آپ نے قلم اٹھایا، آپ نے قدرے تفصیل سے کام لیتے ہوئے جوابات قلم بند کیے ہیں، یہ رسالہ عربی میں چھوٹی تقطیع کے۱۴/اوراق پر مشتمل ہے، رسالے کے بعض مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ علامہ کی حیات ہی میں تصنیف کیا گیا ہے۔

رسالہ مولانا سلطان حسن بریلوی:

مولانا سلطان حسن عثمانی بریلوی صدرالصدور (م:۱۲۹۸ھ) ابن مولانا محمد حسن بریلوی بدایوں کے مشہور خاندان شیوخ عثمانیہ کے چشم و چراغ تھے، آپ کے دادا مفتی ابوالحسن عثمانی بدایونی مفتی عدالت محکمہ افتا بریلی ہوکر صدرالصدور کے عہدے تک پہنچے اور بدایوں سے ترک سکونت اختیار کر کے مستقل بریلی میں قیام پذیر ہوگئے، مولانا سلطان حسن اوران کے والد کے نام کے ساتھ ''خان'' بھی لکھا جاتا ہے جو آپ کا نسب نہیں بلکہ لقب ہے، مولانا ضیاءالقادری لکھتے ہیں:

> جملہ علوم وفنون میں دستگاہ کامل رکھتے تھے، استاذ مطلق حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی کے مشہور تلامذہ میں تھے، جلیل القدر عہدوں پر مامور رہے، صدرالصدوری سے پنشن پائی، مفتی سعد اللہ صاحب مرادآبادی اور آپ سے علمی چھیڑ چھاڑ رہتی تھی چنانچہ دونوں صاحبوں کا ایک زبردست مکالمہ رسالہ کی صورت میں چھپا ہے۔ (اکمل التاریخ: ج۱/ص۴۲)

کتب خانہ قادریہ میں بزبان فارسی ''سلوۃ الفواد فی شرح بانت سعاد'' (مطبع الٰہی آگرہ) کے نام سے آپ کا ایک رسالہ موجود ہے، مفتی سعد اللہ مردآبادی کے جواب میں آپ نے بھی قلم اٹھایا، اور علامہ کے دفاع میں ایک رسالہ تصنیف کیا، یہ رسالہ ہدیہ سعیدیہ کے ساتھ

بطور ضمیمہ آج بھی شائع ہو رہا ہے، یہ رسالہ علامہ کی وفات کے بعد تصنیف کیا گیا ہے، ہمارے قلمی نسخے کے آخر میں ''بماہ ذی قعدہ ۱۲۸۵ھ'' درج ہے، ابتدا میں علامہ کے نام کے ساتھ ''اسکنہ اللہ فی اعلیٰ علیین'' سے بھی یہی ظاہر ہے۔ ہدیہ سعیدیہ کے دفاع سے متعلق سابق الذکر تینوں رسائل کے مخطوطے کتب خانۂ قادریہ میں موجود ہیں۔

تقریظ منتہی المقال پر تنقید:

مفتی صدرالدین آزردہ کی کتاب منتھی المقال فی شرح حدیث لا تشدالرحال (سنہ تصنیف ۱۲۶۴ھ) پر علامہ فضل حق خیرآبادی اور مفتی سعداللہ مرادآبادی نے تقریظیں تحریر فرمائیں، یہ دونوں تقریظیں عربی میں ہیں، اور بہترین عربی نثر کا نمونہ ہیں، کسی صاحب نے مفتی سعداللہ مرادآبادی کی تقریظ پر ازروئے زبان وادب کچھ اعتراضات کیے، مفتی صاحب نے جب ان اعتراضات کو دیکھا تو آپ نے گمان کیا (اس ''حسن ظن'' کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور رہی ہوگی) کہ یہ اعتراضات علامہ فضل حق خیرآبادی کے ہیں جو انہوں نے کسی دوسرے کے نام سے مشتہر کیے ہیں، مفتی صاحب نے اس کے جواب میں رسالہ لکھ کر ان اعتراضات کو رفع کیا اور ساتھ ہی علامہ فضل حق خیرآبادی کی تقریظ پر بھی کچھ اعتراضات کر ڈالے، مفتی صاحب کے اس رسالہ کے جواب میں علامہ کے ایک شاگرد نے قلم اٹھایا انہوں نے اگرچہ ان اعتراضات کو ''شبہات سخیفہ'' قرار دیا اسی وجہ سے ان اعتراضات کی نسبت علامہ کی طرف کرنے کو علامہ پر افترا کہا، مگر وہ مفتی صاحب کے جوابات سے بھی مطمئن نہیں ہوئے، ان اعتراضات اور ان کے جوابات دونوں کو انہوں نے ''مکابرات فاضحہ، مجادلات فاحشہ، وہمیات جزافیہ اور تمویہات اباطیل کا ذبہ'' قرار دے دیا، مصنف رسالہ نے پہلے یہ دکھایا ہے کہ مفتی صاحب کے جوابات قابل اطمینان نہیں ہیں اور وہ ''تقریب تام'' نہیں کر سکے، اس کے بعد علامہ کی تقریظ سے متعلق مفتی صاحب کے اعتراضات کا جواب دیا ہے، اس رسالے پر مصنف کا نام نہیں ہے، ہمارا قیاس ہے کہ یہ رسالہ مولانا سلطان حسن بریلوی کا ہے۔ رسالہ عربی میں ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ میں محفوظ ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، یہ چھوٹے سائز میں ۱۳؍اوراق پر مشتمل ہے۔

قصیدے پر تنقید اور جواب تنقید:

علامہ فضل حق خیر آبادی نے زمانہ قیام لکھنؤ میں منتظم الملک نواب علی نقی خان بہادر سہراب جنگ (وزیر ریاست اودھ) کی مدح میں ۵۰/اشعار پر مشتمل ایک عربی قصیدہ نظم کیا، ایک بار پھر مفتی سعداللہ مرادآبادی میدان میں آئے اور اس قصیدے کے رد میں ایک رسالہ قلم بند فرمادیا، انہوں نے اپنے رسالے میں اس قصیدے پر کئی جہت سے مختلف اعتراضات کیے، ان میں کچھ اعتراضات عروض وقوافی سے متعلق تھے، اور کچھ اعتراضات لغوی اور بلاغی تھے، یہاں تک تو غنیمت تھا مگر مفتی صاحب نے اسی رسالے میں علامہ پر یہ الزام بھی لگا دیا کہ انہوں نے اس قصیدے میں سرقہ کیا ہے، لکھتے ہیں: (۳۳)

> ترجمہ: لطف کی بات یہ ہے کہ چند برس پہلے ایک بزرگ یہ قصیدہ فقیر کے پاس لائے تھے اور بتایا کہ علمائے مغرب (مراقش) میں سے ایک عالم نے یہ قصیدہ ایک نصرانی حاکم ہاگنس کی تعریف میں کہا تھا، قصیدے کے آخر میں سنہ ۱۲۵۴ھ درج تھی، مگر مولانا (فضل حق خیرآبادی) نے اس میں کچھ تبدیلی کی ہے، اس لیے کہ اُس قصیدے کا مطلع یوں تھا

وافت بشائر بالنفس — ومضیٰ زمان قد عبس

اور مولانا نے اس کو یوں کر دیا

وافت بشیرا بالنفس

اسی طرح مفتی صاحب نے کئی اشعار کا تقابل کر کے دکھایا ہے کہ اس مغربی شاعر نے یہ کہا تھا علامہ نے مصرع یوں کر دیا۔ مفتی صاحب کے اس رسالے کے جواب میں علامہ کے ایک شاگرد نے کمان سنبھالی اور مفتی صاحب کے جواب میں بزبان فارسی ایک رسالہ قلم بند کیا، اس رسالے میں اولاً تو مفتی صاحب کے ایرادات کا جواب دیا گیا اس کے بعد سرقے کے الزام کی تحقیق کی گئی کہ علامہ جیسے قادرالکلام شاعر، عربی زبان وادب کے ماہر پر سرقے کا الزام ایک لطیفے سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اور پھر ''اس قصیدے کا شاعر (علامہ) خود موجود ہے اور آج بھی وہ متقدمین اصحاب معلقات کی طرح قصائد نظم کر رہا ہے لہٰذا ایسے شاعر

پر سرقے کی تہمت لگانا حسد کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے''، پھر مصنف نے جواب آں غزل کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے لکھا کہ اہل عقل ودانش پر یہ بات ظاہر ہے کہ صرف ایک حاسد ومعاند کے دعوی کرنے سے عقل سلیم سرقے کے الزام کو قبول نہیں کرسکتی، ورنہ خود حضرت معترض کا قافیہ تنگ ہوجائے گا کیوں کہ کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ مفتی سعداللہ مرادآبادی نے مفتی آزردہ کی کتاب منتہی المقال پر جوتقریظ لکھی ہے یہ بالکل وہی تقریظ ہے جو علمائے ہند میں سے ایک عالم نے مولانا شیخ الاسلام کی کتاب پر ۹۰۱ھ میں لکھی تھی، ایک زمانہ پہلے یہ تقریظ فقیر کی نظر سے گزری تھی، مگر مفتی صاحب نے اس میں معمولی تصرف اور تبدیلی کی ہے، مثلاً اُس تقریظ میں یہ تھا:

ان اجمل ما ینمقه الاقلام و افضل ما یتوشح به صدر الکلام حمدا

لملك العزيز العلام ذی الفضل العظيم كثير الانعام

مگر آنجناب نے اس میں تصرف کرکے یوں لکھ دیا:

ان احسن ما ینمقه الاقلام وازین ما یتوشح به صدر الکلام ثناءا

لملك العزيز العلام ذی الفضل العظيم غزير الانعام

اسی طرح متعدد عبارتوں کا تقابل کیا گیا ہے، ایک مثال دے کر لکھتے ہیں کہ اس میں سرقہ در سرقہ ہے کیوں کہ یہ عبارت دسویں صدی کے ایک عالم کی تھی مگر مفتی صاحب نے اس میں جو تصرف کیا وہ بھی ان کا اپنا نہیں ہے بلکہ علامہ سعدالدین تفتازانی کے ایک رسالے کا جملہ ہے۔

پھر مفتی صاحب کی ''اغلاط صریحہ'' جو ایک ''سرسری نظر'' میں ظاہر ہوئی ہیں ان کو بیان کیا گیا ہے، جن میں سے بعض مفتی سعداللہ کے ایک رسالے غایۃ البیان فی معنی السبحان سے متعلق ہیں اور بعض تقریظ منتہی المقال سے، رسالہ ختم کرتے کرتے مصنف نے یہ اعلان بھی ضروری سمجھا کہ ''ان شاءاللہ العزیز عنقریب فہرست اغلاط مولانا درنظم ونثر عربیہ ومطالب علمیہ درست کردہ خواہد شد''۔ اس رسالے پر بھی مصنف کا نام نہیں ہے، مگر ہمارا خیال ہے کہ یہ بھی مولانا سلطان حسن بریلوی کا ہے۔ یہ بھی کتب خانہ قادریہ میں موجود ہے، چھوٹی تقطیع کے ۱۵/ اوراق پر مشتمل ہے، ایک صفحے میں ۱۴/ سطریں ہیں۔

شرح ضابطہ تہذیب پر اعتراض: منطق کے ابتدائی متن تہذیب المنطق☆ کی بحث ضابطہ شرائط اشکال اربعہ معرکہ آرا خیال کی جاتی ہے، مفتی سعد اللہ صاحب نے اس بحث کے حل کے لیے ''شرح ضابطہ تہذیب'' قلم بند کی، ادھر علامہ کے شاگرد مولانا سلطان حسن بریلوی نے بھی ''غایۃ التقریب فی ضابطۃ التھذیب '' نامی رسالہ لکھا، جس میں انہوں نے ضابطہ تہذیب کی شرح کے دوش بدوش مفتی سعد اللہ صاحب کی شرح پر بھی جابجا گرفتیں کیں، (برصغیر کے علمائے معقولات: ص۴۲/۴۳) یہ رسالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا، معلوم نہیں کہ اس کے جواب میں مفتی صاحب نے کچھ لکھا یا نہیں۔

☆☆☆

☆ تہذیب المنطق علامہ سعد الدین تفتازانی (وفات: ۷۹۲ھ/۱۳۹۰ء) کا مشہور متن ہے، اس کی متعدد شروحات ہیں، جن میں عبداللہ یزدی (وفات: ۱۰۱۵ھ/۱۶۰۶ء) اور ملا جلال محقق دوانی (وفات: ۹۰۷ھ/۱۵۰۱ء) کی شرح تہذیب مشہور ہیں، اول الذکر شرح تہذیب درس نظامی کے ابتدائی درجات میں اب بھی داخل ہے، آخر الذکر جس کو ''ملا جلال'' کہا جاتا تھا اب سے کچھ عرصہ قبل تک نصاب میں شامل تھی، اب خارج نصاب کردی گئی، ملا جلال پر علامہ میر زاہد ہروی (وفات: ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء۱۷۰۰ء) نے حاشیہ تحریر فرمایا، جو ''میر زاہد ملا جلال'' کے نام سے مشہور ہوا، یہ بھی کچھ دہایوں پہلے تک داخل نصاب تھا، تہذیب المنطق میں علامہ سعد نے اشکال اربعہ کی شرائط انتاج کا ضابطہ نہایت اختصار کے ساتھ صرف دو تین سطروں میں لکھ دیا ہے، ان چند سطروں کو حل کرنا بھی علما کا دلچسپ مشغلہ قرار پایا، چنانچہ متعدد علما نے ضابطہ تہذیب کی شرح میں رسائل لکھے، ہمارے کتب خانے میں شرح تہذیب کا ایک نسخہ (مطبع علوی لکھنؤ ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ھ) ہے جس کے آخر میں مندرجہ ذیل حضرات کی شرح ضابطہ تہذیب شائع کی گئی ہے: مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی، مفتی سعد اللہ مرادآبادی، مولانا مرزا جان، مولانا ابوالفتح، مولانا شیخ الاسلام، مولانا ابوالخیر، مولانا فتح اللہ، بحرالعلوم مولانا عبدالعلی، مولوی بزرگ علی۔ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کا رسالہ ''خلاصۃ البیان العجیب فی شرح ضابطۃ التھذیب '' آج بھی شرح تہذیب کے ساتھ شائع ہوتا ہے، مولانا عبدالسلام کے بقول ''مولانا سلطان حسن بریلوی نے غایۃ التقریب میں مفتی سعد اللہ صاحب کے علاوہ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی کے رسالے پر بھی گرفتیں کی ہیں''۔ (برصغیر کے علمائے معقولات: ص۴۲/۴۳)

علامہ فضل حق خیرآبادی کے علمی معرکے

متقدمین یا معاصرین سے علمی بنیادوں پر اختلاف رائے کوئی حیرت کی بات نہیں ہے، اسی طرح کسی عالم کی تحقیق پر نقد ونظر بھی علمی و تحقیقی میدان میں کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے، بڑے بڑے ائمہ وعلما کی آرا سے دوسرے علما نے اختلاف رائے بھی کیا ہے اوران پر نقد ونظر بھی، علامہ فضل حق خیرآبادی نے بھی اپنے معاصرین یا متقدمین سے اختلاف رائے کیا، اور بہت سے علما نے خود علامہ کی تحقیقات پر نقد ونظر کیا، جس کے نتیجے میں علمی اور قلمی معرکہ آرائی کی نوبت آگئی، علامہ کے علمی اور قلمی معرکوں کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ علامہ کے معرکے تین قسم کے ہیں:

(۱) علامہ کے بعض معرکے اصول عقائد میں اختلاف کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے، یہ اختلاف محض فرعی یا فقہی نہ تھا بلکہ اس کے نتیجے میں بات کفر واسلام تک پہنچی، ان معرکوں میں اسلامی اور شرعی نقطۂ نظر سے فریقین میں سے صرف ایک حق پر تھا، جیسا کہ شاہ اسماعیل دہلوی اور سید حیدر علی ٹونکی کے ساتھ علامہ کا اختلاف۔

(۲) دوسرے قسم کی معرکہ آرائی وہ ہے جو منطق وفلسفہ کے بعض مسائل ومباحث کی تشریحات اور علوم ادبیہ میں صواب اور غیر صواب تک محدود ہے، یہ محض علمی اختلاف تھا جس میں کہیں نہ کہیں معاصرانہ چشمک کو بھی دخل ہے، اس کی مثال میں وہ معرکے پیش کیے جا سکتے ہیں جو علامہ اور مفتی سعداللہ مرادآبادی کے درمیان ہوئے۔

(۳) تیسرے وہ معرکے جن کا تعلق نہ تو براہ راست عقائد ونظریات سے تھا اور نہ ہی اس میں معاصرانہ چشمک کو دخل تھا، بلکہ یہ معرکے محض ذہنی وفکری انجلا یا ''تفنن طبع'' کے لیے برپا کیے گئے

تھے، یا پھر آپس میں کسی مسئلے کی مخلصانہ افہام وتفہیم کی خاطر وجود میں آئے تھے، مثلاً وہ علمی معرکہ جو عقول مجردہ میں لزومات اعتباریہ کے سلسلہ میں علامہ، مفتی آزردہ اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے درمیان معرض وجود میں آیا، یا پھر وہ معرکہ جو قائل امکان کذب کے حکم شرعی کے سلسلے میں مفتی آزردہ سے ہوا (ان کی تفصیلات آگے آ رہی ہیں)

شاہ اسماعیل دہلوی، سید حیدر علی ٹونکی اور مفتی سعد اللہ مراد آبادی کے ساتھ علامہ اور ان کے تلامذہ کے علمی اور قلمی معرکوں کی تفصیل آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں، یہاں ہم کچھ اور علمی معرکوں کا تذکرہ کریں گے۔

شیعہ مجتہد سے مناظرہ: علامہ فضل حق خیرآبادی بچپن ہی میں نہایت ذہین اور حاضر جواب تھے، زمانہ طالب علمی میں علامہ کے ایک مناظرے کا قصہ مشہور ہے، مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے لکھا ہے:

> تواتر سے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے جب ردشیعہ میں تحفہ اثنا عشری محققانہ انداز میں تحریر فرمائی تو شیعان ہند کی طرح اہل تشیع ایران میں بھی ہیجان پیدا ہوا ایران سے میر باقر داماد صاحبِ افق مبین کے خاندان کا متبحر عالم ومجتہد اونٹوں پر کتب فریقین بار کر کے شاہ صاحب سے مناظرے کے لیے دہلی پہنچا خانقاہ میں داخل ہونے پر شاہ صاحب نے فرائض میزبانی ادا فرماتے ہوئے مناسب جگہ قیام کے لیے تجویز فرما کر رخت سفر کھلوایا، شام کو فضل حق حاضر ہوئے تو شاہ صاحب کو مصروف مہمان نوازی دیکھ کر کیفیت معلوم کی، تھوڑی دیر حاضر خدمت رہ کر بعد مغرب مجتہد صاحب کی خدمت میں پہنچے، مزاج پرسی کے بعد کچھ علمی گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیا، مجتہد صاحب نے پوچھا ''میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو؟'' عرض کیا ''شرح اشارات، شفا اور افق مبین وغیرہ دیکھتا ہوں''، مجتہد صاحب کو بڑی حیرت ہوئی، افق المبین کی کسی عبارت کا مطلب پوچھ لیا، علامہ نے ایسی مدلل تقریر کی کہ متعدد اعتراضات صاحبِ

افق المبین پر کر گئے، معزز مہمان نے اعتراضات کی جواب دہی کی کوشش کی تو ان کو جان چھڑانا اور بھی دوبھر ہوگئی، جب خوب عاجز کرلیا تو اپنے شبہات کے ایسے انداز میں جوابات دئے کہ تمام ہمراہی علما بھی انگشت بدنداں ہو گئے، آخر میں آپ نے یہ بھی اظہار کر دیا کہ حضرت شاہ صاحب کا ادنیٰ خادم اور کفش بردار ہوں، اور اظہار معذرت کرتے ہوئے رخصت ہوئے، علمائے ایران نے اندازہ کرلیا کہ اس خانقاہ کے بچوں کے علم وفضل کا جب یہ عالم ہے تو خود شیخ خانقاہ کا کیا عالم ہوگا، صبح کو جب خیریت طلبی مہمان کے لیے شاہ صاحب نے آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ آخر شب میں دہلی ہی سے روانہ ہو چکے ہیں۔(باغی ہندوستان ص ۱۴۵/۱۴۶)

ہمارے ایک معاصر محقق نے بعض شبہات کی بنیاد پر اس واقعہ کی صحت سے انکار کیا ہے، ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) یہ واقعہ سب سے پہلے مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے باغی ہندوستان میں لکھا ہے، اس کا کوئی حوالہ بھی نہیں دیا، اور نہ اس سے پہلے یہ واقعہ کسی اور کتاب میں لکھا گیا، اس واقعہ کے تقریباً ڈیڑھ سو سال کے بعد اچانک شیروانی صاحب یہ واقعہ لے کر نمودار ہوتے ہیں اور وہ بھی بلا حوالہ، لہٰذا اس پر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے۔

(۲) واقعے کا افسانوی انداز بھی اس کو کمزور کر رہا ہے، مثلاً مجتہد صاحب اونٹوں پر کتب فریقین بار کر کے ایران سے دہلی پہنچے۔

(۳) جو آدمی ایسے کروفر کے ساتھ آیا ہو کہ ساتھ میں اونٹوں پر کتابیں بار ہوں وہ رات کی تاریکی میں ایسی خاموشی سے روانہ ہو گیا کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہوئی،

(۴) یہ بات تھوڑی سی غیر فطری معلوم ہوتی ہے کہ شیعہ مجتہد شاہ صاحب سے مناظرہ کرنے کے لیے آئے اور خود شاہ صاحب کے گھر پر ہی قیام پذیر ہو گئے، جب کہ دہلی میں اس وقت شیعہ علما بھی موجود تھے اور شیعہ امرا بھی۔

(۵) علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب کے بقول اس وقت علامہ کی عمر ۱۲/سال

تھی، ۱۲؍برس کے کسی نوعمر کا افق مبین جیسی کتاب میں ایک متبحر اور مجتہد کو زیر کر دینا بھی کچھ غیر فطری سا ہے، جس سے عقیدت مندانہ غلو ظاہر ہو رہا ہے۔

ہم نے یہ دلائل بغور دیکھے مگر ہمیں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی جس کی بنیاد پر اس واقعہ کی صحت میں شبہ کیا جائے۔ان دلائل کو اگر تحقیق وتنقید کے میزان پر تولیں تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

علامہ کی تفصیلی سوانح کے سلسلہ میں باغی ہندوستان نقش اول کی حیثیت رکھتی ہے، اس سے پہلے باقاعدہ کوئی تفصیلی سوانح نہیں لکھی گئی، اس لیے علامہ کی زندگی کے بہت سے واقعات علامہ کے تلامذہ در تلامذہ کی زبانوں پر ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل ہوتے رہے، مگر لکھے نہیں گئے، صرف یہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ بے شمار واقعات ایسے ہیں جو پہلی مرتبہ باغی ہندوستان ہی میں لکھے گئے ورنہ اس سے پہلے وہ صرف زبانوں پر تھے، لہٰذا محض اس بنیاد پر کسی واقعے میں شک نہیں کیا جاسکتا کہ وہ باغی ہندوستان سے پہلے کسی کتاب میں نظر نہیں آیا، ہاں اس میں دوسرے داخلی یا خارجی شواہد پر غور کیا جاسکتا ہے۔ پھر یہ کہ شیروانی صاحب نے لکھا ہے کہ ''تواتر سے یہ روایت پہنچی ہے''، یہاں محدثین کا اصطلاحی تواتر مراد نہ بھی ہو تو بھی ''شہرت واستفاضے'' سے کم تو نہ ہوگا۔

زمانہ طالب علمی میں علامہ کا شاہ صاحب کی خانقاہ میں آنا جانا اور اس کم عمری میں حاضر جواب، ذہین وفطین اور وسیع المطالعہ ہونا ایک معاصر شہادت سے ثابت ہے، حضرت غوث علی شاہ پانی پتی مولانا فضل امام کے شاگرد ہیں، علامہ کے ہم عصر اور زمانہ دہلی کے ساتھی، ان کا بیان ہے کہ:

> ایک روز کا ذکر ہے کہ مولوی فضل حق صاحب نے ایک قصیدہ عربی زبان میں امراء القیس کے قصیدے پر کہا اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے خدمت میں لائے، شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا، اس کے جواب میں انہوں نے بیس شعر متقدمین کے پڑھ دیے، جناب مولوی فضل امام صاحب نے فرمایا کہ بس حد ادب، انہوں نے جواب دیا کہ حضرت یہ

کوئی علم تفسیر وحدیث تو ہے نہیں یہ فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا
بات ہے، شاہ صاحب نے فرمایا کہ برخوردار تو سچ کہتا ہے، مجھ کو سہو ہوا تھا۔
(تذکرہ غوثیہ: ص ۱۳۰/۱۳۱)

اس معاصر شہادت سے اتنا تو ثابت ہوتا ہے کہ اس کم عمری میں علامہ قوت حفظ، وسعت مطالعہ اور حاضر جوابی میں اس حد تک تو پہنچ ہی گئے تھے کہ ایک مقام پر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کو بھی ''سہو'' کا احساس ہوگیا۔ لہٰذا اگر اس واقعے کی روشنی میں مجتہد والا واقعہ پڑھیں تو اس میں کوئی بات ''غیر فطری'' نظر نہیں آتی، باقی یہ کہ واقعہ کی تفصیلات میں بعض جملوں کا افسانوی انداز کا ہونا، تو یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں واقعات کی نقل وحکایت میں عموماً ایسا ہوجاتا ہے، اس سے اصل واقعے کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

عقول مفارقہ میں لزومات اعتباریہ پر ایک علمی معرکہ: علامہ فضل حق خیرآبادی، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی اور مفتی صدرالدین آزردہؔ علم ودانش کے اس مثلث کے احوال اور باہم مراسم خلوص ومحبت کا تذکرہ آپ گزشتہ صفحات میں ملاحظہ کرچکے ہیں، ان تینوں حضرات کے درمیان کم از کم دو مرتبہ علمی مباحثہ ہوا جو مکاتیب کی شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہے، ان میں سے ایک معرکہ عقول مجردہ میں لزومات اعتباریہ کی تحقیق کے سلسلے میں تھا، جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

علامہ نے علم فلسفہ کے ایک مسئلہ کے سلسلہ میں ایک علمی شبہ وارد کیا، سب سے پہلے آپ نے اپنے بے تکلف دوست مفتی صدرالدین آزردہؔ کو اس شبہ کے حل کی دعوت دی، مفتی صاحب نے اس کا حل پیش کیا جس کو علامہ نے دلائل سے رد کردیا، اس کے بعد مولانا محمد حسن خاں بریلوی صدر الصدور☆ نے اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی، علامہ فضل حق خیرآبادی نے مولانا محمد حسن بریلوی کے جواب کو بھی رد کردیا، اس کے بعد مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے اس میدان میں قدم رکھا، اس مسئلہ پر علامہ اور مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے درمیان متعدد خطوط کا تبادلہ ہوا، یہ تمام

☆ مولانا محمد حسن خاں بریلوی ابن مفتی ابوالحسن عثمانی، بدایوں کے مشہور خاندان عثمانی سے تعلق تھا، اپنے زمانے کے علما میں ممتاز مقام رکھتے تھے، علامہ فضل حق خیرآبادی کے مخلص احباب میں تھے، مختلف عہدوں پر فائز رہے، صدرالصدوری تک ترقی کی، ۱۲۷۲ھ میں وفات ہوئی، مولانا سلطان حسن بریلوی صدر الصدور آپ کے فرزند ہیں۔

خطوط ایک مجموعے کی شکل میں رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہیں۔فارسی مخطوطات کی فہرست میں اس مجموعہ کا نام''شبہ لزوم لزومات اعتباریہ فی العقول المجردہ'' درج ہے،اندارج نمبر۱۱۵۲ ہے۔

یہ مجموعہ بڑی تقطیع کے ۶۲/اوراق (۱۲۴/صفحات) پر مشتمل ہے،بعض صفحات میں ۱۷/سطریں ہیں بعض میں ۱۸/اور بعض میں ۱۹/۔اس مجموعے میں موجود خطوط کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱)شبہ از علامہ فضل حق خیر آبادی از:ورق ا/الف تا ورق ا/ب

(۲)جواب شبہ از مفتی صدرالدین آزردہ از:ورق ا/ب تا آخر ورق ا/ب

(۳)جواب الجواب از علامہ فضل حق خیر آبادی از:ورق ا/ب تا ورق ۶/الف

(۴)جواب شبہ از مولانا محمد حسن خاں بریلوی صدرالصدور از:ورق ۶/الف تا ورق ۷/الف

(۵)جواب الجواب از علامہ فضل حق خیر آبادی از:ورق ۷/الف تا ورق ۸/ب

(۶)جواب شبہ از مولانا فضل رسول بدایونی از:ورق ۹/الف تا ورق ۱۳/الف

(۷)جواب دیگر از مولانا فضل رسول بدایونی از:ورق ۱۳/ب تا ورق ۱۵/ب

(۸)جواب الجواب از علامہ فضل حق خیر آبادی از:ورق ۱۵/ب تا ورق ۲۵/ب

(۹)تردید جواب الجواب از مولانا فضل رسول بدایونی از:ورق ۲۵/ب تا ورق ۳۸/الف

(۱۰)جواب الجواب ثانی از علامہ فضل حق خیر آبادی از:ورق ۳۸/الف تا ورق ۴۰/الف

(۱۱)تردید جواب الجواب ثانی از مولانا فضل رسول بدایونی از:ورق ۴۰/ب تا ورق ۵۹/ب

(۱۲)تردید التردید از علامہ فضل حق خیر آبادی از:ورق ۶۰/الف تا ورق ۶۲/ب

ان مکاتیب میں مولانا فضل رسول بدایونی کے جواب شبہ نمبر۶ کے علاوہ باقی مکاتیب فارسی میں ہیں حضرت کا یہ جواب شبہ عربی میں ہے،ہاں البتہ کئی مکاتیب میں تمہید عربی میں رقم کی گئی ہے باقی مکتوب فارسی میں ہے۔ان مکاتیب میں تاریخ وسنہ درج نہیں ہے،اس لیے ان کے زمانے کا تعین نہیں کیا جاسکا۔

ان مکتوبات کی علمی وفنی اہمیت ووقعت اپنی جگہ مگر یہ اس زاویہ سے بھی قابل توجہ ہیں کہ اکابر علما میں باہم کتنا احترام ولحاظ ہوا کرتا تھا،ان خطوط میں جن الفاظ میں اور جس اسلوب میں

ان حضرات نے ایک دوسرے کو مخاطب کیا ہے وہ آج ہمارے لیے ایک عمدہ مثال ہے۔

علامہ کا شبہ اور اس علمی معرکے کے بارے میں بعض تفصیلات درج ذیل ہیں:

شبہ لزومات اعتباریہ: علامہ فضل حق خیرآبادی فرماتے ہیں:

لزومات اعتباریہ یا در عقول مفارقہ متحقق باشند یا نہ؟ علی الثانی لازم می آید کہ ایں لزومات در نفوس متحقق باشند و در (لفظ نہیں پڑھا جا سکا) متحقق نہ باشد، حال آنکہ بمقتضائے اصول فلاسفہ متحقق آنچہ در نفوس است در عقول مفارقہ ضروری ست، وعلی الاول از سہ شق خالی نیست۔

اول آں کہ لزومات مرتبہ غیر متناہیہ بالفعل در عقول مفارقہ متحقق باشند وایں خود محال است کہ ایں تسلسل در امور غیر متناہیہ بالفعل متعددہ ومرتبہ بالفعل است ومرتب در (لفظ نہیں پڑھا جا سکا) ضرور است۔

دوم آں کہ لزومات متناہیہ بہ تناہی (لفظ نہیں پڑھا جا سکا) چنانچہ در نفوس بشر متحقق اند در عقول مفارقہ ہم متحقق باشند، ایں ہم محال است چہ از اصول فلاسفہ است کہ کمالات عقول عالیہ ہمہ بالفعل اند وتعاقب وتجدد در کمالات آنہا کہ متعالی از مادہ وزمان اند ممکن نیست۔

سوم آں کہ لزومات متناہیہ بہ تناہی معین است در عقول عالیہ متحقق باشند وایں ہم محال است زیرا کہ (لفظ نہیں پڑھا جا سکا) یک لزوم بالائے آں حد معین است در ادراک نفوس بلا شبہ ممکن است و بارائے آں (لفظ نہیں پڑھا جا سکا) آں بالائے آں حد معین است در عقول عالیہ ہم ضروریست (لفظ نہیں پڑھا جا سکا) بعلوم النفوس پس تناہی معین را در آنہا امکان نیست (شبہ لزومات اعتباریہ در عقول مفارقہ: ورق الف ۱)

اس شبہ کے حل کے لیے بدایوں سے مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے ایک طویل مضمون عربی میں تحریر فرمایا، اس طویل مضمون کے آخر میں جامع مکاتیب لکھتے ہیں: (۳۴)

ترجمہ: یہاں ختم ہوا ان علامہ کا خط جو اطراف واکناف میں مشہور ہیں، اور

مدح وتعریف سے بے نیاز ہیں،فروع واصول کے اسرار سے واقف اور معقول ومنقول کے رموز کے کھولنے والے ہیں،یعنی مولانا ومرشدنا مولوی فضل رسول،اللہ ان کے فضل کا سایہ مریدین کے سروں پر سلامت رکھے(مرجع سابق:ورق ۱۳/ب)

چونکہ اس جواب شبہ میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے علامہ کو مخاطب نہیں کیا تھا بلکہ عمومی انداز میں علامہ کے شبہ کا جواب رقم کیا تھا جب علامہ سے اس کے جواب کا مطالبہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس میں چونکہ مجھے مخاطب نہیں کیا گیا ہے اس لیے میں اس کا جواب نہیں دوں گا،پھر حضرت نے علامہ کو مخاطب کر کے تقریباً ۵/صفحات میں علامہ کے قائم کردہ شبہ کا جواب دیا،جامع مکاتیب لکھتے ہیں:(۳۵)

ترجمہ:حضرت معترض نے اس تحریر کو ملاحظہ فرمانے کے بعد فرمایا کہ ''مجیب نے تحقیق فرمائی ہے مگر ہمیں مخاطب نہیں کیا ہے،اگر ہم سے خطاب کرتے تو ہم جواب لکھتے''اس وجہ سے بعض اصرار کرنے والوں کے اصرار پر براہ راست مخاطب کر کے جواب تحریر کیا گیا(مرجع سابق:ورق ۱۳/ب)

مولانا شاہ فضل رسول بدایونی اپنے جواب کا آغاز ان الفاظ میں فرماتے ہیں:(۳۶)

ترجمہ:بسم اللہ الرحمن الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ اجمعین،فرمایا مولائے اعظم،سیدنا ومولانا المعظم نے جو اپنے زمانے کے امام،اپنے معاصرین کے رئیس وصدر ہیں،حکما میں اکمل،فضلا میں اجل،علما میں افضل ہیں،ہمارے زمانے میں زمانہ ان پر ناز وفخر کرتا ہے،خدا کی قسم ہمارے تصور وخیال میں بھی ان کی مثل نہیں ہے،ان کے معاصر پر ان کی فضیلت کا انکار کرنے والا یا تو جاہل ہے یا پھر مجنون ہے،ان کی امامت وصدارت کا انکار صرف حاسد اور طالح ہی کر سکتا ہے،ان کی تعریف میں زیادہ سے زیادہ کہنے والا بھی کم ہے،ان کے بے شمار اوصاف میں سے تھوڑے کو بیان کرنے والا بھی درماندہ اور تھکا ہوا

ہے، ریاست وصدارت والے، قوت قدسیہ کے مالک، استاذ مطلق مولوی فضل حق اللہ ان کا سایہ دراز کرے، ان کی عزت میں اضافہ کرے، ان کے حال اور ان کے انجام کو بہتر کرے (مرجع سابق: ورق ۱۳ / ب)

خط کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں: (۳۷)

ترجمہ: یہ اس شخص کا.......... ہے جس کو علم وحکمت سے کوئی مناسبت نہیں ہے، قلم کی قسم وہ تو تاریکیوں میں حیرت سے سرگرداں ہے، اس کا حال تو یہ ہے کہ وہ شرم کی وجہ سے اپنا نام بھی ذکر نہیں کر سکتا، اس لیے کہ جس کو علم وحکمت میں کوئی دخل نہ ہو اس کے اس میں دخل دینے سے سوائے مخلوق کی جانب سے مذاق اور استہزا کے اور کیا ہاتھ آئے گا، مولانائے اعظم (فضل حق خیرآبادی) کے اعتراض کا جواب دینے میں اس کا حال اس چٹان کے مشابہ ہے جو آسمان کی بلندیوں سے مقابلہ کرنا چاہتی ہو، اب اگر آپ کہیں کہ جو کچھ تم نے اپنے بارے میں کہا ہے وہ اگر درست ہے تو پھر تم نے ان کا جواب دینے کا قصد کیوں کیا؟ اگر یہ دکھاوا اور شہرت کی طلب نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ تو میں عرض کروں گا اور میرا کہنا بالکل درست ہے کہ مجھے اس معاملہ میں بعض سادات کرام کے اصرار نے ڈال دیا تو یہ جو کچھ میں نے کیا ہے یہ صرف ان کے حکم کی تعمیل ہے۔ (مرجع سابق: ورق ۱۵ / ب)

اس مکتوب کے جواب میں علامہ نے قلم اٹھایا اور تقریباً ۲۰ / صفحات میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کا جواب قلم بند فرمایا، علامہ فضل حق خیرآبادی اپنے جوابی خط میں حمد وصلاۃ کے بعد فرماتے ہیں: (۳۸)

ترجمہ: مجھے ایک معزز خط موصول ہوا جو بوئے مشک افزا ہے، جس کی نثر نے منظوم موتیوں کو بھی شرما دیا، اور جس کی خوشبو کو بادنسیم نے بکھیرا، جس میں جام تسنیم کی ایک شراب کی آمیزش ہے، ایسا جام جس میں کسی قسم کی لا یعنی بات اور گناہ میں ڈالنے کا شائبہ تک نہیں ہے، جس نے دل مضطر کو تسلی

دی، اور پیاسے کی پیاس بجھائی، اور بیمار کو شفا بخشی، اور مار گزیدہ کا علاج کیا، اور زخمی کو ٹھیک کر دیا، بلکہ قبر سے بوسیدہ ہڈی کو زندہ کر دیا، بے پناہ حسن وخوبی کے مخزن، تقوی اور پرہیز گاری کے فرد منفرد، بلند حوصلہ کے مالک بے مثال رہبر ورہنما، بہترین اخلاق کے حامل اور بلند قد وقامت والے کرم فرما، بردباری سے مزین اور علم سے آراستہ، فن کلام کے ماہر دانشمند، بیدار ذہن پاکیزہ مزاج والے، بے پناہ استنباط کی صلاحیت رکھنے والی ہستی، جس نے فروع کے استنباط کے گیسو سنوارے، پختہ اور بالغ نظر مجدد جو اصول کی بنیاد رکھنے میں کامل مہارت رکھتے ہیں، اس لیے معقولات کی عقدہ کشائی کی خاطر غیر معمولی عقل وخرد والا شخص بھی ان کی پناہ میں آتا ہے، اور مردان ذی ہوش ان کی خدمت میں پیدل چل کر حاضر ہوتے ہیں، یا لاغر سواری پر آتے ہیں، تا کہ منقول کی روایت میں شعور امتیاز پائیں، قبولیت کے دست وبازو کے مالک، ہمارے رہبر اور ہمارے مخدوم مولوی فضل رسول، اللہ تعالی انہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی عظمت والی اولاد کے صدقے میں تشنگان معرفت کی رہنمائی اور جوق در جوق آنے والوں کی امداد کے لیے ہمیشہ کشادہ سائبان اور خوشگوار آسائش میں رکھے. (مرجع سابق: ورق ۱۵/ب)

ان دونوں حضرات کی ایک دوسرے کے بارے میں مندرجہ بالا عبارتیں پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ حضرات باہم کیسے قدر و منزلت شناس تھے، حقیقت یہ ہے کہ ہیرے کی قدر جوہری ہی جانتا ہے۔

ان مکاتیب میں خالص علمی مباحث کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں ایک دوسرے پر محبت آمیز چوٹیں بھی ہیں مگر ان میں پھکڑ پن اور سطحیت نہیں ہے، بلکہ اس میں ایک دوسرے کے مقام ومرتبہ کا پاس ولحاظ صاف جھلکتا ہے، مثال کے طور پر ایک مقام پر حضرت نے محقق دوانی کے حاشیہ جدیدہ کی ایک عبارت یہ کہہ کر نقل فرمائی کہ:

ترجمہ: محقق دوانی حاشیہ جدیدہ میں لکھتے ہیں (مرجع سابق: ورق ۳۵/الف)

اس کے جواب میں علامہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاشیہ قدیمہ اور حاشیہ جدیدہ گو کہ آں جناب کے گھر میں موجود ہے مگر شاید اس کو آپ نے اب تک سمجھا نہیں ہے۔ (مرجع سابق: ورق ۴۰/الف)

علامہ کے اس طنز کے جواب میں حضرت فرماتے ہیں:

ترجمہ: حاشیہ قدیمہ اس فقیر کے کتب خانہ میں واقعی موجود ہے گو کہ حضرت معترض (علامہ فضل حق) کے حسن ظن کے مطابق واقعی اس احقر کو اس (کے معنی) کا فہم نصیب نہیں ہوا ہے، لیکن اس احقر کی نظر اس حاشیہ کے الفاظ پر ضرور پڑی ہے اور حضرت معترض کا اعتراض دفع کرنے اور ان کی غلطی ثابت کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے (مرجع سابق: ورق ۴۸/ب)

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ جن محقق دوانی کے حاشیہ کی ایک عبارت کے فہم میں ان دونوں حضرات میں بحث ہے ان محقق دوانی کی حیثیت مولانا شاہ فضل رسول کی نظر میں کیا ہے، ایک جگہ فرماتے ہیں:

محقق دوانی کہ باعتقاد مجیب مزیتے بر حضرت معترض نداشت (مرجع سابق: ورق ۳۳/ب)

ترجمہ: مجیب (فضل رسول) کی نظر میں محقق دوانی حضرت معترض (علامہ فضل حق) پر کوئی فضیلت نہیں رکھتے۔

استدراک: اس علمی معرکے کے بارے میں مَیں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ:

اس طرح یہ سلسلہ چلا اور آپس میں متعدد خطوط کا تبادلہ ہوا، یہ تمام خطوط فارسی میں ہیں اور رضا لائبریری رامپور کے شعبۂ مخطوطات میں ''رویۃ الشمالب والغرائب فی انشاء المکاتب'' کے نام سے ایک مجموعے میں محفوظ ہیں، آج سے ۱۲/۱۳ سال پہلے جب مجھے معقولات سے بہت زیادہ شغف

اور دلچسپی تھی تب میں نے رضا لائبریری میں دن بھر بیٹھ کر ان مکتوبات کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور لطف اٹھایا تھا، ان کی بہت سی تفصیلات میں نے ڈائری میں نوٹ کی تھیں، فی الحال وہ ڈائری پیش نظر نہیں ہے کہیں کتابوں میں دب گئی ہے اس لیے اس پر زیادہ کچھ نہیں لکھا جا سکتا، اس مجموعے کا نام بھی میں نے حافظے کی مدد سے لکھا ہے جس میں مجھے تأمل ہے۔(ماہنامہ جام نور دہلی شمارہ دسمبر ۲۰۱۰ء ص ۱۴)

اس کتاب کی ترتیب کے وقت میں نے دوبارہ رامپور جا کر ان مکاتیب کا مطالعہ کیا، جس سے واضح ہوا کہ اس مجموعے کا نام ''رویۃ الشمالب والغرائب فی انشاء المکاتب'' نہیں ہے، بلکہ (جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا کہ) یہ مجموعہ ''شبہ لزوم لزومات اعتباریہ فی العقول المجردہ'' کے نام سے فہرست میں درج ہے، رویۃ الشمالب مولانا حیدر علی فیض آبادی کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطئنا۔

قائل امکان کذب کی تکفیر کا قضیہ: اس کے علاوہ ان تینوں حضرات کے درمیان ایک اور تحریری مباحثہ کا پتہ چلتا ہے، اس مباحثہ کے اسباب کچھ یوں بنے کہ ۱۲۶۹ھ میں سید حیدر علی ٹونکی کی تکفیر کا جو فتویٰ دیا گیا تھا (جس کا ذکر پیچھے گزرا) اس میں چھٹے سوال کے جواب میں جو موقف اختیار کیا گیا تھا اس سے مفتی صدرالدین آزردہ نے جزوی طور پر اختلاف کیا، اور اپنے تأمل کا اظہار کیا، یہی تأمل اس سلسلہ مکاتبت کی وجہ بنا جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں، اس سلسلہ مکاتبت کی ایک نقل کتب خانہ قادریہ بدایوں میں محفوظ ہے جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ کل ۷/ خطوط ہیں، متوسط سائز پر ایک صفحے میں ۲۰ سطریں ہیں۔ مکتوبات کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) مکتوب مفتی آزردہ بنام علامہ فضل حق۔ (تقریباً ایک صفحہ)

(۲) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزردہ۔ (تقریباً ساڑھے چھ صفحات)

(۳) مکتوب مولانا شاہ فضل رسول بنام علامہ فضل حق۔ (ساڑھے پانچ صفحات)

(۴) مکتوب مفتی آزردہ بنام مولانا شاہ فضل رسول۔ (آدھا صفحہ)

(۵) مکتوب مفتی آزردہ بنام علامہ فضل حق۔ (تین صفحات)

(۶) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزردہ۔ (ڈیڑھ صفحہ)

(۷) مکتوب علامہ فضل حق بنام مفتی آزردہ۔ (دو صفحات)

اس تحریری مباحثے کی بعض تفصیلات ہم یہاں پیش کررہے ہیں، سابق الذکر علمی معرکے کی طرح یہاں بھی آپ دیکھیں گے کہ ان تینوں حضرات میں مرد مومن کی وہ شان نظر آتی ہے کہ

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

استفتا میں سوال کیا گیا تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کذب کو ممتنع بالذات نہ مانتا ہو بلکہ ممکن بالذات مانتا ہو اس کا کیا حکم ہے؟ جواب میں قائل کے کفر کا حکم دیا گیا تھا، مفتی صاحب کو اس میں یہ تأمل ہوا کہ ایسا شخص بلا شبہ ضال ومضل (گمراہ اور گمراہ گر) ہے مگر اس کی تکفیر میں علما کے اصول کے مطابق احتیاط کی جائے گی، کیوں کہ وہ اس کی تاویل کرے گا جو اگر چہ فاسد ہی سہی مگر تکفیر کے باب میں احتیاط ضروری ہے، یہ الگ بات ہے کہ مفتی صاحب بھی اسی بات کو حق مانتے ہیں کہ کذب باری محال بالذات ہے، ہم مفتی صاحب کا پورا خط طوالت کے باوجود یہاں نقل کررہے ہیں تاکہ کوئی غلط فہمی درمیان میں نہ آسکے۔

مفتی صاحب علامہ کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے پہلے مکتوب میں فرماتے ہیں: (۳۹)

ترجمہ: ان پندرہ سوالات کے جوابات رمضان میں پہنچ گئے تھے، ماہ شوال میں غور سے ملاحظہ کیے، جوابات نہایت برجستہ اور پسندیدہ ہیں، اور عقلی ونقلی دلائل سے بہترین طریقے پر مزین ہیں، مگر بعض مقامات پر مجھے اپنی فہم ناقص کی وجہ سے تأمل ہے۔

وہ یہ کہ جو شخص کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ومقدور ہے، گو کہ اس بات پر اس کی دلیل محض خرافات ہے، مگر اس کے جواب میں مجیب لکھتے ہیں کہ ''کذب باری نقص ہے، اور نقص اس کے لیے محال بالذات ہے، لہٰذا ممکنات میں نہیں ہے، اور نہ تحت قدرت ہے''، اس کی دلیل میں مجیب نے شرح عقائد جلالی کی عبارت پیش کی ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوانی کی یہ عبارت علامہ شریف کے اس جواب کے رد میں ہے جو

انہوں نے شرح مواقف میں ذکر کیا ہے، کہ ''خلف وعید کا استحالہ اور خبر میں کذب ممنوع ہے، کیوں کہ یہ ان ممکنات میں سے ہے جن کو قدرت شامل ہے''، شرح عقائد جلالی کے ناظرین نے علامہ شریف کی جانب سے متعدد جوابات دیے ہیں، ان میں سے ایک وہ جواب ہے جو فاضل لاہوری نے دیا ہے، فرماتے ہیں ''پوشیدہ نہ رہے کہ یہ اس بات پر موقوف ہے کہ وہ ممتنع بالذات ہو، مگر ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے، کیوں کہ اگر وہ ممتنع بالذات ہوتا تو کسی سے بھی صادر نہ ہوتا، بلکہ وہ اس طور پر ممتنع ہے کہ باری تعالیٰ کے کمال کے منافی ہے، تو وہ ممتنع بالغیر ہوا، اور امتناع بالغیر امکان ذاتی کے منافی نہیں ہے''، اس جواب سے قریب تر جواب دوسروں نے بھی دیے ہیں، اگر چہ بنظر دقیق یہی معلوم ہوتا کہ حق یہی ہے کہ کذب باری، دیگر وجوہ نقص اور نفی صفات کمالیہ باری تعالیٰ کے لیے محال بالذات ہے، ممکن نہیں اور نہ تحت قدرت ہیں، لیکن اگر کوئی شخص امتناع بالغیر کا قائل ہو اور دلیل میں یہ تاویل کرے کہ بعض علما نے ایسا کہا ہے، گو کہ اس کی یہ تاویل فاسد ہے، مگر اس پر حکم کفر جاری کرنا فقہا کے اصول وضوابط کی رو سے درست ہے یا نہیں؟ اس بات میں مزید غور وفکر کی ضرورت ہے۔

دوسرے یہ کہ مجسمہ اور مشبہ کا کفر مختلف فیہ ہے، محققین ان کی تکفیر نہیں کرتے، کہتے ہیں کہ جہل باللہ من بعض الوجوہ موجب تکفیر نہیں ہے، محققین کے قول سے قطع نظر کفر مختلف فیہ میں فقہا نے کفر کی تعیین نہیں کی ہے، ہاں البتہ ان اقوال کے قائل کے گمراہ اور گمراہ گر (ضال ومضل) ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، بہرحال کسی دوسرے وقت میں اس پر غور وفکر کروں گا، اور جو کچھ اِس ہیچ کارہ کے فہم ناقص میں آئے گا وہ تفصیل سے عرض کروں گا، اِس وقت بطور اجمال یہی چند حروف لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ والتسلیم

(مجموعہ مکاتیب قلمی: ورق ۸/الف، ب)

اس کے جواب میں علامہ اپنے خط کا آغاز ان الفاظ میں کرتے ہیں: (۴۰)

ترجمہ: بجناب مولوی صاحب والا مناقب مخدوم ومکرم، مطاع معظم عقیدت مندوں کی جائے پناہ......... دامت عنایاتہم، سلام اور تمنائے ملاقات کے بعد عرض ہے کہ عنایت نامہ نے ۲۴ر شوال کو تشریف لاکر میری جان پر احسان کیا۔ (مجموعہ مکاتیب قلمی: ورق ۸ر ب)

پھر تقریباً ساڑھے چھ صفحات میں علامہ نے دلائل سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے، خط کا اختتام ان الفاظ میں ہوتا ہے ''عریضہ نیاز محمد فضل حق ختم اللہ لہ بالحسنٰی غرہ ذی قعدہ ۱۲۶۹ھ''

اس کے بعد علامہ نے مفتی صاحب کے خط کی ایک نقل مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کو ارسال کر دی اور ان سے رائے طلب کی، حضرت نے بذریعے مکتوب اپنی رائے کا اظہار کیا، علامہ کے نام خط کا آغاز ان الفاظ میں فرماتے ہیں: (۴۱)

ترجمہ: جناب افادت مآب مسند الوقت امام العصر رئیس الزماں حجۃ اللہ الاستاذ المطلق مولانا وبالفضل اولانا حضرت مولوی فضل حق دام دوامہم عرض یہ ہے کہ اس استفتا کا جواب جو آپ قدوۃ الانام کی بارگاہ میں کسی خادم نے پیش کیا تھا، اور آپ نے وہ جواب اپنے احباب عالی جناب میں سے ایک صاحب (مفتی آزردہ) جن کا نام نامی معلوم ہے کو ارسال فرما دیا تھا، اور پھر (اس کے جواب میں) ان محترم کی جو تحریر آپ کے پاس آئی وہ آپ نے اِس کم علم کو مرحمت فرما دی وہ تحریر یہ تھی........ (مجموعہ مکاتیب قلمی: ۱۲ر الف)

پھر مفتی صاحب کے خط سے ایک عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: (۴۲)

ترجمہ: یہ بے بضاعت اور بے لیاقت ان کتب کی زیارت سے مشرف ہوا ہے، ہر چند کہ (مفتی صاحب کے خط کا) آخری جملہ کہ ''ان اقوال کے قائل کے گمراہ وگمراہ گر ہونے میں کچھ شبہ نہیں ہے'' حضرت مجیب اور جملہ ناظرین کے لیے تسکین کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، رہا یہ کہ حضرت علامہ نے جو تردد و تامل ظاہر کیا ہے تو فقیر بھی اس

> معاملہ میں تردد اور تامل کا شکار تھا، آخر کار غور وفکر کے بعد فقیر کا تردد دور ہو گیا، ان دلائل کی بنیاد پر جو خدمت والا میں عرض کیے تھے، اور آپ کے توسط سے حضرت علامہ (مفتی صاحب) کی خدمت میں پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، حاشا وکلا جدال کے لیے نہیں بلکہ اصلاح و درستگی کی طلب میں، اور اللہ اس (نیت) پر گواہ ہے۔ (مرجع سابق)

اس کے بعد تقریباً پانچ صفحات میں حضرت نے مسئلہ کو دلائل سے واضح کیا ہے، اس کے جواب میں مفتی صاحب نے ایک مختصر تحریر (تقریباً آدھا صفحہ) حضرت کے نام ارسال کی اور ایک تحریر علامہ فضل حق کو ارسال کی، علامہ کے نام تحریر میں مفتی صاحب فرماتے ہیں: (۴۳)

> ترجمہ: اللہ سبحانہ کے کذب کے امتناع ذاتی کے سلسلہ میں اس سرآمد علمائے عصر (علامہ فضل حق) کی اجمالی اور تفصیلی تحریر نیز ان کے احباب میں سے بعض (شاہ فضل رسول بدایونی) کی تحریر فرصت کے وقت میں نے دیکھی، وہ دلائل جو آں جناب نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیے ہیں وہ بوعلی سینا جو رئیس الفلاسفہ اور شیخ مشائیہ ہے وہ بھی اس سے بہتر نہیں لکھ سکتا تھا، مگر حضرت غور فرمائیں کہ........ (سابق: ۱۵/الف)

اس کے بعد مفتی صاحب نے اپنے کچھ شبہات پیش کیے ہیں، پھر علامہ نے ان کا جواب دیا ہے، یہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مفتی صاحب کو صرف اس بات میں تأمل ہے کہ مذکورہ قائل کی تکفیر زیر غور ہے، ورنہ اس قائل کے ضال ومضل (گمراہ اور گمراہ گر) ہونے میں مفتی صاحب کو کوئی تأمل نہیں ہے، جیسا کہ پیچھے گزرا۔

سید سراج احمد سہسوانی سے مباحثہ: علامہ فضل حق خیرآبادی اور سید سراج احمد سہسوانی ☆ کے

☆ سید سراج احمد سہسوانی (ولادت: ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء۔ وفات: ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ء) بن خواجہ آل احمد شاہ سہسوانی مشہور اہل حدیث عالم تھے، شاہ اسحاق دہلوی اور مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے سند حدیث حاصل تھی، مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی کے رسالے احقاق حق کے جواب میں آپ نے رسالہ سراج الایمان تالیف کیا اور شاہ اسماعیل دہلوی کے دفاع کی کوشش کی، سراج الایمان کے جواب میں مولانا محی الدین قادری بدایونی (وفات: ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) ابن مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے شمس الایمان نامی رسالہ لکھا جو سنہ ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں مطبع دہلی اردو اخبار دہلی سے شائع ہوا۔

درمیان ایک موقع پر لکھنؤ میں مباحثہ ہوا، اس مباحثہ کی روداد خود سید سراج احمد سہسوانی کے فرزند سید عبدالباقی سہسوانی نے تحریر کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ فضل حق خیرآبادی لکھنؤ تشریف لائے، تو کلکٹر میر محمد حسن خان بہادر (ناظم ضلع سیتاپور) نے علامہ کے اعزاز میں دعوت کی، جس میں بڑی تعداد میں علما اور امرا کو مدعو کیا ساتھ ہی سید سراج احمد سہسوانی کو بھی یہ کہہ کر دعوت دی کہ ''آج آپ کی جرأت اور طلاقت لسان کا امتحان ہے کیوں کہ بڑے نامور سے مقابلہ ہے''، چوں کہ کلکٹر صاحب بھی اصلاً سہسوان کے رہنے والے تھے اس لیے سید سراج احمد سہسوانی سے ان کے بے تکلفانہ مراسم رہے ہوں گے، بہر حال میزبان نے مہمانوں کا تعارف کروایا، کھانا ہوا اس کے بعد:

> اِدھر اُدھر کی باتیں شروع ہوئیں اور علوم مروجہ کے متعلق بھی کچھ گفتگو ہوئی، تو آپ (سید سراج احمد) نے علامہ فضل حق خیرآبادی سے بے تکلفانہ سوال کیا: حضرت علم منطق کی غرض وغایت ارشاد فرمائیے۔ جواب دیا کہ اس کو ادنیٰ طلبہ بھی جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس میں کچھ شبہ ہے، فاضل (خیرآبادی) موصوف نے فرمایا کہ اس کی وجہ سے ذہن فکر واستدلال میں غلطی نہیں کرتا۔ آپ (سید سراج احمد) نے فرمایا کہ طرفہ تماشا ہے کہ متقدمین ومتاخرین میں کوئی شخص اس غرض کو حاصل نہ کر سکا۔ قدما میں اشراقین مشائین کے اختلاف اور ہر فریق کے فلسفیانہ استدلال ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں، متاخرین نے قدما کی غلطیاں ثابت کر کے نئے دعاوی قائم کیے، اور بزور دلائل ان کو حق بتایا اور ان پر بھی باہم اتفاق نہ ہوا، شیخین وامام رازی وطوسی وشیخ الاشراق کے مشاجرات اور اختلاف مسالک عجب حیرت انگیز معما ہیں، خود علم منطق کی کتابوں پر نظر کیجیے تو ماتن اپنے پیش رو کے اقوال رد کرتا ہے اور شارح اس کے جوابات دیتا ہے اور محشی ماتن کی تائید کرتا ہے، وھلم جرًّا اور یہ سب منطقی فنی میدان میں اپنی امامت تسلیم کرا چکے ہیں، یہ کیا قیامت ہے؟

مولانا (فضل حق خیرآبادی) نے جواب میں کچھ معقولیانہ توجیہ فرمائی مگر آپ (سید سراج احمد) نے جواب الجواب میں اپنے مدعا کو اور بھی روشن فرمادیا اور سلسلہ گفتگو ختم ہوگیا (حیات العلما: ص ۳۹، ۴۰)

اس واقعہ کے ناقل چونکہ خود صاحب معاملہ کے فرزند ہیں اس لیے گمان غالب ہے کہ انہوں نے یہ اپنے والد سے ہی سنا ہوگا، لہٰذا از روئے روایت تو اس کی صحت میں شبہ نہیں کیا جاسکتا، ہمیں اس واقعے کو من وعن تسلیم کرلینے میں کوئی تأمل نہ ہوتا اگر اس میں سید سراج احمد سہسوانی کا سوال اور ان کی دلیل مذکور نہ ہوتی، بات اگر صرف اتنی ہوتی کہ مولانا سراج احمد سہسوانی نے علامہ سے چند سوالات کیے، علامہ نے جواب دینے کی کوشش کی مگر سید سراج احمد سہسوانی نے جواب الجواب دے کر علامہ کو ساکت کردیا، اگر روایت یہیں پر ختم ہوجاتی تو ہم خواہ مخواہ واقعے کی صحت میں شک نہیں کرتے کہ ممکن ہے سراج احمد صاحب نے کوئی ایسا ہی سوال کرلیا ہو جس کا جواب اس وقت علامہ کے پاس نہ ہو، مگر ناقل نے اپنے والد کا سوال اور ان کی دلیل نقل کرکے اس واقعہ کو تھوڑا مشکوک کردیا، اہل علم جانتے ہیں کہ یہ سوال کوئی ایسا عقدۂ لاینحل نہیں ہے جس کا جواب علامہ فضل حق جیسے امام فن سے نہ بن پڑے، یہ اعتراض اور اس کی مذکورہ دلیل اس قدر عامیانہ ہے کہ درس نظامی کے ابتدائی درجات میں جب طالب علم شرح تہذیب کے مقدمے میں اس مقام پر پہنچتا ہے:

وقد يقع فيه الخطاء فاحتيج الیٰ قانون يعصم عنه فی الفکر

(شرح تہذیب ص ۷، ۸)

تو یہی سوال اور اس کی یہی دلیل ذکر کرکے اس کا جواب بتادیا جاتا ہے، لہٰذا یہ باور کرنا ذرا مشکل ہے کہ جس سوال کا تشفی بخش جواب آج درس نظامی کا ایک عام مدرس بھی دے سکتا ہو اس کے جواب سے علامہ فضل حق خیرآبادی ایسا منطقی عاجز ہوگیا:

ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

منشی جعفر تھانیسری عقائد ونظریات میں علامہ کے مخالف ہیں اور علامہ پر چوٹ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے مگر اس کے باوجود وہ اعتراف کرتے ہیں کہ:

علم منطق کے پتلے اور افلاطون وسقراط وبقراط کی غلطیوں کی تصحیح کرنے والے تھے(سوانح احمدی:ص۱۴۳)

سرسید احمد خاں لکھتے ہیں کہ:

منطق وحکمت کی تو گویا انہیں کی فکر عالی نے بنا ڈالی ہے،علمائے عصر بل فضلائے دہر کو کیا طاقت ہے کہ اس سرگروہ اہل کمال کے حضور میں بساط مناظرہ آراستہ کرسکیں، بارہا دیکھا گیا کہ جو لوگ آپ (خود) کو یگانہ فن سمجھتے تھے جب ان (علامہ فضل حق) کی زبان سے ایک حرف سنا دعوائے کمال کو فراموش کر کے نسبت شاگردی کو اپنا فخر سمجھے۔

(آثار الصنادید: ج۲رص۸۸)

اتنی بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ اس محفل میں علامہ فضل حق خیرآبادی اور مولانا سراج احمد سہسوانی کے درمیان کوئی علمی مذاکرہ ہوا ہو،مگر یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مولانا سہسوانی عمر میں علامہ سے تقریباً ۲۰ربرس چھوٹے تھے،ممکن ہے علامہ نے ان کی کم عمری کا خیال کرتے ہوئے ان سے زیادہ مباحثہ کرنا اپنے شایان شان نہ سمجھا ہو۔

☆☆☆

مولانا عبدالحق خیرآبادی اوران کے تلامذہ کے علمی معرکے

مولانا عبدالحق خیرآبادی علم وفضل میں اپنے والدعلامہ فضل حق خیرآبادی کے سچے وارث وجانشین تھے۔آپ کا علمی تبحرآپ کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے،آپ نے اپنی تصانیف میں متعدد معاصرین اور متقدمین سے اختلاف رائے کیا،اوراپنی خداداد صلاحیتوں کے بل پر بہت سے معقولی مسائل میں اپنی اجتہادی رائے پیش کی،جس کے نتیجے میں بعض معاصرین اور کچھ متأخرین سے علمی معرکہ آرائی کی نوبت آگئی،کچھ اہل علم نے آپ کی بعض تحقیقات پر نقدوجرح کی جس کے دفاع میں آپ کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ میدان کارزار میں کود پڑے اور علمی بحث ومناظرے کا بازارگرم ہوا،اس باب میں ہم مولانا اوران کے تلامذہ کے انہیں علمی معرکوں کی سرگزشت پیش کرنے جارہے ہیں،یہ معرکے علمی حوالے سے دلچسپ بھی ہیں اوراس زاویے سے سبق آموز بھی کہ وہ کیسے لوگ تھے جوایک طرف تو میدان تحقیق وتنقید میں ایک دوسرے کے مد مقابل اور باہم برسرپے کار رہتے،اوردوسری طرف ایک دوسرے کے ایسے قدرومنزلت شناس تھے کہ پاس ولحاظ اورادب واحترام کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے علمی معرکہ: مولانا عبدالحی فرنگی محلی (ولادت:۱۲۶۴ھ/۱۸۴۷ء۔ وفات:۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) اورمولانا عبدالحق خیرآبادی یہ دونوں عظیم علمی خانوادوں کے قابل فخر فرزند تھے،دونوں بڑے باپ کے بڑے بیٹے تھے،اور اپنے معاصرین میں منفرد وممتاز تھے،مولانا عبدالحق خیرآبادی عمرمیں مولانا عبدالحی فرنگی محلی سے ۲۰/برس بڑے تھے،ان دونوں حضرات کے درمیان ایک دلچسپ علمی معرکہ آرائی ہوئی،جو اب تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔اس معرکہ آرائی کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

مولانا عبدالحق نے ۱۲۷۷ھ میں لواء الہدیٰ ☆ پر حاشیہ لکھا، جو ۱۲۷۸ھ میں مطبع نظامی کانپور سے شائع ہوا، ۱۲۸۰ھ میں جب مولانا عبدالحی فرنگی محلی اپنے والد مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی سے رسالہ میر زاہد مع لواء الہدیٰ پڑھ رہے تھے، تو آپ نے بھی لواء الہدیٰ پر حاشیہ لکھا، جس کا نام ''ھدایة الوریٰ الیٰ لواء الھدیٰ'' رکھا، اس حاشیہ میں جہاں انہوں نے لواء الہدیٰ کے دوسرے محشین پر نقد وجرح کی وہیں مولانا عبدالحق خیرآبادی کا حاشیہ بھی بحث وتنقید کی زد میں آ گیا، یہاں یہ بات نہ صرف قابل ذکر ہے بلکہ باعث استعجاب بھی ہے کہ جس وقت مولانا عبدالحی فرنگی محلی مولانا عبدالحق سمیت دوسرے اعاظم مناطقہ کی آرا پر نقد ونظر فرما رہے تھے اس وقت آپ کی عمر محض ۱۶؍سال تھی ع

آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تست

۶؍سال کے بعد یعنی ۱۲۸۶ھ میں آپ نے لواء الہدیٰ پر ایک اور مفصل حاشیہ تحریر فرمایا جس کا نام ''مصباح الدجیٰ فی لواء الہدیٰ'' رکھا، یہ ایسا عظیم الشان حاشیہ ہے کہ اگر علم منطق میں مولانا کی کوئی اور کتاب نہ بھی ہوتی تو تن تنہا مصباح الدجیٰ مولانا کو کبار مناطقہ کی صف میں کھڑا کرنے کے لیے کافی تھی، اس میں آپ نے مولانا عبدالحق خیرآبادی کے حاشیہ پر کچھ نئے اعتراضات

☆ ''رسالہ تصور وتصدیق'' ملا قطب الدین رازی (وفات: ۷۶۶ھ/۱۳۶۵ء) کا ایک مختصر متن ہے، جو رسالہ قطبیہ کے نام سے بھی مشہور ہے، رسالہ قطبیہ پر علامہ میر زاہد ہروی (۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء۱۷۰۰ء) نے حاشیہ تحریر فرمایا، میر زاہد کے اس حاشیے پر علامہ غلام یحییٰ بہاری (۱۱۸۰ھ/۱۷۶۷ء) نے لواء الھدیٰ فی اللیل والدجی' کے نام سے حاشیہ لکھا، آج سے کچھ عرصہ پہلے تک یہ کتاب درس نظامی میں داخل تھی، علامہ میر زاہد کے حاشیہ ملا جلال کا تذکرہ گذشتہ صفحات میں گزرا، اور حاشیہ امور عامہ کا ذکر آگے آرہا ہے، میر زاہد کے ان تینوں حاشیوں (حاشیہ رسالہ قطبیہ، حاشیہ ملا جلال اور حاشیہ امور عامہ) کو زواہد ثلاثہ کہا جاتا ہے، یہ تینوں حواشی درس نظامی کا ایک اہم حصہ تھے، بلکہ بارہویں صدی کے نصف آخر، تیرہویں صدی اور چودہویں صدی کے نصف اول تک تو کسی عالم کو اس وقت تک ماہر مدرس تسلیم ہی نہیں کیا جاتا تھا جب تک وہ زواہد ثلاثہ پڑھانے کی استعداد نہ رکھتا ہو، ان پر حاشیہ لکھنا اپنے معاصرین پر امتیاز کی دلیل سمجھا جاتا تھا، مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے بھی میر زاہد رسالہ اور میر زاہد ملا جلال پر حواشی تحریر فرمائے ہیں، زواہد ثلاثہ حضرت الاستاذ علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی پسندیدہ درسی کتابیں تھیں، جن کو وہ بڑے اہتمام سے پڑھایا کرتے تھے، حضرت الاستاذ کی درسگاہ میں زواہد ثلاثہ پڑھنے کی سعادت اِس کم علم راقم سطور کو بھی حاصل ہوئی ہے، اب زمانہ بدل گیا، زواہد ثلاثہ کا پڑھنا پڑھانا تو درکنار آج لوگ ان کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔

کیے اور گزشتہ اعتراضات کو مزید مدلل کیا، مولانا کے ان دونوں حاشیوں کے اعتراضات کا جواب مولانا عبدالحق خیرآبادی کے ایک شاگرد کے نام سے منظر عام پر آیا، مولانا عبدالحق خیرآبادی کے اس جواب پر مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ۱۲۸۷ھ میں جواب الجواب لکھا اور اس رسالے کا نام ''نور الہدیٰ لحملۃ لواء الہدیٰ'' رکھا، اس کے علاوہ انہوں نے اپنے حاشیے مصباح الدجیٰ پر بھی تعلیقات قلم بند کیں اور اس میں انہوں نے مولانا عبدالحق خیرآبادی کے ان اعتراضات کا جواب دیا جو انہوں نے اس حاشیہ کے بعض مقامات پر کیے تھے۔ اس مباحثے کے تقریباً دس بارہ برس بعد مولانا عبدالحق خیرآبادی نے پھر ان حواشی کی طرف توجہ کی اور مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے جواب میں ایک اور رسالہ لکھا، یہ بھی کسی شاگرد کے نام سے ہی منظر عام پر آیا، اس کے جواب میں مولانا نے ۱۳۰۲ھ میں ایک رسالہ قلم بند فرمایا جس کا نام ''علم الہدیٰ'' رکھا، معلوم نہیں پھر اس کے جواب میں خیرآبادی علما کی طرف سے کچھ لکھا گیا یا نہیں۔☆

اس معرکے میں کچھ تو اصولی اور علمی مسائل زیر بحث آئے اور کہیں محض لفظی گرفتیں کی گئیں ہیں، قیل وقال کے درمیان کہیں کہیں مزاح لطیف اور طنز ملیح کی صورت بھی پیدا ہوگئی، یہاں ہم اس مباحثہ سے صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

ہدایۃ الوریٰ میں ایک بحث کے دوران علامہ غلام یحییٰ بہاری نے ضمناً ایک بات ارشاد فرمائی کہ:

کما ان النسبة داخلة فی مفهوم القضية دون حقيقتها (لواء الہدیٰ:ص۹۴)

جیسا کہ نسبت صرف قضیہ کے مفہوم میں داخل ہے نہ کہ قضیے کی حقیقت میں۔

اس پر مولانا عبدالحق خیرآبادی نے علامہ غلام یحییٰ سے اختلاف رائے کرتے ہوئے اس کو علامہ غلام یحییٰ کا ''سفسطہ'' قرار دیا، اس پر ایک طویل بحث کر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

والحاصل ان النسبة مناط القضية ومدارها فكيف يظن انها خارجة عن حقيقتها (بحوالہ مصباح الدجیٰ، ص۱۹۵)

☆ بدرالدجیٰ فی شرح لواء الہدیٰ کے نام سے مولانا سید علیم الدین شاہجہانپوری (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) کا ایک رسالہ کتب خانہ کچھوچھہ شریف میں نظر سے گزرا، جو مطبع گلزار ابراہیم، مرادآباد (سنہ ندارد) سے شائع ہوا ہے، یہ نسخہ کرم خوردہ اور بوسیدہ ہے، اس لیے پوری طرح بات سمجھ میں نہیں آسکی، مگر خیال ہے کہ یہ بھی اسی معرکے سے متعلق ہے۔

خلاصہ یہ کہ نسبت ہی پر قضیہ کا مناط ومدار ہے لہٰذا یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے
کہ نسبت قضیے کی حقیقت سے خارج ہو

مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے مولانا عبدالحق کی اس پوری بحث کو چھ وجوہ سے رد کردیا، اور آخر میں لکھا کہ:

فقد ظهر من هذالبيان الواضح والتبيان اللائح ان هذاالكلام من اوله الىٰ آخره مغالطة وان نسبة السفسطة الى الشارح صدرت عن غفلة (مرجع سابق، ص۱۹۷)

اس واضح بیان سے ظاہر ہوگیا کہ (مولانا عبدالحق کا) یہ کلام از اول تا آخر مغالطے پر مبنی ہے اور شارح (علامہ غلام یحییٰ) کی طرف سفسطہ کی نسبت غفلت کی وجہ سے صادر ہوگئی ہے

مولانا عبدالحق خیرآبادی نے یہ جو فرمایا تھا کہ ''نسبت ہی پر قضیہ کا مناط ومدار ہے لہٰذا یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ نسبت قضیے کی حقیقت سے خارج ہو'' اس کا رد کرتے ہوئے مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے ایک جملہ یہ لکھ دیا کہ:

وهل هذا كما يقال الوضوء مناط الصلوٰة ومدارها فكيف يظن انها خارج عن حقيقتها وهذا عجيب (مرجع سابق، ص۱۹۷)

یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ ''وضو پر نماز کا دارومدار ہے لہٰذا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وضو نماز کی حقیقت سے خارج ہو'' یہ کتنی عجیب بات ہے

مولانا عبدالحق خیرآبادی نے اس کا معقول جواب تو دیا ہی مگر ساتھ ہی مولانا عبدالحی صاحب پر ایک چوٹ بھی کر گئے فرماتے ہیں کہ:

اما ذكر مسئلة الوضوء والصلوٰة فى هذاالمقام فهو يدل علىٰ كونه جامعاً بين المعقول والمنقول ولو اورد فى هذا المبحث مسائل الطلاق والعتاق والبيع والشراء وغيرها لكان اعدل شاهداً علىٰ فقاهته واول دليلاً علىٰ سفاهته (مرجع سابق، ص۱۹۷)

اس مقام پر وضو اور نماز کے مسئلے کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ جناب معقول ومنقول کے جامع ہیں، اگر محترم اس بحث میں طلاق وعتاق، خرید وفروخت اور شُفعہ وغیرہ کے بھی کچھ مسائل ذکر دیتے تو یہ موصوف کی فقاہت پر بہترین گواہ اور سفاہت کی اولین دلیل ہوتی۔

اس پر مولانا عبدالحی کہاں خاموش رہنے والے تھے، انہوں نے بھی جواب آں غزل کے انداز میں چٹکی لی، فرماتے ہیں:

هـذا عـجيب جداً ممن يعد من علماء المسلمين ،نعم لا يستبعد مثـله من السفيه الذى لا يتوضأ ولا يصلى ويتنفر عن ذكر اركان الدين (مرجع سابق، ص ۱۹۷)

جس شخص کا شمار مسلمانوں کے علما میں ہوتا ہو اس سے یہ بات کتنی عجیب ہے، ہاں البتہ اس قسم کی باتیں ایسے احمق سے بعید نہیں جو نہ وضو کرتا ہو نہ نماز پڑھتا ہو، اور ارکان دین کے ذکر سے نفرت کرتا ہو۔

۱۹۹۶ء/۱۹۹۷ء میں راقم الحروف نے استاذ محترم علامہ خواجہ مظفر حسین صاحب قبلہ کی درس گاہ میں رسالہ میر زاہد مع حاشیہ غلام یحییٰ پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی، استاذ محترم کے حکم کے مطابق مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا حاشیہ مصباح الدجیٰ زیر مطالعہ رکھتا تھا، اور کبھی کبھی مولانا عبدالحق خیرآبادی کے حاشیہ کا بھی مطالعہ کرتا تھا، مولانا عبدالحی صاحب کی سب سے بڑی خوبی ان کی سہل نگاری ہے، مشکل سے مشکل بحث آسان سے آسان تر انداز میں لکھنے کا جو ملکہ اللہ نے ان کو ودیعت کیا تھا وہ بہت کم لوگوں کو میسر آتا ہے، اس کے برخلاف مولانا عبدالحق کے قلم پر ان کا علمی رعب ودبدبہ اور محققانہ گہرائی وگیرائی اس قدر حاوی ہوتی ہے کہ ان کی بات ہم جیسے کم فہم طلبہ کی سمجھ میں ذرا مشکل سے ہی آتی ہے، اس لیے ہم جیسا کوئی کم علم طالب علم اگر ان دونوں حضرات کے مباحثے کو دیکھے گا تو مولانا عبدالحق صاحب کے مقابلے میں مولانا عبدالحی صاحب کی حمایت کرتا نظر آئے گا، جو یقیناً اس کے قصور فہم کا نتیجہ ہوگا، کیوں کہ ان دونوں عبقری شخصیات کے درمیان صحیح اور غلط کا فیصلہ وہ کرے جو انہیں کی طرح بلند علمی مقام رکھتا ہو۔

مولانا فضل حق رامپوری اور حاشیہ میر زاہد امور عامہ: مولانا عبدالحق خیر آبادی نے میر زاہد امور عامہ☆ پر ایک تحقیقی حاشیہ تحریر فرمایا تھا، اسی میر زاہد امور عامہ پر مولانا فضل حق رامپوری (پرنسپل مدرسہ عالیہ رامپور) نے بھی حاشیہ تحریر فرمایا☆☆ جس میں انہوں نے اپنے حاشیہ بر میر زاہد امور عامہ میں دلائل کے ساتھ مولانا عبدالحق خیر آبادی سے اختلاف کیا، اور جگہ جگہ ان پر اعتراضات کیے، بھلا خیر آبادی علما اس کو کہاں برداشت کر سکتے تھے، چنانچہ اس حاشیہ کو لے کر ایک نیا علمی معرکہ چھڑ گیا، مولانا فضل حق رامپوری کے ان اعتراضات کے جواب میں ایک رسالہ منظر عام پر آیا جس میں مصنف کی حیثیت سے مولوی عبداللہ انصاری کا نام درج تھا، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ فرضی نام ہے اس رسالے کے اصل مصنف مولانا محمد طیب مکی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) ہیں، دوسرا رسالہ "التحقیق المطلق علیٰ مسلك عبدالحق" کے نام سے منظر عام پر آیا، جس پر مصنف کی حیثیت سے مولانا ہدایت اللہ رامپوری (شاگرد علامہ فضل حق خیر آبادی) کے ایک تلمیذ مولوی عطاء اللہ کا نام تھا،☆☆☆ مگر تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ بھی فرضی

☆ کتاب المواقف علم کلام وعقائد میں علامہ عضد الدین الایجی کا مشہور متن ہے، اس کی متعدد علمانے شرح کی ہے، مگر میر سید شریف جرجانی (وفات: ۸۱٦ھ/۱۴۱۳ء) کی شرح مواقف زیادہ مشہور ومقبول ہوئی، مصنف نے کتاب المواقف کو ٦/ موقف پر تقسیم کیا ہے، جن میں دوسرا موقف امور عامہ کے بیان میں ہے، شرح مواقف کے اسی حصے پر علامہ میر زاہد ہروی (وفات: ۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء-۱۷۰۰ء) نے حاشیہ تحریر فرمایا، یہی حاشیہ "میر زاہد امور عامہ" کہلاتا ہے، میر زاہد امور عامہ پر بے شمار علمانے حواشی تحریر فرمائے، بحر العلوم ملا عبدالعلی فرنگی محلی کا حاشیہ اپنے اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بہت خوب ہے۔

☆☆ مولانا فضل حق رامپوری (ولادت: ۱۲۷۸ھ/۱۸٦۱ء۔ وفات: ۱۳۵۸ھ/۱۹۴۰ء) اپنے زمانے کے متبحر عالم اور محقق ومدرس تھے، سلسلۂ چشتیہ میں حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت بیعت رکھتے تھے، اگرچہ مولانا فضل حق رامپوری بھی میخانۂ خیر آبادی کے بادہ نوش تھے، وہ مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے شاگرد رشید ہونے کے علاوہ مولانا ہدایت علی بریلوی (تلمیذ علامہ فضل حق خیر آبادی) اور مولانا عبدالعزیز سہارنپوری (تلمیذ مولانا عبدالحق خیر آبادی) سے بھی نسبت تلمذ رکھتے تھے، اور جس زمانے میں مولانا عبدالحق خیر آبادی مدرسہ عالیہ رامپور میں پرنسپل تھے اسی زمانے میں مولانا فضل حق صاحب نے مدرسے میں مدرس ہونے کے باوجود ان سے کچھ اکتساب فیض کیا تھا، آپ کی تصانیف میں شرح دروس البلاغہ، حاشیہ تلویح، حاشیہ ایسا غوجی، اور حاشیہ حمداللہ مشہور ہیں، دیکھیے برصغیر کے علمائے معقولات ص ٦۷/تا ۸۷، تجلیات مہر انور ص ۱۸۷/تا ۲۲۷۔

☆☆☆ خیال ہے کہ یہ رسالہ خود مولانا ہدایت اللہ رامپوری کا ہوگا، عبدالسلام خاں رامپوری نے مولانا ہدایت اللہ کے ترجمے کے ذیل میں لکھا ہے کہ "تصانیف میں بعض رسالے تھے جو مولانا عبدالحق خیر آبادی کے دفاع میں تحریر کیے تھے،" (برصغیر کے علمائے معقولات: ص ۸۷)۔

نام ہے، رسالہ کسی اور کا ہے (الظفر الحامدی: ص ۴۳/۴) ان دونوں رسالوں کے جواب میں مولانا فضل حق رامپوری نے ''الظفر الحامدی علیٰ المجیب المکی والمجیب المختفی '' نامی رسالہ تحریر کیا، یہ رسالہ محرم ۱۳۲۴ھ میں لکھا گیا اور اسی سال مطبع سعیدی رامپور سے طبع ہوا۔

مولانا فضل حق رامپوری کے ایرادات کو دفع کرنے کے لیے ایک اور خیرآبادی فاضل نے قلم اٹھایا، یہ تھے علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری (تلمیذ مولانا سید برکات احمد ٹونکی تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) آپ نے ''ازاحة شبهات الشادی عن كلام الفاضل الخيرآبادی '' کے نام سے ایک رسالہ تصنیف فرمایا، اس پر مولانا محمد شریف سمینوی (مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور) نے تقریظ لکھی، ۹۶ر صفحات پر مشتمل یہ رسالہ مطبع مفید عام لاہور سے ۱۳۲۵ھ میں اشاعت پذیر ہوا۔

مولانا محمد شریف صاحب نے اپنی تقریظ میں اس رسالہ کی تصنیف کا جو پس منظر تحریر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''امور عامہ پر حاشیہ زاہد یہ بہت مغلق اور دقیق ہے، اس کے اسرار خواص پر پوشیدہ رہے چہ جائے کہ عام علما اور فضلا پر، کسی نے ایسی تحریر نہیں لکھی جو اس کے مغلقات کو واضح کرتی، اور نہ کسی نے ایسی تعلیق لکھی جو اس کے مشکلات کی وضاحت کرتی، اس کے جتنے بھی حواشی ہیں وہ یا تو بہت طویل ہیں یا پھر انتہائی مختصر ہیں، لہٰذا استاذ الاساتذہ علامہ عبدالحق خیرآبادی نے اس پر ایسا حاشیہ تحریر فرمایا جو اس کے رموز واسرار کو کھولنے والا ہے، چنانچہ علامہ کا یہ حاشیہ علما کے درمیان مقبول ہوا، لیکن حاسدین اس کو دیکھ کر اپنی آتش حسد میں جل گئے، اور مولوی فضل حق رامپوری نے اس پر اعتراضات کیے، جب ان اعتر ضات کی خبر علامہ سید برکات احمد ٹونکی کو ہوئی تو انہوں نے متواتر کئی خطوط مولانا فضل حق رامپوری کو لکھے کہ آپ ان اعتر ضات کے سلسلے میں بالمشافہہ مجھ سے مباحثہ کر لیں، مولانا فضل حق رامپوری نے ان کو رامپور آنے کی دعوت دی، جب مولانا سید برکات احمد ٹونکی اپنے تلامذہ کے ساتھ رامپور پہنچے اور مولانا فضل حق کے پاس اپنی آمد کی خبر بھیجی تو مولانا نے یہ بہانہ کر دیا کہ ان کا بیٹا بیمار ہے لہٰذا وہ نہیں آسکتے، جب دوبارہ ملاقات کا وقت مانگا تو انہوں نے پھر وہی عذر کر دیا، تیسری بار مولانا ٹونکی نے کہلوایا کہ میں مناظرے کے لیے نہیں بلکہ

آپ کے بیٹے کے معالجے کے لیے آنا چاہتا ہوں کیوں کہ میں ایک طبیب بھی ہوں، لیکن پھر بھی مولانا رامپوری ملاقات پر آمادہ نہیں ہوئے، اس درمیان ان کو کئی خطوط لکھے گئے مگر انہوں نے کسی کا جواب نہیں دیا تو مولانا ٹونکی صاحب نے سمجھ لیا کہ یہ مناظرے کو تیار نہیں ہوں گے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ ان اعتراضات کا تحریری جواب لکھ دیں تو آپ تیار نہیں ہوئے، لہٰذا لوگ ان کے تلمیذ رشید مولانا معین الدین اجمیری کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ سے درخواست کی، پہلے تو آپ نے اپنی تدریسی مصروفیات کا عذر کیا لیکن جب لوگوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو آپ نے یہ رسالہ تالیف فرمایا'' (ترجمہ ملخصاً ازاحۃ شبہات الشادی: ص۹۳ تا ۹۶)

مولانا محمد شریف صاحب کے اس بیان میں ہمیں عقیدت مندانہ مبالغہ محسوس ہو رہا ہے کیوں کہ مولانا فضل حق رامپوری بہر حال ایک متبحر، معقولی، متقی اور پرہیز گار عالم تھے، ان سے اس قسم کے غیر علمی اور غیر اخلاقی رویہ کی امید نہیں کی جا سکتی واللہ اعلم

ازاحۃ شبہات الشادی کی اشاعت کے بعد تقریباً ۱۳؍سال تک خاموشی رہی، پھر اس کے جواب میں مولانا فضل حق رامپوری کے شاگرد رشید اور معقول و منقول کے جامع مولانا غلام محمد چشتی گھوٹوی (ولادت: ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۶ء۔ وفات: ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) نے ایک رسالہ ''ظفر الحق والصداقۃ'' تحریر فرمایا، ظفر الحق والصداقۃ کی اشاعت کے دو تین سال بعد مولانا معین الدین پھر میدان میں آئے☆ اور ''ازاحۃ اوھام الغفول عن کلام امام المعقول'' نامی رسالہ تصنیف فرمایا، ۱۶۷؍صفحات کا یہ رسالہ عربی زبان میں دہلی سے ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوا، نہیں معلوم کہ اس کے جواب میں علمائے رامپور کی جانب سے کچھ لکھا گیا یا یہ سلسلہ یہیں ختم ہو گیا۔

مولانا معین الدین اجمیری اور مولانا فضل حق رامپوری کے درمیان ہونے والے علمی معرکے کی تفصیل آپ نے ملاحظہ کی، اب ذرا تصویر کا ایک دوسرا رخ دیکھیں، یہی مولانا فضل حق

☆ یہ وہ زمانہ تھا جب تحریک خلافت اور ترک موالات کا ملک میں شہرہ تھا، مولانا معین الدین ان تحریکات میں مصروف تھے، اسی سلسلہ میں کم از کم دو مرتبہ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں، اس لیے رسالہ ظفر الحق والصداقۃ کے جواب میں تاخیر ہوئی (پیش لفظ ازاحۃ اوہام الغفول: ص ج/ص د)

رامپوری اس معرکے کے کئی برس بعد۱۹۳۲ء/۱۹۳۳ء میں مدرسہ معینیہ اجمیر شریف میں ممتحن کی حیثیت سے جلوہ فرما ہوئے، مولانا معین الدین اجمیری مدرسے کے صدر مدرس تھے، مولانا عبدالسلام خاں رامپوری لکھتے ہیں کہ مولانا معین الدین اجمیری نے مولانا فضل حق رامپوری کا تعارف ان الفاظ میں کروایا کہ:

> آج میں ایسے فاضل کو پیش کر رہا ہوں جو اس لیے بڑا نہیں ہے کہ بڑوں کی موت نے اسے بڑا بنایا ہے بلکہ یہ وہ بڑا ہے جس کو بڑوں نے جب وہ زندہ تھے بڑا مانا تھا (برصغیر کے علمائے معقولات: ص۱۷۷)

محاکمات اور شرح اشارات جیسی کتابوں کا امتحان لیا، اس کے بعد کیا ہوا یہ خود ایک عینی گواہ کی زبان سے سنیے، مولانا معین الدین اجمیری کے شاگرد مولانا محمد اسرائیل پشاوری (جوان طلبہ میں شامل تھے جن کا امتحان لیا گیا تھا) فرماتے ہیں:

> امتحان لینے کے بعد علامہ فضل حق صاحب بہت خوش ہوئے، اور تعریفی کلمات میں حضرت استاذی (مولانا معین الدین اجمیری) مدظلہ کے کام کو سراہ رہے تھے، اتفاق سے ان کے ایک ساتھی (خادم) کا نام معین الدین تھا، انہیں نام لے کر پکارا تو حضرت علامہ (معین الدین اجمیری) آگے بڑھے، اور فرمایا ''فقیر حاضر ہے'' اس پر علامہ رامپوری بہت نادم ہوئے، اور فرمایا '' آپ تو مخدوم معین الدین ہیں'' یہ ان حضرات کے اخلاق عالیہ کا کمال تھا، ورنہ ہر دو حضرات کے مناظرے بھی ہوئے تھے اور شائع بھی ہوئے تھے، مگر چونکہ علامہ رامپوری عمر میں بڑے تھے اور عالی جناب حکیم برکات احمد کے ہم زمان تھے، اس لیے استاذی مدظلہ بھی ان کی استاذانہ قدر کرتے تھے (مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت: ص۱۱۵/۱۱۶)

یہ ہے علمائے ربانیین کا طرز عمل کہ آپس میں علمی اختلافات بھی ہیں، مناظرے بھی ہو رہے ہیں، جواب اور جواب الجواب میں رسالے بھی شائع ہو رہے ہیں، اس کے باوجود بھی

جب ان کی باہم کہیں ملاقات ہوجاتی ہے تو ایک دوسرے کے مقام ومرتبے کا پاس ولحاظ کرنے اور ایک دوسرے کا ادب واحترام کرنے میں ہر آدمی دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے، یہ طے کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ ان میں سے کون کس کا زیادہ ادب واحترام کررہا ہے۔ کہنے والے نے درست کہا ہے کہ ''بڑوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں''۔رب قدیر ان سب کے درجات بلند فرمائے۔

مناظرۂ رامپور: یہ مناظرہ ☆ مولانا عبدالحق خیرآبادی پر اعتراضات کے نتیجے میں ان کے ایک شاگرد اور شاگرد کے شاگرد سے ہوا تھا، جس کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ اس مناظرے کی تقریب کچھ یوں ہوئی کہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کے ایک شاگرد مولانا عبدالوہاب بہاری ☆☆ نے رسالہ میر زاہد پر صحیفہ ملکوتیہ کے نام سے حاشیہ تصنیف فرمایا، جس میں جگہ جگہ اپنے استاذ مولانا عبدالحی فرنگی محلی کا دفاع کرتے ہوئے مولانا عبدالحق خیرآبادی پر اعتراضات کیے، فخر بہار کی خواہش تھی کہ اس کتاب کی اشاعت کے اخراجات نواب حامد علی خاں والیٔ ریاست رامپور ادا فرما دیں، اسی مقصد سے مولانا عبدالوہاب بہاری رامپور آئے ہوئے تھے، مولوی محمد علی صاحب عرف صاحبزادہ چھٹن (تلیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) جو نواب رامپور کے عزیز بھی تھے، جب انہوں نے کتاب دیکھی تو یہ گوارا نہیں کیا کہ جس کتاب میں ان کے استاذ مولانا عبدالحق خیرآبادی پر اعتراضات کیے گئے ہوں وہ ریاست رامپور کے مصارف پر اشاعت پذیر ہو، صاحبزادہ چھٹن صاحب نے یہ تجویز رکھی کہ آپ ان اعتراضات کے سلسلے میں مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی سے مناظرہ کرلیں، اگر آپ ان کو شکست دے دیں تو یہ تسلیم کرلیا جائے گا کہ یہ اعتراضات درست ہیں اور ریاست اس کتاب کی طباعت کے اخراجات ادا کرے گی، مولانا عبدالوہاب صاحب نے

☆ اس مناظرے کی تفصیلات حکیم محمود احمد برکاتی نے اپنی دو کتابوں ''مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم'' اور ''مولانا معین الدین اجمیری: کردار وافکار'' میں اور مولانا عبدالسلام خاں رامپوری نے ''برصغیر کے علمائے معقولات اور ان کی تصانیف'' میں درج کی ہیں، ہم نے اس روداد مناظرہ کے سلسلہ میں انہیں کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

☆☆ مولانا عبدالوہاب بہاری (وفات: ۱۳۳۵ھ) اپنے زمانے میں معقولات کی تدریس میں منفرد مقام رکھتے تھے، مدرسہ عالیہ کلکتہ میں استاذ رہے، حکومت برطانیہ کی جانب سے ''شمس العلما'' کا خطاب بھی ملا تھا، اور ''فخر بہار'' کے لقب سے مشہور تھے۔

یہ تجویز منظور فرمالی، حکیم صاحب کو دعوت دی گئی، آپ نے منظور فرمائی اور رامپور کا قصد کیا، جب مناظرے کے سلسلے میں حکیم صاحب کے رامپور جانے کا شہرہ ہوا تو آپ کے بہت سے تلامذہ اجمیر، پٹنہ، دربھنگہ، الہ آباد، بنارس اور سہارن پور سے رامپور کے لیے روانہ ہوگئے، اور بقول حکیم محمود احمد برکاتی:

> ریاست کے سرکاری مہمان خانے میں چند دن کے لیے مناطقہ ہند کا مرکز ثقل منتقل ہوگیا (مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: ص۹۱)

مولانا سید برکات احمد ٹونکی کے ساتھ ان کے شاگرد رشید علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری بھی تھے، یہ خیرآبادی قافلہ ریاست رامپور میں خیمہ زن ہوگیا مگر مولانا عبدالوہاب صاحب کی جانب سے مجلس مناظرہ کے انعقاد میں تامل اور تذبذب کا مظاہرہ ہوتا رہا، جب کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تو آخر ایک دن مولانا معین الدین اجمیری صاحب ملاقات کے لیے مولانا عبدالوہاب بہاری کے دولت کدے پر پہنچ گئے، اِدھر اُدھر کی گفتگو ہوئی، اسی میں کہیں مولانا عبداللہ ٹونکی کا ذکر خیر بھی آ گیا، آگے کی گفتگو خود مولانا معین الدین اجمیری کی زبانی ملاحظہ کریں، فرماتے ہیں:

> فخر بہار فرمانے لگے ''انہوں نے (مولانا عبداللہ ٹونکی نے) حمداللہ کے حاشیے میں کس قدر فاش غلطی کی ہے کہ قضیہ کو معقولات ثانیہ میں داخل کردیا ہے'' یہ کہہ کر فخر بہار ان کی تحریر پر سخت تعجب کرنے لگے، فقیر حقیر نے فخر بہار کے اس تعجب پر متعجب ہوکر کہا کہ یہ فاش غلطی تو کیا غلطی بھی نہیں ہے، اگر مولوی عبداللہ صاحب نے ایسا لکھا تو بالکل بجا اور صحیح لکھا کیوں کہ قضیہ کا معقولات ثانیہ سے ہونا ایک اجماعی مسئلہ ہے، زاں بعد فقیر اس امر کا منتظر تھا کہ اب فخر بہار کچھ ارشاد فرمائیں، لیکن انہوں نے ایسی چپ سادھی کہ یہ مسئلہ تو درکنار تذکرہ اہل علم ہی کو اڑا گئے (چہار تازیانہ قہار: ص۲، بحوالہ مولانا معین الدین اجمیری کردار وافکار: ص۶۵)

اپنی قیام گاہ پر واپس آکر مولانا معین الدین اجمیری نے قضیہ کے معقولات ثانیہ سے ہونے

یا نہ ہونے پر مولانا عبدالوہاب بہاری صاحب کو دعوت مناظرہ دی، طرفین سے تحریروں کا تبادلہ ہوا، مولانا عبدالوہاب نے مولانا معین الدین اجمیری سے مناظرہ کرنا اپنے مقام سے فروتر گمان کیا کہ وہ ان سے عمر میں چھوٹے تھے، ہاں البتہ مولانا اجمیری کے استاذ مولانا سید برکات احمد ٹونکی سے مناظرہ کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ صاحبزادہ چھٹن صاحب کی کوششوں سے یہ مناظرہ ۱۵ر رمضان ۱۳۳۴ھ/۱۷ر جولائی ۱۹۱۶ء کو ''خاص باغ'' میں نواب حامد علی خاں والئ ریاست رامپور کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں رامپور اور اطراف کے بہت سے معقولی علما نے شرکت کی، بقول حکیم محمود احمد برکاتی:

> یہ مناظرہ علمائے عقلیات کے درمیان غالباً تاریخ کا آخری قابل ذکر مناظرہ تھا، اس کے بعد تو بساط ہی الٹ گئی، اب عقلیات ہی کی قدر باقی رہی نہ علمائے عقلیات کی، قدریں ہی بدل گئیں، وہ موضوعات رہے نہ مسائل، ان کے سمجھنے والے ہی اٹھ گئے، ان میں الجھنے والے دکان بڑھا گئے، وہ نظریات، وہ مسائل، وہ شخصیات سب اس دور کے لیے اجنبی ہو کر رہ گئے۔ (مولانا معین الدین اجمیری کردار و افکار: ص ۶۴)

مجلس مناظرہ آراستہ ہوئی اور ریاست رامپور کے اخبار دبدبۂ سکندری (شمارہ ۳۷، جلد ۵۳، ۲۴ر جولائی ۱۹۱۶ء) کے مطابق:

> حکیم صاحب (مولانا سید برکات احمد) نے اپنی پر زور تقریر سے اس (قضیہ) کا معقولات ثانیہ سے ہونا ثابت کر دیا تو جناب مولانا مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری بجز اس کے کچھ نہ فرما سکے کہ یہ تو میں نے کسی سے نہیں سنا یہ تو جدید تحقیق ہے، اس پر حاشیہ حمداللہ مصنفہ حضرت مولانا عبدالحق قدس سرہ سے جس میں عبارت افق المبین سے یہ امر ثابت ہو رہا تھا پیش کیا گیا جس کو حضور معلیٰ (نواب حامد علی خاں) دام ملکہم نے بذات خود جناب مولانا مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری کو سمجھا دیا (مولانا معین الدین اجمیری کردار و افکار: ص ۶۶/۶۷)

اس مجلس مناظرہ میں مولانا فضل حق رامپوری بھی تشریف فرما تھے، مولانا برکات احمد ٹونکی اور ان کے تلامذہ سے مولانا فضل حق رامپوری کے علمی معرکے کی روداد آپ پڑھ چکے، اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مولانا فضل حق رامپوری موقع سے فائدہ اٹھا کر مولانا برکات احمد کی شکست کے درپے ہو جاتے، اور اپنی گزشتہ معرکہ آرائی کا بدلہ لے لیتے، مگر آپ مولانا فضل حق کی اعلیٰ ظرفی ملاحظہ فرمائیں، مولانا کے شاگرد مولانا عبدالسلام خاں رامپوری روایت کرتے ہیں کہ مولانا فضل حق رامپوری نے فرمایا کہ:

> میں نے محسوس کیا کہ عبدالوہاب السی پیر رہے ہیں☆ اور جواب بن نہیں پڑ رہا ہے تو میں نے حکیم برکات احمد کے سوال کی تشریح کرتے ہوئے جواب کی طرف اشارہ کر دیا، پھر ایک موقع پر برکات احمد دشواری میں پڑ گئے، میں نے عبدالوہاب بہاری کی بات کی تشریح کی اور جواب کی طرف اشارہ کیا، بہر حال میں نے دونوں حضرات کی بحث کو نزاع لفظی قرار دیتے ہوئے فیصلہ کر دیا اور اس طرح نواب صاحب کے سامنے دونوں کی بات رہ گئی (برصغیر کے علمائے معقولات: ص۶۱)

یہی وہ اعلیٰ ظرفی، کشادہ قلبی، اور وضع داری ہے جو انسان کو بڑا بناتی ہے، مناظرہ ختم ہوا تو دونوں فریق نے اپنے اپنے طور پر فتح و کامرانی کا سہرا اپنے سر باندھا، اس سے مولانا برکات احمد کے تلامذہ اور مولانا عبدالوہاب اور ان کے تلامذہ کے درمیان ایک تحریری جنگ چھڑ گئی، اس سلسلہ میں خیر آبادی خیمے کی جانب سے جو رسائل اور کتابچے منظر عام پر آئے ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) ازالة اوهام العادی عن كلام الفاضل الخیرآبادی: مولانا عبدالعزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد دربھنگوی تلمیذ مولانا برکات احمد ٹونکی) مطبوعہ اخلاقی پریس بانکی پور

(۲) مانع غلط فہمی: مولانا عبدالعزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد دربھنگوی تلمیذ مولانا برکات احمد ٹونکی) مطبوعہ مطبع مجیبی پھلواری شریف

(۳) عجائب الدہور: مولانا عبدالعزیز بہاری (تلمیذ مولانا مقبول احمد دربھنگوی تلمیذ مولانا برکات

☆ ''السی پیرنا'' ایک محاورہ ہے، یعنی کوئی کام دشواری اور دقت کے ساتھ انجام دینا۔

احمد ٹونکی) مطبوعہ اخلاقی پریس بانکی پور

(۴) چہار تازیانہ قہار: مولانا معین الدین اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

(۵) کھلی چٹھی کا کھلا خط: مولانا معین الدین اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

(۶) حقیقت مناظرہ رامپور: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی، مطبوعہ اکسیر اعظم پریس بنارس

(۷) التقریر الکامل فی تنبیہ الغافل: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی، مطبوعہ اکسیر اعظم پریس بنارس

(۸) الاعلان: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی

(۹) الرباح الخطیة علی الصحیفة الملکوتیة: مولانا محمد شریف اعظم گڑھی

(۱۰) الطامۃ الکبریٰ: مولانا مقبول احمد خاں دربھنگوی مطبوعہ مطبع مجیبی پھلواری شریف

(۱۱) مناظرہ مورو سلیماں: مولانا محی الدین غازی اجمیری، مطبوعہ دلی پرنٹنگ پریس دہلی

اسی درمیان تصفیے کی ایک صورت یہ پیدا ہوئی کہ مولانا عبدالوہاب مولانا اجمیری کے ساتھ مناظرے کے لیے آمادہ ہوگئے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ یہ مناظرہ حیدرآباد میں ہو اور شیخ الاسلام مولانا انواراللہ فاروقی حیدرآبادی صاحب اس کے حکم ہوں وہ جو فیصلہ کردیں اس کو فریقین تسلیم کریں، اس پر مولانا معین الدین اجمیری راضی ہوگئے، لکھتے ہیں:

> اس دعوت کو فقیر بالرأس والعین قبول کرتا ہے، بہتر ہے حیدرآباد چلیے حضرت مولانا محمد انواراللہ صاحب دامت برکاتہم کو ہم بھی حکم تسلیم کرتے ہیں، اب آپ کو اس معاملے میں عجلت کرنا چاہیے، جس وقت روانگی کا ارادہ ہو فقیر کو بذریعہ تار مطلع فرمایے، اور بہتر ہو کہ جناب براہ اجمیر شریف حیدرآباد تشریف لے جائیں تاکہ دونوں کا ساتھ ہو جائے، سفر کی منزلیں بخدا لطف کے ساتھ طے ہوں گی، الغرض فقیر ارشاد کی تعمیل کے لیے حاضر ہے (کھلی چٹھی کا کھلا خط: بحوالہ مولانا معین الدین اجمیری کردار و افکار: ص ۶۷/۶۸)

مولانا کی اس تحریر میں دو باتیں خاص طور سے قابل غور ہیں ایک تو اس سے شیخ الاسلام مولانا انواراللہ فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام و مرتبہ ظاہر ہوتا ہے، کہ آپ صرف منقولات ہی کے امام نہیں بلکہ معقولات میں بھی اس درجہ بلند مقام کے حامل تھے کہ منطق کے ایک الجھے ہوئے مسئلے کو

حل کرنے کے لیے اگر فریقین کسی کے علم اور دیانت وامانت پر اعتبار کر کے فیصل اور حکم ماننے پر آمادہ ہیں تو صرف آپ کی ذات گرامی ہے۔

دوسرے اس عبارت سے مولانا معین الدین اجمیری کے خلوص اور کشادہ قلبی کا پتہ چلتا ہے کہ جس شخصیت سے آپ علمی میدان میں برسر پے کار ہیں اسی کو اس محبت کے ساتھ اپنا ہم سفر بنانے کی خواہش کر رہے ہیں گویا ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی نہ ہو۔ یہ ہے علمی مباحثہ میں ہمارے اکابر و اسلاف کا کردار۔

قصہ مختصر یہ کہ حیدرآباد کے سفر کی نوبت ہی نہیں آئی اور اسی درمیان شمس العلما مولانا عبدالوہاب بہاری صاحب کا سانحہ ارتحال پیش آ گیا، ان کی اچانک وفات سے یہ معاملہ کسی فیصلہ کن موڑ پر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے انجام کو پہنچا۔

☆☆☆

لطائف خیرآباد

علامہ فضل حق خیرآبادی اور آپ کے فرزند مولانا عبدالحق خیرآبادی کے سلسلہ میں بہت سے دلچسپ واقعات مشہور ہیں، جن سے ان حضرات کی حاضر جوابی، بذلہ سنجی، اور ظرافت طبع کا پتہ چلتا ہے، ان میں سے بعض لطائف مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے باغی ہندوستان میں درج کر دیے ہیں، ہم یہاں اسی قسم کے بعض واقعات ذکر کریں گے۔

ہر بات کا جواب قرآن سے: حافظ احمد علی شوقؔ نے تذکرہ کاملان رامپور میں مولانا خلیل الرحمٰن سواتی اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے درمیان ایک دلچسپ گفتگو کا ذکر کیا ہے، نواب یوسف علی خاں کے زمانے میں مولانا خلیل الرحمٰن سواتی ٹونک سے رامپور آئے، نواب صاحب سے ملاقات ہوئی تو مولانا نے اثنائے گفتگو فرمایا کہ ''میں ہر چیز قرآن سے نکالتا ہوں''، نواب صاحب نے اس بات کا تذکرہ کسی دوسرے وقت علامہ سے کیا، علامہ نے فرمایا کہ '' آپ ان سے فرما دیں کہ معجون فلاسفہ کے اجزا تو قرآن سے نکال دیں''، آگے کا قصہ احمد علی شوق کی زبانی پڑھیں، لکھتے ہیں:

> چنانچہ دوسری ملاقات میں یہی سوال کیا، مولوی خلیل الرحمٰن سخت پریشان ہوئے، ان کو بھی معلوم ہو گیا کہ یہ اشارہ مولوی فضل حق کا تھا، اس لیے ایک روز نواب صاحب کے سامنے مولوی فضل حق سے اصول میں گفتگو کرنے لگے، مولوی فضل حق کھینچ تان کر ان کو منطق میں پکڑ لائے، اور بند کر دیا، اسی روز سے مولوی فضل حق نے کتب اصول کو دیکھنا شروع کیا۔
>
> (تذکرہ کاملان رامپور: ص۱۲۲/۱۳۲)

خضاب: علامہ فضل حق خیرآبادی بالوں میں خضاب لگایا کرتے تھے (خضاب کو بعض علما نے بعض

شرائط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے)اس سلسلہ میں ایک واقعہ غوث علی شاہ پانی پتی (تلمیذ مولانا فضل امام خیر آبادی) نے ذکر کیا ہے لکھتے ہیں:

> جس زمانے میں مولوی فضل حق صاحب سر رشتہ دار تھے تو ہر جمعہ خضاب کیا کرتے تھے، مولوی نور الحسن صاحب کاندھلوی نے جو مولوی صاحب سے پڑھتے تھے، عرض کیا جناب یہ خضاب کرنا آپ کو زیبا نہیں کیوں کہ آپ عالم ہیں، مولوی صاحب سن کر چپ ہو رہے، جب مولوی نور الحسن صاحب کئی مرتبہ زبان پر لائے تو ایک دن مولوی صاحب نے جواب دیا کہ سنو صاحب کسی نے وعظ کہہ کر دنیا کمائی، کسی نے درس (و) تدریس کر کے، کسی نے تعویذ گنڈا کر کے، کسی نے پیری مریدی کی آڑ میں، ہم نے منھ کالا کر کے دنیا حاصل کی۔ (تذکرہ غوثیہ: ص ۱۷۳)

درس کا لطف: علامہ کے بارے میں ایک دلچسپ جملہ ہمارے بعض اساتذہ سنایا کرتے تھے، اس کے صحت وضعف کی ذمہ داری میں نہیں لے سکتا، اساتذہ بیان کرتے تھے کہ علامہ فرماتے تھے کہ پڑھنے پڑھانے کا مزہ تو جب ہے کہ کتاب قاضی مبارک ہو، پڑھنے والے ملائکہ ہوں اور روح القدس درس کی داد دے رہے ہوں۔

شیخ الرئیس کے کلیات: مولانا عبد الہادی بدایونی کا بیان ہے کہ ان کو مفتی کرم احمد میخوآر بدایونی نے بتایا کہ حاذق الملک حکیم عبد المجید خاں کا درس ہو رہا تھا، کلیات قانون بوعلی سینا معرض درس میں تھی کہ اچانک مولانا عبد الحق خیر آبادی پہنچ گئے، جیسے ہی مولانا تشریف لائے حکیم صاحب نے کھڑے ہو کر استقبال کیا، کتاب بند کی اور درس موقوف کر دیا، گفتگو شروع ہوئی تو مولانا عبد الحق نے پوچھا کہ حکیم صاحب آپ کی تدریس کا کیا طریقہ ہے؟ حکیم صاحب نے جواب دیا کہ ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم شیخ (ابن سینا) کی کلیات کو جزئیات پر منطبق کر دیتے ہیں اور بس، مولانا نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص آپ کے شیخ کے کلیات ہی کو غلط ثابت کر دے تو؟ حکیم صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ ایسے شخص کے سامنے ہم کتاب بند کر دیتے ہیں (جیسے آپ کے سامنے بند کر دی) واقعہ کے راوی مفتی کرم احمد بدایونی اس کے چشم دید گواہ تھے (احوال ومقامات قدیم: ص ۹۶/۹۵)

اعتبارات: مولانا عبدالحق خیرآبادی خادموں اورنوکروں کے سلسلہ میں بہت فیاض تھے،ان کے نوکر بھی بہت سمجھ دار تھے اورمختلف حیلوں بہانوں سے مالی منفعت حاصل کرلیا کرتے تھے،مولانا جان بوجھ کرچشم پوشی کرتے تھے،اس قسم کے ایک دوواقعات باغی ہندوستان میں نقل کیے گئے ہیں،حکیم محمود احمد برکاتی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا عبدالحق خیرآبادی نے سامان خوردونوش کا یومیہ حساب لکھنے کی ذمہ داری مولانا برکات احمد ٹونکی کے سپرد کی، پہلے ہی دن جب مولانا حساب لکھنے بیٹھے تو باورچی نے کہا'' لکھیے پان ایک آنہ''، پھر چند چیزوں کے بعد کہا ''لکھیے پنواڑی ایک آنہ''،مولانا برکات احمد نے فرمایا کہ پنواڑی سے پان ہی تو لیے ہوں گے وہ توتم لکھوا چکے،باورچی نے کہاتم تو لکھ لو یہاں کا حساب ایسے ہی لکھا جاتا ہے،مولانا برکات احمد نے یہ بات استاذ کو بتائی،تو مولانا عبدالحق نے فرمایا کہ''اس میں الجھن کی کون سی بات ہے پان کی حیثیت سے پان کا ایک آنہ اور پنواڑی کی حیثیت سے ایک آنہ،تم تو جانتے ہی ہوکہ لــو لا الاعتبـارات لبـطـلت الحكمة مولانا برکات سمجھ گئے مولانا عبدالحق خود ہی چشم پوشی کرنا چاہتے ہیں۔(مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اورعلوم:ص۱۵۳)

خود پسندی: عربی میں ایک لفظ استعمال ہوتا ہے''عُـجـب بِـنَفسـه ''،جس کا ترجمہ اردو میں خود پسندی یا کبھی خودستائی وغیرہ سے کیا جاتا ہے،اس بات کو ذہن میں رکھ کراب علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے شاگرد مولانا محمد اسرائیل پشاوری کی زبانی یہ لطیفہ سنیں:

> خاندان عالیہ کے متوسلین اکثر اپنے اساتذۂ کرام کی تصنیفات درس میں پڑھایا کرتے تھے،اس لیے ہمیں بھی مسلم الثبوت،شرح مسلم الثبوت علامہ عبدالحق صاحب خیرآبادی شروع کرائی گئی،مسلم الثبوت علامہ محبّ اللہ بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے،جس کی عبارت ایسی مختصراور جامع ہے جیسے فلسفہ میں باقر داماد کی''افق المبین''،مگران دونوں فاضلوں میں یہ عجیب بات ہے کہ خودستائی کرتے ہیں،چنانچہ مسلم الثبوت کے مقدمہ میں بھی علامہ مذکور نے ایسے جملے استعمال کیے ہیں جن پرعلامہ خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ''هـذا عـجب بنفسه ''(یہ اپنے منھ اپنے کومیاں مٹھو کہنا ہے)اس مقام پر

پہنچ کر حضرت استاذی مولانا معین الدین صاحب مسکرائے اور فرمایا کہ مولوی محمد یونس اجمیری اور ان کے دوسرے ساتھی جب اس مقام پر پہنچے تو مولوی یونس نے چپکے سے کہا کہ حضرت علامہ خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کا یوں فرمانا بھی ''عجب بنفسہ '' ہے چنانچہ اس پر ہم سب خوب کھل کر ہنسے (مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت :ص ۱۳۸/۱۳۹)

نسخہ یا فتویٰ: مولانا عبدالحق خیر آبادی کے پوتے حکیم ظفر الحق خیر آبادی کے بارے میں ایک لطیفہ حضرت سید فرقان وحید ہاشمی (سجادہ نشین خانقاہ حافظیہ خیر آباد) نے راقم کو سنایا کہ ایک مرتبہ کوئی مریض حکیم صاحب کے پاس آیا، آپ نے اس کو نسخہ لکھ کر دیا، جب مریض نے نسخہ غور سے دیکھا تو اس میں ادویہ کے ساتھ کچھ ایسے اجزا بھی تھے جن کا استعمال شرعاً جائز نہیں ہے، مریض نے کہا کہ حکیم صاحب یہ اجزا تو حرام ہیں، اس پر آپ نے فرمایا کہ بھائی میں نے نسخہ لکھا ہے فتویٰ نہیں لکھا۔

☆☆☆

انڈمان کا ایک سفر

خانوادہ قادریہ بدایوں شریف سے خانوادہ خیرآباد کے روابط اور تعلقات کی تفصیل آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں، یہ تعلق افادہ واستفادہ کا بھی ہے اور عقیدت ومحبت کا بھی، یہ اسی عقیدت ومحبت کا کرشمہ ہے کہ حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری (زیب سجادہ خانقاہ قادریہ بدایوں شریف) کے دل میں علامہ فضل حق خیرآبادی کے مزار پر حاضری دینے کا شوق پیدا ہوا، جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ/دسمبر ۱۹۹۱ء میں آپ نے جزیرہ انڈمان کا سفر فرمایا، حضرت کے مرید الحاج رفیق بابا مرحوم اور رفیق بابا کے کچھ مریدین ہمرکاب سعادت تھے، مدراس تک بذریعہ طیارہ اور مدراس سے انڈمان تک کا سفر پانی کے جہاز سے طے کیا، ۲۲/دسمبر کی صبح جزیرہ انڈمان پہنچے، ۲۳/۲۴/دسمبر وہاں قیام کیا، اور ۲۵/دسمبر کو واپسی کے لیے جہاز میں سوار ہوئے۔

انڈمان میں جناب شوکت علی ایڈوکیٹ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے علامہ کے مزار کی نشاندہی کی، شوکت علی صاحب نے گفتگو کے دوران کہا کہ مجھے حیرت ہے کہ ہندوپاک میں علامہ کے سلسلے کے ہزاروں وابستگان موجود ہیں مگر آج پہلی بار کوئی آدمی علامہ کا مزار تلاش کرتے ہوئے اس طرف آیا ہے۔

علامہ کے مزار کے برابر ایک مزار اور ہے جو مولوی لیاقت علی کے نام سے منسوب ہے، تین دن کے دوران قیام کئی مرتبہ حضرت مزار پر حاضر ہوئے، اور فاتحہ خوانی کی، حضرت نے حاضری کے دوران علامہ کی شان میں ایک منقبت نظم کی، اس کو ہم یہاں درج کر رہے ہیں تا کہ محفوظ ہو جائے۔

مرحبا صد مرحبا فضل وکمال فضل حق
علم کی دنیا میں ہے جاہ وجلال فضل حق
معترف ہیں آج تک اہل خرد اہل نظر
علم میں یکتا ہیں فضل حقّ وآل فضل حق
فلسفی ومنطقی ، مفتی، مناظر اور ادیب
خدمت دین نبی تھا اشتغال فضل حق
حق کہا ، حق پر چلے ، حق پر چلایا ، حق کیا
حق نما ،حق آشنا ، حق تھا کمال فضل حق
دشمنان حق کے حق میں حق کی سیف بے نیام
لرزہ براندام باطل از قتال فضل حق
ان کے شاگردوں میں ہوں جب حضرت تاج الفحول
کیسے لائے گا زمانہ پھر مثال فضل حق
دل ہمارا ہے نثار حضرت فضل رسول
جان ہے وارفتہ حسن وجمال فضل حق
اے خدا سالمؔ بھی ان کے نام لیواؤں میں ہے
اس کو بھی مل جائے شمہ از کمال فضل حق

☆☆☆

خیرآبادیات پر تحقیقی، تصنیفی اور اشاعتی کام

یہاں ہم ان اہل علم وقلم کا ذکر کریں گے جنہوں نے کسی نہ کسی نہج پر خیرآبادی علوم ومعارف کی نشر واشاعت یا خیرآبادیات پر سوانحی اور تحقیقی کام کیا ہے۔ان میں وہ اکابر بھی شامل ہیں جو براہ راست علامہ یا ان کے تلامذہ سے نسبت شاگردی رکھتے تھے،اور وہ معاصر اہل قلم بھی جنہوں نے خیرآبادیات کے مختلف گوشوں کو عنوان بنا کر تحقیقی کام کیا ہے۔

(۱) مولانا عبداللہ بلگرامی: مولانا عبداللہ بلگرامی☆ کا شمار علامہ کے قابل فخر تلامذہ میں ہوتا ہے، اپنے خیرآبادی اساتذہ اور ان کی تصانیف سے بے حد محبت تھی،اسی کا نتیجہ ہے کہ علمائے خیرآباد کی تصانیف کی نشر واشاعت میں آپ نے اہم کردار ادا کیا،آپ کی اہم کاوش علامہ فضل حق خیرآبادی کی کتاب ہدیہ سعیدیہ کا حاشیہ التحفة العلمية ہے،یہ حاشیہ عربی میں ہے،اور آج بھی ہدیہ سعیدیہ کے ساتھ شائع ہوتا ہے،اس کے مقدمے میں آپ نے علامہ کی مختصر سوانح بھی درج کی ہے،اس کے علاوہ خیرآبادیات کے سلسلہ میں آپ کی دو اور اہم خدمات ہمارے مطالعہ میں آئی ہیں۔مولانا عبدالحق خیرآبادی کا حاشیہ بر حاشیہ غلام یحییٰ آپ نے فرمائش کر کے مطبع نظامی کانپور سے ۱۲۷۸ھ میں شائع کروایا اور اس کی تصحیح کے فرائض بھی خود ہی انجام دیے،اس کے علاوہ مولانا عبدالحق خیرآبادی کی دوسری کتاب شرح مرقات مطبع شعلہ طور کانپور سے ۱۲۹۷ھ میں شائع ہوئی

☆ آپ سید شاہ آل احمد بلگرامی کے فرزند ہیں،۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں ولادت ہوئی، یکم رمضان ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۸ء کو وفات پائی، کچھ تعلیم مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی (کانپوری) اور ان کے تلامذہ سے حاصل کی، تفسیر وحدیث مولانا نورالحسن کاندھلوی سے پڑھی، منطق وفلسفہ کی اعلیٰ کتابیں اور ادب عربی کی تحصیل علامہ فضل حق خیرآبادی کی درسگاہ میں کی،حج کے موقع پر تفسیر وحدیث اور فقہ کی سند شیخ الاسلام احمد بن زینی دحلان مکی سے حاصل کی،دیکھیے: تذکرہ علمائے ہند:ص ۲۶۷۔

تو اس کی تصحیح بھی آپ نے کی، اور اس پر مقدمہ بھی تحریر فرمایا۔ اس کے علاوہ اپنے استاذ علامہ فضل حق خیرآبادی کی حمایت اور شاہ اسماعیل دہلوی کی تردید میں آپ نے رسائل بھی لکھے، جن کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

(۲) مولانا برکات احمد ٹونکی: آپ کا ذکر خیر اس کتاب میں متعدد مقامات پر گزرا، آپ نے اپنی درسگاہ کے ذریعہ خیرآبادی علوم ومعارف کو تو عام کیا ہی ساتھ ہی قلم کے ذریعہ بھی خیرآبادیات کی خدمت کی، اپنے استاذ مولانا عبدالحق خیرآبادی کی سوانح ''حسرۃ العلما بوفاۃ شمس العلما'' کے نام سے ترتیب دی، جو مصلح المطابع دہلی سے شائع ہوئی، ہزار تلاش کے باوجود راقم سطور کو یہ کتاب دستیاب نہیں ہوئی، ورنہ ممکن ہے کہ اس کی مدد سے خیرآبادیات کے کچھ اور گوشے سامنے آتے۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالحق خیرآبادی کا ''حاشیہ قاضی مبارک'' آپ نے شائع کروایا اور اس کے پروف کی تصحیح بھی خود ہی فرمائی۔ مسئلہ امکان کذب باری میں آپ نے اپنے استاذ الاستاذ علامہ فضل حق خیرآبادی کے دفاع میں رسالہ ''الصمصام القاضب'' قلم بند فرمایا، مسئلہ امتناع نظیر میں بھی آپ نے ایک تحقیقی رسالہ تصنیف کیا اور علامہ فضل حق خیرآبادی کے موقف کے حق میں دلائل فراہم کیے۔

(۳) مولانا سلیمان اشرف بہاری: ☆ خیرآبادیات کے سلسلہ میں آپ کی اہم خدمت علامہ فضل حق خیرآبادی کے رسالہ امتناع النظیر کی اشاعت ہے، یہ رسالہ پہلی مرتبہ آپ ہی کی کوشش سے زیور طباعت سے آراستہ ہوا، امتناع النظیر کے خاتمے میں آپ لکھتے ہیں:

> حضرت استاذنا العلام (مولانا ہدایت اللہ) مدظلہ بجہت اس شفقت ومحبت
> بزرگانہ کے جو اس ہیچ میرز کے حال پر مبذول فرماتے تھے اصل مسودہ
> مصنف علیہ الرحمہ کے قلم کا مرقومہ عطا فرما کر اجازت طبع کی دی، گو اب

☆ سید سلیمان اشرف بہاری (ولادت: ۱۸۷۸ء۔ وفات: ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) نے متوسطات تک کی تعلیم حضرت شاہ نور محمد چشتی اصدقی سے حاصل کی، آپ ہی کے ہاتھ پر سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں بیعت ہوئے، اور خلافت واجازت سے نوازے گئے، کچھ دن کانپور میں تعلیم حاصل کی، پھر جونپور پہنچے اور مولانا ہدایت اللہ رامپوری کی درس گاہ میں تعلیم مکمل کی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں شعبہ دینیات کے صدر رہے، تصانیف میں المبین قابل قدر کتاب ہے، جس میں عربی زبان کی قدامت اور اصالت پر تحقیقی مباحث ہیں۔

میرے پاس اصل مسودہ موجود تھا مگر پھر بھی بنظر غایت احتیاط دو اور نسخے بہم پہنچائے، ایک مولانا برکات احمد صاحب ٹونکی سے ملا اور دوسرا مولانا عبدالمقتدر صاحب بدایونی نے مرحمت فرمایا۔ فقیر نے بصرف زر کثیر و محنت شاقہ طبع کرانا شروع کیا، اور صحت طبع میں خاص اہتمام ملحوظ رکھا، اچھے اچھے مستعد فضلا اس کے مصحح رہے، زائد حصے کی تصحیح خود فقیر نے دوبارہ بکمال عرق ریزی کی ہے، تین سال کی پیاپے محنت و مشقت کا نتیجہ ہے جو یہ علمی گنجینہ آپ حضرات کی نگاہوں کے سامنے ہے (امتناع النظیر :ص۳۳۵)

مولانا سلیمان اشرف نے جابجا حاشیہ میں مشکل الفاظ کے معنی بھی تحریر کر دیے ہیں، بالخصوص علامہ کے قصیدہ میمیہ (جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے) کے بین السطور اور حاشیہ میں حل لغات اس خوبی سے درج کیے ہیں کہ قصیدہ سمجھنا آسان ہو گیا ہے، یہ رسالہ اگست ۱۹۰۸ء میں جادو پریس جونپور سے شائع ہوا۔

(۴) مولانا عبدالحکیم شرف قادری: مولانا عبدالحکیم شرف قادری (ولادت :۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء -وفات: ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء) سلسلہ خیرآباد کے ایک قابل فخر فرزند تھے، پوری زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزاری، نیک سرشت، خوش اخلاق، متقی، پرہیزگار، تعمیری اور مثبت فکر کے حامل، علوم معقول اور منقول دونوں میں گہری نظر کے ساتھ ساتھ شگفتہ اور رواں دواں قلم کے مالک تھے، آپ نے خیرآبادیات کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں کئی اہم کام کیے ہیں، خیرآبادیات کی طرف آپ کیوں متوجہ ہوئے اس بارے میں خود ہی ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

حضرت علامہ (فضل حق خیرآبادی) ہمارے اساتذہ کے سلسلہ میں ایک نمایاں شخصیت ہیں ہمارے اور حضرت علامہ کے درمیان تین واسطے ہیں (۱) ملک المدرسین حضرت مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی مدظلہ (۲) فقیہ العصر مولانا یار محمد بندیالوی (۳) حضرت علامہ مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری

رحمہم اللہ تعالیٰ۔

یہ وجوہ تھیں کہ راقم حضرت علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا، اور اللہ تعالیٰ کی امداد کے ساتھ درج ذیل کتب کی اشاعت کی توفیق ہوئی۔

مولانا شرف قادری نے خیرآبادیات کے سلسلہ میں جو تحقیقی اور اشاعتی خدمات انجام دی ہیں ان کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

(۱) المرقاۃ مع حاشیہ المرضاۃ: مرقاۃ عربی زبان میں منطق کی ابتدائی کتاب ہے جو مولانا فضل امام خیرآبادی (والد ماجد علامہ فضل حق خیرآبادی) کی تصنیف ہے، یہ کتاب آج بھی درس نظامی میں داخل ہے، مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے اِس پر عربی زبان میں حاشیہ لکھا، اور اِس پر مبسوط مقدمہ بھی تحریر کیا جس میں منطق کی ضرورت وافادیت پر گفتگو کے علاوہ مشہور مناطقہ مثلاً ارسطو، فارابی، ابن سینا، امام رازی وغیرہ کے ساتھ ساتھ علامہ فضل حق خیرآبادی، مولانا فضل امام خیرآبادی اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے حالات بھی درج کر دیے ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی اور اب تک متعدد ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں۔

(۲) مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی کی کتاب باغی ہندوستان کو پاکستان میں پہلی بار مکتبہ قادریہ لاہور سے ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں طبع کروایا، اس پر مبسوط مقدمہ بھی لکھا اور آخر میں ایک ضمیمہ بھی شامل کیا، بعد میں شرف صاحب کا یہ ضمیمہ ہندستانی ایڈیشن میں بھی شامل کرلیا گیا۔

(۳) مولانا شرف قادری کی ایک اہم خدمت علامہ کی کتاب ''تحقیق الفتویٰ'' کا ترجمہ اور اشاعت ہے، علامہ کی یہ کتاب فارسی میں تھی اور اب تک غیر مطبوعہ تھی، شرف صاحب نے اس کا سلسیس اردو ترجمہ کیا، ایک تحقیقی مقدمہ لکھا اور ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی بندیال سے اس کو شائع کروایا۔

(۴) علامہ فضل حق خیرآبادی کے عربی رسالے ''الروض المجوذ'' کا اردو ترجمہ حکیم محمود احمد برکاتی نے کیا، اس پر شرف صاحب نے عربی میں علامہ کی سوانح کا اضافہ کیا اور مکتبہ قادریہ لاہور سے ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔

(۵) مولانا عبدالحق خیرآبادی کی کتاب شرح حواشی الزاہدیہ ملا جلال عرصے سے ناپید تھی،

شرف صاحب نے ۱۹۷۸ء میں مکتبہ قادریہ لاہور سے اس کو دوبارہ شائع کیا۔

(۶) ڈاکٹر قمر النسا بیگم کی پی. ایچ. ڈی کا مقالہ "العلامہ فضل حق الخیرآبادی حیاتہ و مآثرہ "، پہلی مرتبہ شرف صاحب نے مکتبہ قادریہ لاہور سے ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں شائع کیا، اس پر آپ نے عربی زبان میں تعارف مصنفہ اور سوانح علامہ بھی تحریر فرمائی۔

(۷) علامہ فضل حق کا حاشیہ قاضی مبارک شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی نے اپنی ذاتی دلچسپی سے سیال شریف سے شائع کروایا، حضرت کی خواہش پر عربی میں مولانا شرف قادری نے علامہ فضل حق کا تعارف قلم بند کیا، جو اس اشاعت کے شروع میں شائع ہوا۔ سیال شریف کا یہ نسخہ اگر چہ مصلح المطابع دہلی والے نسخے کا عکس ہے مگر اس میں ۳ رصفحات پر مضامین کتاب کی فہرست شامل کر دی گئی ہے، جس سے کتاب سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔ یہ فہرست مصلح المطابع والے نسخے میں نہیں ہے، ممکن ہے یہ بھی شرف صاحب کی ترتیب کردہ ہو۔

اس کے علاوہ شرف صاحب کے متعدد عربی اور اردو مقالات و مضامین میں خیرآبادی علما اور ان کی دینی خدمات کا جا بجا تذکرہ ملتا ہے، شرف صاحب کا ایک اہم کارنامہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے صاحبزادے مولانا ممتاز احمد سدیدی کو جامع ازہر میں علامہ کی عربی شاعری پر پی. ایچ. ڈی کرنے کے لیے بھیجا، اس کے علاوہ ڈاکٹر سلمہ سیہول کو علامہ کے عربی دیوان کی ترتیب و تحقیق کی طرف متوجہ کیا اور اس سلسلہ میں ان کا ہر ممکن تعاون فرمایا۔

(۵) حکیم محمود احمد برکاتی ☆: خیرآبادیات کے سلسلہ میں آپ نے کئی اہم تحقیقی کام کیے ہیں، اس کتاب کی ترتیب میں بھی ہم نے حکیم صاحب کے رشحات قلم سے کافی استفادہ کیا ہے، کتاب میں جگہ جگہ آپ کو حکیم صاحب کے حوالے ملیں گے۔

خیرآبادیات کے سلسلے میں حکیم صاحب کی جو خدمات ہمارے علم میں آسکیں وہ درج ذیل ہیں۔

☆ حکیم محمود احمد برکاتی بن حکیم سید محمد احمد ٹونکی بن مولانا برکات احمد ٹونکی (ولادت ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء) کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم خلیلیہ ٹونک میں ہوئی، دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف سے درسیات کی تکمیل کی، الہ آباد یونیورسٹی سے فاضل ادبیات کی سند حاصل کی، طبیہ کالج دہلی سے طب کا نصاب مکمل کیا، تقسیم کے بعد کراچی ہجرت کی، وہیں قیام پذیر ہیں، مطب کے ذریعہ مخلوق خدا کی خدمت اور مختلف علمی اور تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔ بقول نادم سیتاپوری "خیرآبادی مکتب فکر کے جائز وارث و جانشین اور پاک و ہند میں خیرآباد کے نمائندے ہیں"، ۲۰۰۱ء میں ہمدرد یونیورسٹی کراچی نے فن طب سے متعلق آپ کی خدمات کے اعتراف میں آپ کو D.Sc (ڈاکٹر آف سائنس) کی اعزازی ڈگری تفویض کی ہے۔

(۱)الروض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود: وحدۃ الوجود کے موضوع پر یہ علامہ فضل حق خیرآبادی کا ایک محققانہ رسالہ ہے جو عربی زبان میں تھا حکیم صاحب نے اس کا اردو ترجمہ کیا، مکتبہ قادریہ لاہور سے شائع ہوا۔

(۲) فضل حق اور سن ستاون: یہ علامہ فضل حق خیرآبادی کی حیات اور خدمات کے سلسلہ میں حکیم صاحب کی ایک تحقیقی کتاب ہے، اور خیرآبادیات کے موضوع پر مستند مرجع اور ماخذ کا درجہ رکھتی ہے، اس میں آپ نے بعض غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کا علمی اور تنقیدی جائزہ لیا ہے، اس کتاب کا ایک باب ''چند اغلاط کی تصحیح'' مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے اپنی کتاب ''باغی ہندوستان'' میں بھی شامل کرلیا ہے، جس سے باغی ہندوستاں کی اہمیت اور افادیت میں اضافہ ہوا۔

(۳) سفر اور تلاش: یہ حکیم صاحب کے مختلف مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں ''علامہ فضل حق خیرآبادی اور ان کے علوم'' کے عنوان سے ایک طویل مضمون (تقریباً ۲۹ رصفحات) ہے، اس میں علامہ کی مختصر سوانح کے ساتھ مندرجہ ذیل عنوانات پر داد تحقیق دی گئی ہے، علوم، مسئلہ امتناع نظیر، امکان کذب، ادب عربی، حسن تربیت، حاضر دماغی، علامہ اور مرزا غالبؔ، جہاد حریت وغیرہ،

(۴) مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: مولانا حکیم برکات احمد ٹونکی مدرسہ خیرآباد کے نامور فاضل اور حکیم محمود احمد برکاتی کے دادا ہیں، مولانا برکات احمد ٹونکی کے سوانح حیات علمی اور تحقیقی انداز میں مرتب کرنا حکیم محمود احمد برکاتی کا حق تھا جس کو انہوں نے بحسن وخوبی ادا کیا ہے، حکیم برکات احمد ٹونکی کے حالات کے ضمن میں خیرآبادیات کے سلسلہ میں بہت سا اہم مواد یکجا ہوگیا ہے۔ یہ کتاب برکات اکیڈمی کراچی سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی۔

(۵) مولانا معین الدین اجمیری کردار وافکار: مولانا معین الدین اجمیری مولانا برکات احمد ٹونکی کے ارشد تلامذہ میں تھے اور آخری دور میں مدرسہ خیرآباد کے علمی وارث اور ترجمان تھے، اس کتاب میں مولانا معین الدین اجمیری کی حیات وخدمات پر مختلف گوشوں سے بحث کی گئی ہے۔

(۶) مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت: یہ کتاب حکیم صاحب کی ترتیب ہے اس میں مولانا معین الدین اجمیری کے مندرجہ ذیل تلامذہ کے مضامین شامل ہیں۔ مولانا سید نجم الحسن خیرآبادی، مولانا محمد عبدالشاہد خاں شیروانی، مولانا محمد اسرائیل پشاوری، مولانا عبدالغفور بنیری۔

ان کتابوں کے علاوہ حکیم صاحب کے متعدد مقالات ومضامین میں خیرآبادی شخصیات اور مباحث زیرقلم آئے ہیں۔

(۶) مفتی انتظام اللہ شہابی: علامہ فضل حق خیرآبادی کی حیات کے سلسلہ میں مفتی انتظام اللہ شہابی (وفات: ۱۹۶۸ء) کے مضامین اور تحریریں خشت اول کا درجہ رکھتی ہیں، سوانح علامہ کے بہت سے واقعات کی بنیاد مفتی صاحب کے مضامین اور تحریروں پر ہے، مفتی صاحب کا ایک طویل مضمون ''مولانا فضل حق وعبدالحق'' رسالہ مصنف علی گڑھ میں شائع ہوا، وہیں سے مختلف رسائل وجرائد میں نقل ہوتا رہا، پھر ''حیات علامہ فضل حق'' کے نام سے ۶۴ر صفحات میں بصورت کتابچہ پہلے ہندوستان اور پھر پاکستان سے شائع ہوا، کسی جگہ ہم نے ان کے ایک رسالے ''علامہ فضل حق خیرآبادی اوران کے سیاسی کارنامے'' کا نام بھی پڑھا جو پاکستان میں شائع ہوا ہے، معلوم نہیں یہ وہی مضمون ہے یا کوئی الگ تصنیف ہے، اس کے علاوہ مفتی صاحب کی مختلف کتابوں غدر کے چند علما، علمائے حق اوران کی مظلومیت کی داستان وغیرہ میں بھی اسی مضمون کے بعض حصے حذف واضافے کے ساتھ شائع ہوتے رہے، مفتی صاحب کے پیش کردہ مواد کے سلسلہ میں محققین کی رائے ہے کہ اس میں بہت سی نامعتبر روایات راہ پاگئی ہیں، اگر کچھ روایات معتبر ہیں بھی تو ان کو مفتی صاحب کے قلم نے ایسے عقیدت ومحبت میں سرشار ہوکر زینت قرطاس کیا ہے کہ ان میں افسانوی رنگ پیدا ہوگیا۔

(۷) مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی: خیرآبادیات پر مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی (ولادت: ۱۹۱۵ء وفات: ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء) کی کتاب ''باغی ہندوستان'' اولین اور بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے، آپ نے علامہ فضل حق خیرآبادی کے رسالہ غدریہ اور قصائد فتنۃ الہند کا سلیس اردو ترجمہ کیا، ساتھ میں علامہ کے سوانح بھی تفصیل سے قلم بند کیے، ۱۹۴۷ء کے اوائل میں یہ کتاب مولانا آزاد کے مختصر پیش لفظ کے ساتھ مدینہ پریس بجنور سے شائع ہوئی، پھراس کے دو ایڈیشن کچھ اضافات اور حواشی کے ساتھ پاکستان سے بالترتیب ۱۹۷۴ء اور ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئے، چوتھے ایڈیشن کے لیے شیروانی صاحب نے ازسرنو محنت کی، گزشتہ ایڈیشنوں میں جو تاریخی یا کتابت کی اغلاط رہ گئی تھیں ان کو درست کیا، کئی مباحث کا اضافہ کیا، اس عرق ریزی اور جگر کاوی کے بعد کتاب کاتب کے حوالے کردی گئی، لیکن کتاب ابھی کتابت کے مراحل ہی میں تھی کہ اس کی اشاعت کی تمنا دل میں لیے ہوئے شیروانی صاحب اس دنیا سے رخصت ہوئے، بہرحال یہ چوتھا ایڈیشن

المجمع الاسلامی مبارک پور (انڈیا) سے اگست ۱۹۸۵ء میں منظر عام پر آیا۔ تاریخی اور تحقیقی زاویہ نظر سے بعض حضرات نے باغی ہندوستان پر اعتراضات کیے ہیں، ظاہر ہے بتقضائے بشریت لغزش ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں، شیروانی صاحب سے بھی بعض تسامحات ہوئے ہیں، لیکن اس سے ان کے اس کام کی قدر و قیمت کم نہیں ہوتی، آج خیر آبادیات کے سلسلہ میں کوئی بھی تحریر باغی ہندوستان کا حوالہ دیے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی، شیروانی صاحب تمام اہل علم وتحقیق کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے خیر آبادیات پر باقاعدہ کام کا آغاز کیا، عربی میں ''الفضل للمتقدم'' شاید اسی موقعہ کے لیے کہا جاتا ہے۔

(۸) مولانا یٰسین اختر مصباحی: مولانا یٰسین اختر مصباحی (ولادت: ۱۹۵۳ء) کا سلسلہ تلمذ تین واسطوں سے علامہ فضل حق خیر آبادی تک پہنچتا ہے، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں فراغت پائی، اپنے چند رفقا کے ساتھ المجمع الاسلامی مبارکپور کی بنیاد ڈالی، جس کے ذریعے متعدد اہم کتابوں کی تصنیف، ترجمہ اور اشاعت عمل میں آئی، ایک وسیع تصنیفی اور اشاعتی منصوبے کے تحت دہلی میں دارالقلم کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، جو آپ کی سرپرستی اور قیادت میں علمی، تحقیقی اور اشاعتی کام میں مصروف ہے، خیر آبادیات کے سلسلہ میں آپ نے کئی اہم کام کیے ہیں، باغی ہندوستان کے چوتھے ایڈیشن (مع ترمیم واضافہ ۱۹۸۵ء) کی ترتیب واشاعت میں آپ کا اہم رول رہا، مولانا شیروانی نے چوتھے ایڈیشن کے مقدمے میں اعتراف کیا ہے کہ:

> میں بہ صمیم قلب محترم مولانا محمد یٰسین اختر رکن المجمع الاسلامی مبارکپور (اعظم گڑھ) کا شکر گزار ہوں کہ موصوف کے پیہم اصرار اور مسلسل تقاضوں نے نظر ثانی کا کام انجام دلایا اور چوتھے ایڈیشن کی اشاعت کا سروسامان کیا
>
> (باغی ہندوستان، ص۱۴)

علامہ کی حیات وخدمات کے سلسلے میں آپ نے دو مستقل کتابیں ترتیب دیں:

(۱) علامہ فضل حق خیر آبادی اور انقلاب ۱۸۵۷ء (طبع اول ۲۰۰۷ء)

(۲) قائد انقلاب علامہ فضل حق خیر آبادی (طبع اول ۲۰۱۰ء)

اس کے علاوہ اپنی دو کتابوں میں علامہ کی شخصیت اور جہاد آزادی میں ان کے کردار پر بھرپور روشنی ڈالی:

(۱) علما و قائدین جنگ آزادی (طبع اول ۱۹۹۷ء)

(۲) چند ممتاز علمائے انقلاب ۱۸۵۷ء (طبع اول ۲۰۰۷ء)

سنہ ۲۰۱۱ء کو علامہ فضل حق کی یادگار کے طور پر منانے کا منصوبہ آپ ہی نے پیش کیا، جس کے نتیجے میں ملک کے مختلف مقامات پر علامہ فضل حق کی حیات و خدمات پر کانفرنسیں، سیمینار، سمپوزیم اور کنونشن منعقد کیے جا رہے ہیں، رسائل و جرائد علامہ کے اوپر خصوصی نمبر شائع کر رہے ہیں، اور علامہ کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد بڑے پیمانے پر علامہ کی خدمات کا اعتراف کیا جا رہا ہے، زیر نظر کتاب بھی آپ ہی کی تحریک اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہے۔

(۹) ڈاکٹر سلمہ سیہول: ڈاکٹر سلمہ سیہول (اسسٹنٹ پروفیسر بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد) نے علامہ کے عربی دیوان کی ترتیب و تحقیق پر کام شروع کیا تو ان کو اندازہ ہوا کہ علامہ کی شخصی عبقریت کے باوجود ان کے سوانح پر تفصیلی کام نہیں ہوا ہے، انہوں نے اس سمت میں تحقیق شروع کی، اور اپنے مطالعے کا حاصل اردو میں ''علامہ محمد فضل حق خیر آبادی'' کے نام سے ۲۰۰۱ء میں شائع کر دیا، یہ کتاب چونکہ باغی ہندوستان کے نصف صدی بعد ترتیب دی گئی، اس لیے اس دوران علامہ پر جو کچھ بھی کام ہوا مصنفہ نے اس سب سے استفادہ کیا اور ان کی یہ کتاب علامہ کے سوانح حیات پر ایک متوازن اور جامع کتاب قرار پائی، اس کے بعد انہوں نے علامہ کے دیوان کی ترتیب و تحقیق کی طرف توجہ دی، جس پر انہیں پی. ایچ. ڈی. کی ڈگری ایوارڈ ہوئی، ہمارے خیال میں دیوان فضل حق کی ترتیب خیر آبادیات کے باب میں ایک قابل قدر اضافہ اور پیش رفت ہے، جو کئی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتی ہے، اس لیے ہم یہاں اس کا قدرے تفصیلی تعارف پیش کر رہے ہیں۔

یہ مقالہ مقدمہ، دو قسم، اور خاتمے پر مشتمل ہے۔

مقدمہ میں موضوع کی اہمیت، تحقیق کے اہداف اور ان مخطوطات کا تعارف ہے جن کی مدد سے یہ دیوان ترتیب دیا گیا ہے۔

قسم اول دو باب پر مشتمل ہے:

باب اول: اس میں شاعر کا تفصیلی تعارف ہے۔

باب دوم: مندرجہ ذیل ۶ فصلوں پر مشتمل ہے:

(۱) برصغیر ہند و پاک میں عربی شاعری کا ارتقا (۲) علامہ کا شعری اسلوب (۳) علامہ کی شاعری

کے موضوعات اور اہداف (۴) علامہ کی شاعری کے بلاغی اور لغوی پہلو (۵) عروض وقوافی کی جہت سے علامہ کی شاعری کا مطالعہ (۶) علامہ کا شعری مقام ومرتبہ۔

قسم دوم: یہ مقالے کا خاص حصہ ہے، اس میں علامہ کے چھوٹے بڑے ۴۳ر قصائد جمع کیے گئے ہیں، جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۳۳۷۰ر ہے۔ مرتبہ نے ہر قصیدے سے پہلے اس کے مرکزی موضوع کی طرف اشارہ کر دیا ہے، حتی الامکان قصیدے کے زمانہ تصنیف کی بھی تحقیق کر دی ہے، حاشیہ میں ہر شعر کی لغوی تحلیل وتشریح بھی کر دی گئی ہے، ہمارے خیال سے اس دیوان کا یہ پہلو سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

ترتیب دیوان کے وقت مندرجہ ذیل قلمی مجموعہ قصائد مرتبہ کے پیش نظر تھے:

(۱) علامہ کی ذاتی بیاض جو انہیں کے خط میں ہے (مملوکہ حکیم محمود احمد برکاتی کراچی)

(۲) سابق الذکر بیاض کی نقل بقلم مولانا ناظم ندوی (مملوکہ حکیم محمود احمد برکاتی کراچی)

(۳) مجموعہ قصائد مرتبہ مولانا سناء الدین بدایونی (مخزونہ کتب خانہ قادریہ بدایوں)

(۴) مجموعہ قصائد فضل حق اول (مخزونہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ)

(۵) مجموعہ قصائد فضل حق دوم (مخزونہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ)

(۶) مجموعہ قصائد فضل حق اول (مخزونہ کتب خانہ ندوۃ العلما لکھنؤ)

(۷) مجموعہ قصائد فضل حق دوم (مخزونہ کتب خانہ ندوۃ العلما لکھنؤ)

نمبر ۱ر اور ۲ر کے علاوہ باقی مخطوطات کے عکس مرتبہ کے پیش نظر تھے، جو صاف نہیں تھے اور خط بھی شکستہ تھا، ان قلمی نسخوں سے قصائد نقل کرنا کتنا دشوار گزار مرحلہ ہوگا اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عربی زبان کی وسعت، علامہ کے شعری اسلوب اور ایک صدی قبل کے رسم الخط کی پیچیدگیوں سے واقف ہیں، اس سلسلہ کی کچھ دشواریوں کا ذکر مرتبہ نے مقدمہ میں کیا ہے۔

مرتبہ نے بدایونی مجموعے کی تین خصوصیات کا ذکر کیا ہے، ایک یہ کہ اس میں تین قصائد ایسے ہیں جو اس کے علاوہ اور کسی مجموعے میں نہیں ہیں، دوسرے یہ کہ باقی مجموعوں کے برخلاف (علامہ کی بیاض کے استثنا کے ساتھ) یہ مجموعہ شاعر کی زندگی ہی میں نقل کیا گیا ہے، تیسرے یہ کہ اس میں قصائد کے حل لغات بھی شامل ہیں۔

یہ دیوان پاکستان میں زیر طبع ہے، اس کی Soft Copy ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی کی عنایت

سے ہمیں دستیاب ہوئی ہے۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بے شمار محققین واہل قلم نے خیر آبادیات کو اپنا موضوع تحقیق بنایا ہے، معروف محقق پروفیسر ایوب قادری (ولادت: ۱۹۲۶ء/وفات ۱۹۸۳ء) نے بھی اپنے مختلف مقالات ومضامین میں خیر آبادیات کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا ہے، خیر آبادیات کے سلسلہ میں ان کا مضمون ''مولانا فضل حق خیر آبادی دور ملازمت'' غالباً اپنے موضوع پر پہلا تحقیقی مضمون ہے، علامہ کی حیات کے مختلف ادوار کا تاریخی تعین اور تاریخی تسلسل کے ساتھ زندگی کے اہم واقعات کا تذکرہ ایک اہم اور مشکل کام تھا جس کو پروفیسر صاحب نے بحسن وخوبی انجام دیا ہے۔اس کے علاوہ تذکرہ علمائے ہند کے حواشی ،غالب اور عصر غالب، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، جنگ آزادی کا ایک مجاہد مولانا فیض احمد بدایونی اور اپنی دوسری تاریخی اور سوانحی کتب میں انہوں نے علامہ فضل حق اور دیگر خیر آبادی علما وفضلا کا تذکرہ کیا ہے، خیر آبادیات کے سلسلہ میں بعض جگہ ڈاکٹر صاحب کا قلم جادۂ اعتدال پر قائم نہ رہ سکا، بالخصوص ''تواریخ عجیب'' (کالا پانی: منشی جعفر تھانیسری) کے مقدمے اور حواشی میں ڈاکٹر صاحب نے علامہ فضل حق خیر آبادی کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ڈاکٹر معین الدین عقیل کا مقالہ ''علامہ فضل حق خیر آبادی ایک کتابیاتی جائزہ'' بھی قابل قدر ہے، علامہ کا ذکر جن جن تاریخی اور سوانحی کتب میں موجود تھا ڈاکٹر صاحب نے ان تمام اہم مراجع کی طرف صفحہ نمبر، مطبع اور سنہ طباعت کے ساتھ اشارہ کر دیا، یہ بہت بنیادی کام تھا مگر اس میں ایک آنچ کی کسر رہ گئی بقول ڈاکٹر سلمہ سیہول ''ان میں سے بیشتر مراجع ناپید ہیں یا ان تک رسائی مشکل ہے، اچھا ہوتا اگر ڈاکٹر صاحب ان مراجع کے مندرجات من وعن قارئین تک پہنچانے کا اہتمام کرتے'' (علامہ محمد فضل حق خیر آبادی: ص ۲۳)

خیر آبادیات کے سلسلہ میں مولانا غلام مہر علی کا نام بھی اہم ہے، انہوں نے الثورۃ الہندیہ پر عربی میں حاشیہ قلم بند کیا، جو ''الیواقیت المہر یہ'' کے نام سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا۔راجا غلام محمد کی کتاب ''امتیاز حق'' بھی خیر آبادیات کے سلسلہ میں اہمیت رکھتی ہے، اس میں مصنف نے شاہ اسماعیل دہلوی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کے سیاسی کردار کا تقابلی مطالعہ کیا ہے، موضوع کی نزاکت اور حساسیت کے پیش نظر تحقیق، تنقید اور تحریر کا جو واجبی معیار تھا غالباً مصنف اس کو قائم نہ رکھ سکے اسی لیے کتاب اپنی اہمیت کے باوجود علمی حلقوں میں جگہ نہیں بنا سکی۔مولانا معین الدین

اجمیری کے شاگرد مفتی سید نجم الحسن خیر آبادی نے باغی ہندوستان کی ترتیب وتالیف میں شیروانی صاحب کا بھرپور تعاون کیا، اس کتاب کے لیے آپ نے دو مضمون قلم بند فرمائے، ایک میں علامہ فضل حق کی تصانیف کا تعارف کروایا دوسرے میں مولانا عبدالحق کی تصانیف کا، یہ دونوں مضمون اہم ہیں، آپ کی کتاب ''خیر آباد کی ایک جھلک'' خیر آباد کے سلسلہ میں ایک بنیادی ماخذ ہے۔

علامہ فضل حق خیر آبادی پر تحقیقی مقالے: ہماری معلومات کی حد تک سب سے پہلے حیدر آباد کی محترمہ ڈاکٹر قمر النسا نے علامہ پر تحقیقی مقالہ لکھ کر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد سے پی. ایچ. ڈی کی گری حاصل کی، اس کے بعد اہل علم علامہ کی شخصیت، علمی کارناموں اور قومی خدمات کی طرف متوجہ ہوئے، اور مختلف جامعات میں علامہ پر تحقیقی کام کا آغاز ہوا، اور اب تک بہت سے اسکالرز علامہ پر مقالہ لکھ کر پی. ایچ. ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں، ہمارے علم واطلاع میں جو مقالے آئے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱)

اسکالر: ڈاکٹر قمر النسا بیگم (حیدر آباد دکن)

عنوان مقالہ: العلامه فضل حق الخيرآبادی حياته ومآثره مع تحقيق كتابه الثوره الهندية (مطبوعہ)

سنہ تکمیل: ۱۹۸۱ء

زیر نگرانی: ڈاکٹر محمد عبدالستار خاں (صدر شعبہ عربی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد)

جامعہ: شعبہ عربی، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد (انڈیا)

(۲)

اسکالر: ڈاکٹر عبدالواحد (چشتی) پاکستان

عنوان مقالہ: العلامة فضل الحق الخير آبادی و آراؤه الفلسفية

سنہ تکمیل: ۲۰۰۳ء

زیر نگرانی: ڈاکٹر عوض اللہ جاد الحجازی

جامعہ: شعبہ عقیدہ وفلسفہ، فیکلٹی آف اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز، جامعۃ الازہر (مصر)

(۳)

اسکالر: ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی (لاہور پاکستان)

عنوان مقالہ:العلامہ محمد فضل الحق الخیر آبادی ، حیاتہ و شعرہ العربی ، دراسۃ تحلیلیۃ نقدیۃ(زیرطبع)
سنہ تکمیل:۲۰۰۴ء
زیرنگرانی: ڈاکٹر محمد عرفہ المغربی، ڈاکٹر رزق مرسی ابوالعباس
جامعہ: شعبہ عربی، فیکلٹی آف اسلامک اینڈ عربک اسٹڈیز، جامعۃ الازہر(مصر)

(۴)

اسکالر: مولانا محمد احمد مصباحی(یو. پی انڈیا)
عنوان مقالہ: علامہ فضل حق خیرآبادی حیات اور خدمات (مطبوعہ)
سنہ تکمیل:۲۰۰۶ء
زیرنگرانی: ڈاکٹر جہاں آرا بیگم(صدر شعبہ اردو)
جامعہ: شعبہ اردو، کرناٹکا اسٹیٹ اوپن یونیورسٹی میسور(انڈیا)

(۵)

اسکالر: ڈاکٹر سلمیٰ فردوس سیہول (پاکستان)
عنوان مقالہ:دیوان فضل الحق الخیرآبادی دراسۃ وتحقیق(زیرطبع)
سنہ تکمیل:۲۰۱۰ء
زیرنگرانی: ڈاکٹر خالق داد ملک(صدر شعبہ عربی)
جامعہ: شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی لاہور(پاکستان)

(۶)

اسکالر: ارشاد احمد ساحل شہسرامی (انڈیا)
عنوان مقالہ:مساھمۃ العلامۃ فضل الحق الخیرآبادی فی الدراسات الکلامیۃ والفلسفیۃ
سنہ تکمیل:۲۰۱۰ء
زیرنگرانی: ڈاکٹر طارق مختار
جامعہ: شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

☆☆☆

ضمیمہ(۱)

ہم رسالہ صیانۃ الاناس سے سید حیدر علی ٹونکی کے شائستہ اسلوب کے کچھ نمونے پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ بات روشنی میں آسکے کہ فریقین میں سے کس نے علمی دلائل کا سہارا لیا تھا اور کس کے پاس محض ''جدل ومکابرہ کا لفظی گورکھ دھندا'' تھا، ٹونکی صاحب مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> اس زمانے میں سرگروہ ضالین ومضلین وپیشوائے فرقۂ شیاطین، جامع رفض وخروج، نامقبول عدو اولاد بتول شیخ نجدی بداوٴنی نامعقول مسمی بفضل رسول مصداق اس مصرعے کے ع برعکس نہند نام زنگی کافور، کہ اس نے بعد گزرنے مدت بیس سال کے شہادت سے مولانا واولانا الفاضل النبیل المولوی محمد اسماعیل محدث دہلوی قدس سرہ کے اور یہ مولانا ممدوح خلفاؤں میں حضرت مجدد مائۃ ثالث عشر کے افضل اور اکمل تھے، بمقتضائے حدیث کے کہ آثار قیامت میں مروی حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ہے، ولعن آخر هذه الامة اولها لعن وطعن مولانا موصوف (اسماعیل دہلوی) کے جیسا فرقہ اثنا عشریہ نے خلفائے ثلاثہ پر شروع کی ہے، اور جہلا کو بہکا کر اپنے واسطے بزرگی پیدا کرتا ہے، ہر چند مولوی سراج احمد صاحب نے سراج الایمان اور مولوی محمد بشیر الدین صاحب اور مولوی قطب شاہ صاحب نے جدا جدا رسالوں میں خوب اس کی سرکوبی کی ہے، ہنوز اس حرکت سے باز نہیں آتا، محاسن اور مکارم اس شہید اکبر کے تمام خلق میں مشہور ہیں حاجت بیان کی نہیں (صیانۃ الاناس: ص۸)

اس کے بعد شاہ اسماعیل دہلوی کی کچھ مدح سرائی کی ہے، پھر لکھتے ہیں:

یہ بداؤں کا للا محض بے حیا، سگ دنیا، اغنیا کے گھر کا کتا، صرف اپنی نمود اور رسوخ کے لیے دربار اہل دول میں کہ اکثر کفار اور فجار ہیں بعضے البتہ باوجود ثروت ظاہری کے کچھ دولت باطنی ایمان کی بھی رکھتے ہیں، تو وہ اغنیا فساق کہ ان کو کاروبار رشوت خوری اور ظلم اور شراب نوشی اور ناچ وراگ کا رہتا ہے اور ان کو وہاں دین سے نہایت رنج ہوتا ہے تو لقمہ خوران کے دسترخوان کے جیسے یہ بداؤں کا للا ان کے سامنے اچھے لوگوں کی برائی اور عیب چینی کرتے ہیں تا کہ وہ ان سے خوش ہو کے کچھ منفعت اور نعمت دیویں، اور یہ نائبان علمائے یہود اپنی شرارت سے ان اغنیا کے عیب کو تاویل کر کے کچھ دامن تصوف میں پردہ پوشی کر کے غنا اور مزامیر وغیرہ ان کے واسطے حلال کرتے ہیں (صیانۃ الاناس: ص ۹/۸)

پھر کچھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

یہ دجال بداؤنی بڑودہ میں جا کر حکیم کاظم علی خاں کے پاس کہ وہاں کے سردار کا بڑا رکن تھا اس کا ہم مشرب یعنی رافضی بن کر زر خطیر حاصل کیا اور اسی طرح شرف الدولہ جگناتھ امیر لکھنؤ کے پانوں داب کر مطلب اپنا کہ کھینچنا زر کا تھا عمل میں لایا (صیانۃ الاناس: ص ۹)

آگے لکھتے ہیں:

بداوں کے رہنے والوں سے سنا گیا کہ واللہ تعالیٰ اعلم کہ ہمیشہ یہ اپنے والد کو آزردہ رکھتا تھا یہاں تک کہ وہ اس جہان سے سفر کر گئے اور اس سے ناخوش گئے۔ (صیانۃ الاناس: ص ۹)

کچھ سطروں کے بعد پھر اپنی شائستگی کا اظہار یوں کرتے ہیں:

دلالی عملہ ہائے صدر اکبر آباد کی مشہور ہے، کہ اسی سبز قدم کے کٹنا پے سے پیشکار اور وکلا صدر کے تباہ ہو کے مقید ہوئے، یعنی اکثر عملوں نے اس کی

معرفت رشوت لی تھی، مراد آباد کے حاکم انگریز نے بہت تدبیر کی مقدمہ نہ
کھلا آخر اسی دجال کو بلا کر اپنے یہاں کرسی پر بٹھلا کر دم دے کر مقدمہ کو
پوچھا اور کہا کہ تم کو بڑا کام دیں گے اس مقدمے سے ہم کو اطلاع کرو تب
طمع دنیا سے اس نے سب عملوں کی رشوت گیری ظاہر کی، اب غور کیا چاہیے
کہ یہ شیطان آپ ہی واسطہ بن کر سب کو رشوت دلوا کے پھر آپ ہی اُس
رشوت کو ظاہر کر کے سب سے بری ہو گیا (صیانۃ الاناس: ص ۱۰؍۹)

۱۵۶؍صفحات کے رسالے سے یہ صرف ابتدائی ۱۰؍صفحوں کی چند عبارتیں ہیں اسی سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ بقیہ ۱۴۰؍صفحات میں کس قسم کی زبان استعمال کی گئی ہوگی۔ یہ عبارتیں دل پر جبر کر کے ہم نے محض اس لیے نقل کی ہیں کہ اس پروپگنڈے کو حقیقت کا آئینہ دکھایا جا سکے کہ شاہ اسماعیل دہلوی کے اعوان وانصار کتاب وسنت کے دلائل کی روشنی میں کلام کرتے تھے اور علمائے اہل سنت کے پاس منطق وفلسفہ کی موشگافیوں اور جدل ومکابرے کے لفظی گورکھ دھندوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر یہ بھی عرض کر دیں کہ یہ وہی سید حیدر علی ٹونکی ہیں جن کی مدح وستائش کرتے ہوئے حکیم سید عبدالحی رائے بریلوی نزھۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

الشیخ العالم الکبیر العلامۃ حیدر علی بن عنایۃ علی بن فضل علی الحسینی البخاری الدھلوی ثم الطوکی احد العلماء الرّبّانیین (نزھۃ الخواطر: ج ۷؍ص ۱۷۲)

ترجمہ: شیخ، عالم کبیر، علامہ حیدر علی بن عنایت علی بن فضل علی حسینی بخاری دہلوی ثم ٹونکی عالم ربانی تھے۔

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

وکان غایۃ فی الذکاء وسرعۃ الادراک، رأساً فی معرفۃ الکتاب والسنۃ والاختلاف، بحراً زاخراً فی العلوم الحکمیۃ (مرجع سابق)

ترجمہ: نہایت ذکی، اور سرعت ادراک کے مالک تھے، کتاب وسنت کی

معرفت اور (علمِ) اختلاف کے ماہر تھے، علوم حکمت کے بحر زخار تھے۔

ایک عالم ربانی اور کتاب وسنت کے ماہر کا اسلوب نگارش آپ نے ملاحظہ فرمالیا، اس کے جواب میں مولانا شاہ فضل رسول بدایونی نے "تلخیص الحق" تصنیف فرمائی، اس کتاب کی تمہید سے ایک عبارت ہم ہدیہ قارئین کرتے ہیں تا کہ دونوں حضرات کے اسلوب اور لب ولہجہ کا تجزیہ کرنے میں آپ کو آسانی ہو:

> فصل الخطاب کا جواب لکھا ہوا مولوی حیدر علی ٹونکی کا موجب استعجاب اولی الالباب ہوا، نہ بجہت زبان درازی وبد گوئی کہ لازمہ مغلوبی کا ہے، بلکہ باعث استغراب یہ ہے کہ وہ بزرگوار کیا سمجھ کر اُس کے درپئے اشتہار ہوئے، دوستوں کو شرمایا دشمنوں کو ہنسایا، دوست دشمن ہوئے، چشم دشمن روشن، اوروں نے کہ بنام جواب روئے کاغذ سیاہ کیا تھا اُس سے اکثر اسماعیلیہ پر لاجواب ہونا ایرادات فصل الخطاب کا ظاہر ہو گیا تھا، مگر بعض لوگ نقص علم مجیب (فضل رسول) کو موجب نقصان جواب تو ہم کر کر پابند اس خیال کے تھے کہ شاید کوئی بڑا عالم ان اعتراضات کو دفع کر سکے، اب کہ جواب ایسے جناب عالی قباب سر آمد دعاۃ مکلبین عبدالوہاب کا کہ گویا "قد لکۃ الحساب" اور خاتمۃ الکتاب اور غایۃ مافی الباب ہے، نظروں سے گذرا، طریقہ اسماعیلیہ نظروں سے صاف گر گیا، کسی کو عام خاص سے حالت منتظرہ باقی نہ رہی، معترض (فضل رسول) نے جو اعتراض کیا ہے اور مولوی اسماعیل کے کلام کا جو قبح لکھا ہے، جواب (صیانۃ الاناس) سے باوجود کمال اطناب کے کوئی نہ اٹھا، اور اسی قسم کے قبائح سے جواب (صیانۃ الاناس) مالامال ہے، اول سے آخر تک کوئی مقدمہ قاعدہ عقل پر نہیں ہے، معائب افترائیہ اور مثالب کاذبہ غیر واقعہ نسبت کرنا خصم کے طرف مباحثات دینیہ میں کام اہل عقل ودین کا نہیں ہے، اور اس سے کیا حاصل؟ سوائے اس کے کہ دوسرا آپ کے اور

آپ کے ائمہ دین جدید کے عیوب واقعیہ کہ جن کو سن کر آپ دل میں بہت شرمائیں لکھے، **مگر خاکسار بمودائے حکم خالق البریہ** ادفع بالحسنة السیئة **کے زبان وقلم کو جواب ترکی بترکی سے محفوظ کرکے ادائے مطالب پر کفایت کرتا ہے، اور صرف بنظر خیر خواہی حضرت مجیب (حیدر علی ٹونکی) کے خالصاً لوجہ اللہ کہ اصلاح عقائد اہم المقاصد ہے مواقع اغلاط پر مطلع کرتا ہے**

من آنچہ شرط بلاغ است باتو می گوئیم
تو خواہ از سخنم پند گیر وخواہ ملال

حضرت سلامت مباحثات ومناظرات میں اطالت عبارات مناقب موافقین اور مثالب مخالفین میں کیا مفید؟ (تلخیص الحق: ص۲)

جناب حیدر علی ٹونکی کی کتاب کے جواب میں آپ نے مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کا اسلوب جواب ملاحظہ فرمایا، اب ذرا یہ طرفہ تماشہ بھی دیکھتے چلیں کہ وہ حکیم عبدالحی رائے بریلوی صاحب جو نزہۃ الخواطر میں ٹونکی صاحب کی مدح وستائش میں رطب اللسان نظر آتے ہیں وہ اسی کتاب میں کچھ صفحات کے بعد مولانا شاہ فضل رسول بدایونی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں:

وکان فقیها جدلیاً مناظراً شدید التعصب فی المذهب، دائم المخاصمة بالعلماء، ابعد خلق الله عن السنة، منتصراً للبدعة، راداً علیٰ اهل الحق بخرافاته، محباً للدنیا (نزهة الخواطر: ج۷/ ص۴۱۶)

ترجمہ: (شاہ فضل رسول بدایونی) فقیہ، جدال کرنے والے، مناظر، مذہب میں شدید متعصب، علما سے ہمیشہ جھگڑا کرنے والے، مخلوق خدا میں سب سے زیادہ سنت سے دور، بدعتوں کی حمایت کرنے والے، اپنی خرافات کے ذریعے اہل حق کا رد کرنے والے، دنیا سے محبت کرنے والے تھے۔

اس پر ہم کسی تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، ''عالم ربانی'' اور ''خرافات کے ذریعے

رد کرنے والے' دونوں کی تحریریں آپ کے پیش نظر ہیں، اب اس بات کا فیصلہ ہم آپ کے ذوق سلیم کے حوالے کرتے ہیں کہ کتاب وسنت کی معرفت، علوم حکمت میں مہارت، ذکاوت، سرعتِ ادراک اور علمائے ربانیین کے انداز تخاطب کی خوشبو کس تحریر میں ہے اور جدال، تعصب، مخاصمت، سنت سے دوری، خرافات کے ذریعے رد اور علمائے ربانیین کی شان کے خلاف اسلوب کس نے اختیار کیا ہے، اگر اس سلسلے میں آپ کسی نتیجے پر پہنچ جائیں تو نزهة الخواطر کے مصنف ''المؤرخ الهندی الکبیر، العلامة الشریف ''حکیم عبدالحی حسنی لکھنوی (رائے بریلوی) کی مؤرخانہ ثقاہت اور علمی دیانت وامانت کا مقدمہ بھی ہم آپ کی عدالت میں پیش کرنے کی اجازت چاہیں گے۔

☆☆☆

ضمیمہ (۲)

سیف الجبار میں جامع مسجد کے مناظرے کی جو روداد درج کی گئی ہے اس کو ہم یہاں من وعن نقل کر رہے ہیں مصنف سیف الجبار فرماتے ہیں:

اور مجلس جامع مسجد کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے ایک استفتا مرتب ہوا بمہر ودستخط مولوی رشید الدین خاں صاحب ومولوی فضل حق صاحب ومولوی مخصوص اللہ صاحب ومولوی موسیٰ صاحب ومولوی محمد شریف صاحب ومولوی عبداللہ صاحب وآخون شیر محمد صاحب کی، صبح کے وقت منگل کے دن انتیسویں (۲۹ رویں) ربیع الثانی ۱۲۴۰ ہجری کو کہ مولوی عبدالحی جامع مسجد میں وعظ کہہ رہے تھے، مولوی رشید الدین خاں صاحب ومولوی مخصوص اللہ صاحب اور مولوی موسیٰ صاحب مولوی رفیع الدین صاحب مرحوم کے صاحبزادے اور مولوی محمد شریف صاحب وغیرہ علما وطلبہ خاص وعام حوض پر مجتمع ہوئے، جب مولوی عبدالحی صاحب وعظ کہہ چکے عبید اللہ طالب علم نے استفتا پیش کیا کہ اپنی مہر اس پر کر دیجیے، مولوی عبدالحی نے کہا میں نہیں مہر کرتا کہ میں کچھ نہیں جانتا، اُس نے کہا یہی لکھ دیجیے اور اصرار کیا، مولوی عبدالحی نے انکار کیا اور ملال ظاہر کرنے لگے، مفتی محمد شجاع الدین علی خاں صاحب نے کہا کہ اس کا تصفیہ ضرور ہے کہ بڑا اختلاف پڑ گیا ہے، مرزا غلام حیدر شاہ زادے طالب علم کی تکرار سے رنجیدہ ہوئے، اور مولوی عبدالحی وغیرہ کو مجمع علما میں واسطے مناظرے کے لائے، مجمع بے شمار خاص وعام امیر فقیر کا ہو گیا، کوتوال بھی واسطے بندوبست کے آ پہنچا، پھر مولوی عبدالحی نے فاضلوں سے پوچھا کہ تم کیوں

آئے ہو؟ کسی نے کہا کہ آپ کے بلانے کے موافق کہ ہر روز کہا کرتے تھے کہ جس کو تاب مناظرہ کی ہو ہمارے سامنے آوے، سن کر چپ ہو گئے، مولوی مخصوص اللہ نے کہا کہ ہم بموجب حکم خدا کے آئے ہیں کہ حق ظاہر ہو جاوے، مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم ہمارے استاذوں کو برا کہتے ہو، بولے کہ میں نہیں کہتا، مولوی موسیٰ نے کہا یہ ایسے مسئلے نئے بتاتے ہیں کہ برائی استاذوں کی ثابت ہوتی ہے، پوچھا وہ کیا ہے؟ کہا کہ مثلاً قبر کے بوسے کو شرک کہتے ہو اور ہمارے اکابر اُس کے مباشر ہوتے تھے، مولوی عبدالحی نے انکار کیا، کسی نے کہا کہ لکھ دو تا کہ تمہارے اوپر جھوٹ باندھنے والوں کی تکذیب کی جاوے، مولوی عبدالحی نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے لکھ دیا ''بوسہ دہندہ قبر مشرک نیست''، مولوی رشید الدین خاں صاحب کے ہاتھ میں فتویٰ دیا گیا اور قریب مولوی عبدالحی کے آ بیٹھے، مولوی عبدالحی نے گلہ شکوہ ان سے شروع کیا کہ خاں صاحب مجھے آپ کی خدمت میں دوستی تھی تم برملا مجھے ذلیل کرتے ہو، خاں صاحب نے فرمایا کہ ہم تمہارے اعزاز واظہار کمال کے واسطے آئے ہیں، لوگوں نے مشہور کیا ہے کہ تم مسئلے خلاف سلف کے کہتے ہو اس سبب سے خلق کو تم سے وحشت ہے ایسے مجمع میں مفتریوں کی تکذیب ہو جاوے گی، مولوی عبدالحی شکوے ہی کی پریشان باتیں کرتے رہے، خاں صاحب نے فرمایا کہ تمہارے لوگ کہتے ہیں کہ عبدالعزیز کی راہ راہ جہنم کی ہے، اُسی وقت گواہی سے یہ بات ثابت ہو گئی لوگ برا کہنے لگے، مولوی عبدالحی نے بھی تبرا کیا بہ آواز بلند اور مولوی رشید الدین خاں صاحب سے کہا کہ مولانا عبدالعزیز کی محبت اور اعتقاد علم و بزرگی میں مَیں مثل تمہارے ہوں طحاوی اور کرخی کے برابر جانتا ہوں، پھر استفسار شروع ہوا ہر مسئلے کا جواب دیا کہ چنداں مخالف جمہور کے نہ تھا، مولوی اسماعیل نے پہلے ہی استفسار سے ارادہ کیا اٹھ جانے کا، مولوی رحمت اللہ صاحب نے کہا کہ ذری تشریف رکھیے کہ جناب کے بھی دستخط اس

تحریر پر ضرور ہیں، مولوی اسماعیل نے کہا کہ میں کسی کے باپ کا نوکر نہیں ہوں میرے واسطے محتسب لا، اے مردود میرے ساتھ سختی کرتا ہے انہوں نے کہا کہ حضرت میں سختی نہیں کرتا عرض کرتا ہوں، پھر مولوی اسماعیل نے کہا کہ میرے رسالے کا جواب لکھ، مولوی رحمت اللہ صاحب نے کہا کہ رسالہ آپ کا میری بغل میں ہے، اگر فرمائے اسی مجمع میں جواب عرض کروں، غصہ کھا کر کچھ نہ کہا، پھر مولوی رحمت اللہ نے کہا کہ جواب عقلی لکھوں یا نقلی؟ کہا جیسا چاہے، پھر مولوی رحمت اللہ نے کہا کہ رد جواب اس کا لکھو گے؟ کہا کہ میں محکوم کسی کا نہیں ہوں، مولوی رحمت اللہ نے کہا کہ نئے عقیدے اپنے دل کے بنائے ہوئے کسی سے نہ فرمائے اور نہیں تو ابھی بحث کر لیجیے، مولوی اسماعیل اٹھ بھاگے اور چلتے ہوئے رشید الدین خاں صاحب مولوی عبدالحی سے پوچھا کیے وہ جواب دیتے تھے ایسے کہ قدما کے بہت خلاف نہ تھے، تیرہویں سوال میں کہ بدعت کی بحث تھی مولوی عبدالحی نے کہا کہ میرے نزدیک بدعت حسنہ یہی ہے گو اصل ہر بدعت کی بد ہے مگر سبب نیکی کا اس میں ہو تو حسنہ ہو جاتی ہے والا فلا، مولوی رشید الدین خاں صاحب نے کہا کہ اصل ہر بدعت کی بد نہیں ہے موجب **حدیث** من سن سنة حسنة و من سن سنة سية کے، **اور حدیث** من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه **اور حدیث** من ابتدع بدعة ضلالة لی یرضاها الله کہ ان تینوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ نیا طریقہ نیک بھی ہوتا ہے بد بھی اور خدا رسول کی مرضی کے مخالف بھی موافق بھی، گمراہ بھی غیر گمراہ بھی، اسی سبب سے علما نے کہا ہے بعض بدعت واجب و مندوب و مباح بعضے حرام مکروہ، مولوی مخصوص اللہ صاحب نے کہا جس بدعت کی وجہ حسن و قبح کی ظاہر نہ ہو وہ کیا ہے؟ مولوی عبدالحی نے کہا سیئہ، انہوں نے کہا کہ اس تقدیر پر بدعت اور مباح میں کیا فرق ہے؟ مولوی عبدالحی ساکت ہو گئے، کسی نے کہا کہ احکام خمسہ میں سے ایک حکم کم ہو گیا، پھر مولوی عبدالحی نے کہا کہ ہر بدعت

کو برا اس واسطے کہتا ہوں کہ کل بدعۃ کا کلیہ ظاہر پر ہے اور مخصوص نے ہوجاوے، خاں صاحب نے کہا کہ تخصیص سے کیا قباحت لازم آتی ہے؟ اور عمومات میں تخصیص مشہور ہے، مولوی محمد شریف نے پڑھا ما من عام الا وقد خص منہ البعض خاں صاحب نے کہا کہ تینوں حدیثیں مذکورے بالا تخصیص کو چاہتی ہیں پس تخصیص ضرور ہوئی، مولوی عبدالحی نے کہا کہ اصل ہر بدعت کی قبیح بعض علما کا مذہب ہے، خاں صاحب نے کہا کہ یہ قول حضرت مجدد کا ہے، مگر تمہارے مذہب سے نہایت دور کہ ان کے مذہب میں جس کی اصل شرع میں پائی جاوے وہ سنت ہے بدعت وہی ہے کہ جس کی اصل نہ پائی جاوے، پھر مولوی عبدالحی نے غوطہ میں جا کر کہا کہ یہ قول نووی کا ہے فتح المبین میں لکھا ہے، اُسی وقت فتح المبین شرح اربعین امام نووی کی پیش کی گئی، عبارت اُس مقام کی بہ آواز بلند مع ترجمہ پڑھی گئی، پھر تو مولوی عبدالحی اچھی طرح سے قائل معقول ہوگئے، پھر اذان میں بعد دفن کے کلام ہوا، بعد کسی قدر تکرار کے کہا کہ میں کسی کو منع نہیں کرتا، پھر کلام ہوا سوم کے فاتحہ میں، بعد قیل وقال کے کہا کہ اگر اُس دن میں ثواب زیادہ جانتا ہے ممنوع اور اگر ثواب زائد نہیں جانتا اور برعایت مصلحت کے کرتا ہے تو منع نہیں ہے، تمام ہوا خلاصہ نقل مجلس کا۔

(سیف الجبار: ص ۵۰ تا ص ۵۴)

مناظرے سے پہلے جو استفتا مرتب کیا گیا تھا اس میں مندرجہ ذیل ۱۴ سوالات ہیں:

(۱) شرعیات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے عقل وفکر سے بھی کام لیا جائے یا صرف نقل سے؟

(۲) ایمان داروں کی رائے کو شرعی حسن میں دخل ہے یا نہیں؟ یعنی کسی امر میں ایمان والوں کے اتفاق رائے سے شرعی حسن اور خوبی پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟

(۳) اجماع حجت قطعی ہے یا نہیں؟

(۴) قیاس شرعی حجت ہے یا نہیں؟

(۵) کتاب وسنت میں تاویل جائز ہے یا نہیں؟

(۶) قبروں کو بوسہ دینا شرک اور کفر ہے یا نہیں؟

(۷) جو شخص بدعت سیئہ (بری بدعت) کا فتوی دے اس کو ضال و مضل (خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا) کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۸) اگر کوئی شخص میت کو ثواب پہنچانے کے لیے بدنی عبادت کرے، جیسے تلاوت قرآن مجید یا روزہ رکھنا، نماز پڑھنی، ونوافل کا پڑھنا، کیا میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟

(۹) اجماع کا نقل کرنے والا ایک معتبر عالم ہو تو اس کی نقل کا اعتبار کیا جائے یا نہیں؟

(۱۰) ابدان سے جدا ہونے والی روحوں میں شرعاً ادراک اور حس ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱۱) بدعت سیئہ (بری بدعت) کو اچھا سمجھنے والا کافر و مشرک ہے یا نہیں؟

(۱۲) مصاحف میں کلام الٰہی کا لکھنا بدعت ہے یا نہیں؟

(۱۳) قرآن مجید میں حرکات لگانا بدعت ہے یا نہیں؟ اگر بدعت ہے تو اچھی ہے یا بری؟ اور قرآن مجید کو جمع کرنا کس حکم سے ہوا؟ قرآنی آیات کا حکم ہے یا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے؟ یا ان دونوں میں سے ایک بھی نہیں ہے، لہٰذا بدعت ہے یا نہیں؟ اسی طرح ہر وہ حکم جو قرآن مجید کے نص سے یا حدیث متین کے ظاہر سے نہ ہو بدعت ہے یا نہیں؟

(۱۴) رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کا نہ ہونا اور اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول و فعل کا نہ ہونا، کسی قول یا فعل کے لیے عدم جواز کا سبب ہوتا ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیں اور اجر حاصل کریں۔

(مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویت الایمان: ص۱۰۹/تا۱۱۵/)

☆☆☆

حواشی

(۱)

دریں بلا دنظیر حضرت عمی واستاذی علیہ الرحمۃ بمشاہدہ نیامدہ لا ریب وحید عصر وفرید دہر بودند غیر از تعلیم وتدریس طلبا واعانت فقرا وغربا شب وروز شغلے دیگر مرغوب طبع مبارک نبود، عدد تلامذۂ جناب بالوف رسیدہ.......تمام بدایوں احدے از تلمذ جناب شاں یا تلمذ تلامذہ جناب شاں خالی نیست (تحفۂ فیض:ص۲۸/۲۹)

(۲)

نقلت هذه المقامة السجنية والقصيدتين فى شهر رجب ۱۳۱۱ھ/وكان المنقول عنه بيد المصنف غفر له الله ورحمة،يقال انه رحمه الله لما انشد هاتين القصيدتين فى المديح النبوى حكم له ببركته بالخلاص من السجن ومجيئه فى وطنه وسكنه ولكن كان ثمة مريضاً من زمان بامراضٍ عديدة فتوفى هناك :وكم حسرات فى بطون المقابر،صدق القائل:وكل ما قدر الرحمٰن مفعول

كتبه محمد عبدالمقتدر مطيع الرسول عفى عنه

(۳)

آں چہ در وصف قصیدہ حائیہ ......خامہ مشکیں ختامہ شد باقتضائے قدردانی ہا وقدر افزائی ہا است سوائے آں جناب کسے نیست کہ براوایں متاع پیش کردہ شوم ۔(مکتوب علامہ فضل حق خیرآبادی بنام مفتی آزردہ مخزونہ کتب خانہ قادری بدایوں)

(۴)

والنظر الى الاختصار منعنا من التفصيل ومن شاء فليرجع الى افادات الفاضل الكامل الاجل الابجل المولى فضل الحق الخيرآبادى وهو بارض الهنداول من جرح مبتدعات النجدية ومفاسدهم،وآخر من بيّن شرح فسادعقائدهم فاطمئن قلوب اهل اليقين وحصل

الیقین للشاکین والمترددین وهدی الله به کثیرامن الضالین ،وله منة علی کافة المسلمین واجر جزیل عند رب العالمین(المعتقد المنتقد:ص۱۱۲)

(۵)

وبعد فقد طالعت الرسالة التی صنفهاورصفّهامولانا الاودع الاروع الاورع، البارع المتبرع، الفارع المتفرع، الضارع المتضرع، ذوالمناقب الثواقب الجلیلة، والانظار الثواقب الدقیقة، الجامع بین العلوم العقلیة والنقلیة، ومعارف الشریعة والحقیقة، طلاع الثنایا والنجاد، ذائع الصیت فی انجاد الحقوفلّ قرن طلعمن النجد فی الاغوار والانجاد، العریف العرّیف، الشریف الغطریف، الصفی الخفی، الحصی الحفی مولانا المولوی فضل الرسول القادری الحنفی متع اللّٰہ المومنین بطول بقائه وصانه فی حرزه ووقائه۔ وجعل خیر ایامه یوم لقائه۔

فاذا هی مع وجازتها جامع لحقائق العقائد،دافع لمکائد اهل الحقائد، کلّها تبیان و اصراح للحق الصراح، وتبئینٌ لاوضاع الهدیٰ وایضاح، طلاع مطالع عباراتها الفصاح، لصبح الحق الصابح اصباح وافصاح، ولظلام ظلم المبطل کشف و فضاح، وتلا ئم الکلم التی سردت فیها بالاقتراح، اِلآم للقرائح بإلهام الحق القراح، وکلم وقرح وجرح لمن اجترح الافساد والاستجراح، یهتدی بها الضلیل الی سنن اهل السنة السنیة، ویرتوی بها الغلیل من شریعة الشریعة البیضاء النهیة، قد فصح بها فرق الفرق بین العقائد الحقة الدینیة، وبین اباطیل الفرق الدنیة، وافتضحبها عوارالاعاورالردیة، من المعتزلة والنجدیة، فاذ قد نجد بها الحق نجودا، ترك کل نجدی منکودا منجودا،بل هالکاً ملحودا ،یجد علیها کل من بغیٰ وطغیٰ وجدا،ویجد بها کل من بغیٰ فوجد الرشد فیجد بها وجودا،(مرجع سابق:ص۳،۴)

(۶)

وبعد فانی نظرت فی الرسالة البالغة،والعجالةالنافعة التی الفها الحبر المدقق،النحریر المحقق،الفاضل الکامل،العالم الفائق،البحر الخضم،الالمعی اللوذعی،الاحوذی الاصمعی مولانا المولوی فضل الرسول البدایونی القرشی القادری فی تحقیق العقائد(مرجع سابق:ص۴)

(۷)

وجدتها اجود لفظاً،واحسن معناً،واغر نظماً،وازهر حکماً،وارفع شاناً،وامنع مکاناً،لایدانیهاکتاب قد صنف فی علم الکلام،ولا یساویهارسالة قد الفت فی هذاالمرام(مرجع سابق:ص۵)

(۸)

فقد انتهى الى منتهى المقال فى شرح حديث لا تشد الرحال الذى صنفه ورصفه من تشد اليه الرحال لتحل عقد الاعضال وتساق اليه عناق الجمال لتعرف مايروى من الاحاديث بالاسنادوالارسال وتناخ بجنابه مطايا النزال لنيل المعارف والعوارف بالتفصيل والاجمال احب الاخلال الرضى الخلال الذكى الزكى الخصال القسمين اليمين والشمال ملاك الكمال الباجل البجال الفاضل الفضال الامثل الاجل عن الامثال فى الفضل والآثال مولانا المولوى محمد صدرالدين خان بهادر لا زال فى بال واقبال۔ (منتہی المقال:ص۴۱/۴۲)

(۹)

وكان بينه وبين استاذى العلامة محمد صدرالدين خان الدهلوى صدر الصدور بها مودة اكيدة ومحبة شديدة لانهما كانا شريكين فى الاشتغال على استاذ واحد وعلى ابيه الفاضل فضل امام ومع ذلك يسخط استاذى عليه فى بعض امور منها رده على الشيخ الحافظ الواعظ المحدث الاصولى الحاج الغازى الشهيد محمد اسماعيل الدهلوى ويقول لا ارضى منك ذلك وليس هذابعشك (ابجد العلوم: بحوالہ نزهة الخواطر: ج۷/ص۴۱۳)

(۱۰)

مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کہ ازعلمائے نامدار ہند بودندودرعلم معقول درعہد خود امام فن، بخدمت شیخ الاسلام خواستگار خواندن فصوص شدند، و چند سبق از کتاب موصوف بحضور آنحضرت خواندند، روزے خدمت شیخ الاسلام فرمودند کہ شمارا بسبب کثرت مزاولت فنون فلسفہ استعداد درک ایں علم شریف نیست، چنانچہ درمولانائے ممدوح از برکت تعلیم شیخ الاسلام ایں اثر بود کہ می گفتند کہ علوم معقولات کہ در درس وتدریس ماست ہمہ قشرست وعلم تصوف مغز، لیکن عقل راقوت درک آں نیست۔
(مناقب حافظیہ: مولانا ہادی علی خاں چشتی، ص۹۴، مطبع احمدی کانپور۱۳۰۵ھ)

(۱۱)

حق جل وعلا درسورۂ یٰسین می فرماید: اولیس الذی خلق السمٰوٰت والارض بقادر علیٰ ان یخلق مثلهم بلیٰ وهو الخلاق العليم انما امره اذا ارادشيئاً ان يقول له كن فيكون پس ضمیر مذکر راجع است بسوئے جمیع بنی آدم زیرا کہ آیہ کریمہ مذکورہ درمقام بیان معاد واقع گردیدہ، پس ہرکہ در معاد زندہ خواہد شد آن داخل است درکریمہ مذکورہ وظاہراست کہ ہرفردے از افراد انسانی در معاد زندہ شدنی است پس مثل او بمقتضائے کریمہ مذکورہ داخل تحت قدرت الٰہیہ باشد پس گویا ترکیب دلیل مذکور

بایں وجہ باشد کہ نبی ﷺ درمعاد زندہ خواہند شد وآں از ضروریات دین است وہر کہ درمعاد زندہ خواہد شد پس وجود مثل او داخل است تحت قدرت الٰہیہ بمقتضائے کریمہ مذکورہ پس وجود مثل نبی ﷺ داخل شد تحت قدرت الٰہیہ وہوالمطلوب (رسالہ یک روزی، مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۸)

(۱۲)

حق جلا وعلا احیائے ارض وانزال مطر براحیائے موتی درمعاد درآیات کثیرہ استدلال فرمودہ منہا وھو الذی انزل من السماء ماءً بقدر فانشرنا به بلدة میتاً کذلك تخرجون وازایجاد آدم علیہ السلام بے پدر برامکان ایجاد حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم السلام بے پدر استدلال نمودہ ان مثل عیسیٰ عندالله کمثل ادم خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون وبالجملہ استدلال بوجہ مذکور در قرآن مجید شائع ومتعارف است پس بریں تقدیر وجود نبی ﷺ خود دلیل باشد برامکان وجود مثل ایشاں نظر بر قدرت الٰہیہ، پس گویا ترکیب دلیل بریں تقدیر بایں وجہ خواہد بود ہرگاہے کہ وجود نبی ﷺ داخل تحت قدرت الٰہیہ باشد وجود مثل ایشاں ہم داخل تحت قدرت مذکورہ باشد پس وجود مثل ایشاں ہم داخل باشد تحت قدرت مذکور لان حکم المثلین واحد فی الدخول تحت القدرة وعدمه بمنطوق القرآن وھو المطلوب (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۹)

(۱۳)

اما برہان عقلی پس بیانش آں کہ وجود مثل مذکور ممتنع بالغیر است وہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات وہر ممکن بالذات داخل تحت قدرت الٰہیہ پس وجود مثل مذکور داخل است تحت قدرت الٰہیہ وہوالمطلوب، اما مقدمہ اولیٰ پس بیانش آں کہ مثل مذکور در نفس الامر معدوم است وہر معدوم یا ممتنع بالذات است یا ممتنع بالغیر پس مثل مذکور یا ممتنع بالذات است یا ممتنع بالغیر لیکن ممتنع بالذات نیست پس ممتنع بالغیر است، اما صغریٰ وکبریٰ قیاس اول پس احتیاج بیان ندارد واما قضیہ استثنائیہ درقیاس ثانی پس بیانش آں کہ مثل مذکور عبارت است از فردے کہ مشارک آں جناب باشد در ماہیت واوصاف کمال پس امتناع بالذات یا بسبب امتناع مشارکت در ماہیۃ خواہد بود یا بسبب امتناع اتصاف باوصاف مذکورہ بالنظر الیٰ نفس الذات وپُر ظاہر است کہ ماہیت آں جناب انسان است واشتراک ماہیۃ انسانیہ درالوف الوف افراد ممتنع نیست واتصاف باوصاف مذکورہ نظر بنفس ماہیۃ ہم ممتنع نہ، والا اتصاف آں جناب ہم باوصاف مذکورہ ممتنع می شد فان حکم المثلین واحد فیمایثبت ویسلب بالنظر الی نفس الماهیة والا لزم عدم اشتراك الماهیة بینهما فلزم عدم المماثلة هذا خلف پس مثل مذکور ممتنع بالذات نباشد (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۳۹)

(۱۴)

دلیل نقض بایں وجہ باشد کہ اظہار دخول سلب کمال رسالت از آنجناب تحت قدرت الٰہیہ اساءت ادب است بہ نسبت آن جناب واضلال عوام وہر چہ چنیں باشد پس آں شرعاً ممنوع است پس تلاوۃ آیات مذکورہ وبیان معانی آن شرعاً ممنوع باشد (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۴۷)

(۱۵)

ترکیب دلیل بایں طریق کردہ شود کہ اظہار مماثلت آنجناب باحاد رعیتے بنی آدم اساءت ادب است بہ آنجناب واضلال عوام است پس شرعاً ممنوع باشد حالانکہ قل انما بشر مثلکم درمواضع عدیدہ ازقرآن مجید واقع گردیدہ پس تلاوۃ آیات مشتمل برآں کلمہ وبیان معانی آں شرعاً ممنوع باشد (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۴۸)

(۱۶)

پس اظہار دخول نظیر آنجناب درتحت قدرت الٰہیہ لانسلم کہ اساءت ادب بنسبت آنجناب واضلال عوام باشد زیرا کہ اظہار مذکور مستلزم تنقیص آنجناب است نسبت بہ حضرت حق جل وعلا چہ شریک الباری ممتنع بالذات است وشریک آنجناب ممتنع بالغیر وتنقیص آنجناب بہ نسبت حضرت حق اصلاً اساءت ادب باآنجناب واضلال عوام نیست بلکہ اظہار عبودیت آنجناب است کہ ازاتم مقاصد دین است (مرجع سابق، نفس صفحہ)

(۱۷)

قوله وهو محال لانه نقص والنقص عليه تعالىٰ محال، اقول :اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الٰہیہ داخل نیست پس لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد، چہ عقد قضیہ غیر مطابق للواقع والقائے آں بر ملائکہ وانبیا خارج از قدرت الٰہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرت انسانی ازید از قدرت ربانی باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابق للواقع والقائے آں بر مخاطبین درقدرت اکثر افراد انسانی است، بہ کذب مذکور آرے منفی حکمت اوست پس ممتنع بالغیر است۔ (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح: ص ۱۴۵)

(۱۸)

لہٰذا عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانہ می شمارند واو را جل شانہ بہ آں مدح می کنند بخلاف اخرس وجماد کہ ایشاں را کسے بعدم کذب مدح نمی کند وپر ظاہر است کہ صفت کمال ہمین است کہ شخصے قدرت بر تکلم بکلام کاذب می دارد وبنا بر رعایت مصلحت ومقتضی حکمت بتنزہ از شوب کذب تکلم بکلام کاذب نمی آید ہماں شخص ممدوح می گردد (رسالہ یک روزی مشمولہ ایضاح الحق الصریح ص ۱۴۵)

(۱۹)

دریں ہنگام درشہر دو دانش مند باہم درآویختہ اند، یکے می سراید کہ آفریدگار ہمتائے حضرت خاتم الانبیا

علیہ واٰلہ السلام می تواند آفرید، وایں یکے می فرماید کہ ممتنع ذاتی ومحال ذاتی است (غالب اور بدایوں: ص ۳۰)

(۲۰)

اکنوں واجب است بیان قول محقق درآنچہ بعضے از ناظرین دریں مقام تقریر کنند وآں این است کہ بحث وخوض درامکان مثل آنحضرت ﷺ موجب منقصت شان نبوی واسائت ادب است گودرقرآن مجید ازیں امکان خبر دادہ چنانکہ در تفسیر آیت ولو شئنا لبعثنافی كل قرية نذيرا گزشت لیکن مارانمی باید کہ درایں خصوص کلام کنیم (تحریر مفتی آزردہ مشمولہ ایضاح الحق: ص ۱۵۶)

(۲۱)

الفاظے کہ درحق انبیا علیہم السلام درقرآن مجید بطور عتاب وارد است مارانشاید کہ بخصوصہ آں لفظ را از الفاظ سابق ولاحق جدا نمودہ برزبان آریم ودراں بحث وگفتگو نمائیم مثلاً لفظ ضال کہ درو وجدك ضالاً فهدىٰ واقع است برآنحضرت ﷺ اطلاق کنند وبگویند کان ضالاً معاذ اللہ یا کسے قرأت سورۂ عبس وتولىٰ راکہ یک گونہ عتاب است دراں از جانب حق بحبیب خود التزام کند در ہر نماز، علمائے محققین ازاں منع کردہ اند قال السيد في شرح المواقف ولا يجترأ على الانبياء باطلاق اللسان انتہیٰ ۔ علی الخصوص مقام سید انام علیہ الصلاۃ والسلام کہ از ہمہ نازک تر است دریں جا ایہام سوئے ادب ہم موجب تزلزل درارکان ایمان است۔ (مرجع سابق: ص ۱۵۷)

(۲۲)

اتمدح جاهلاً شراً شقياً ... تداركه من الله انتقام
وانكر جاحداً غياً وجهلاً ... شفاعة من يلوذ به الانام
وحرم ان يؤم بشد رحل ... مزار دونه البيت الحرام
وجوز ان يقول الله كذباً ... وقول الكذب منقصة وذام
فجوز ان يكون نظائر في ... الكمال لمن له الفضل العظام

(قصیدہ قلمی، مخزونہ کتب خانہ قادریہ بدایوں)

(۲۳)

يا رحمة للعلمين ارحم على ... من لا له في العلمين رثاء
افديك مُن علىٰ اسير ماله ... راث ولا من له وفداء
فاشفع له من دون ارجاء فقد ... ضاقت عليه الارض والارجاء

(باغی ہندوستان ص ۱۰۰/۱۰۱)

(۲۴)

یـا رب انـقذه من ایدی عدی کفر　　　بـجـاه احـمد محمود و حماد

(باغی ہندوستان،ص۱۱۴/۱۱۵)

(۲۵)

یـا سید الخلق یا خیر الوریٰ خلقاً　　　یا خیر من یرتجی یا خیر اجواد

افدیك محنی ومحنی واکفق محنی　　　بالمليح يا خير ممتاح و ممتاد

فـاشفع ومحنی وسل ربی لینجینی　　　مـمن بلانی بتغریبی وافرادی

(باغی ہندوستان،ص۱۱۶/تا۱۱۹/)

(۲۶)

دریں مقام اثبات ہمیں قدر است کہ وجود مثل مذکور داخل است تحت قدرت نہ اثبات وقوع آں بالفعل(رسالہ یک روزی:ص۱۳۸)

(۲۷)

اگر مقصود معترض این است کہ وقوع مثل مذکور بالفعل مستلزم کذب نص است پس مسلم است وکسے دعوی وقوع مثل مذکور بالفعل نکردہ (رسالہ یک روزی:۱۴۴)

(۲۸)

آرے قول بوقوع مثل مذکور تجویز کذب مسطور است معاذ اللہ من ذلک، واما قول بامکان مثل مذکور پس مستلزم امکان کذب مسطور نیست (رسالہ یک روزی:۱۴۴)

(۲۹)

برادر صاحب گرامی مراتب اعز وارشد نور العین شیخ اظہار حسین اسعدہ اللہ فی الدارین بعد سلام مسنون مطالعہ نمایند تحریر فاضل نحریر رأس المدققین سند المحققین لوذعی المعی مولوی حیدر علی رامپوری زاد افاداتہ در جواب فتویٰ مقبول تقویٰ نتیجہ فکر صامت وذہن ثاقب امام زماں فرید دوراں الاستاذ المطلق مولوی فضل حق از داد برکاتہ متعلق بعبارۃ تقویت الایمان در بیان شفاعت کہ بخاکسار عنایت ساختہ اصرار اظہار حال موافق آں چہ در خاطر شکستہ بال خطور نماید نمودہ اند، حال آں است کہ مولوی فضل حق صاحب در جامعیت کمالات علمیہ واحاطہ علوم عقلیہ ونقلیہ من مبادیہا الیٰ غایاتہا دریں جزو زمان نظیر ندارند الا ماشاء اللہ، آں چہ مشاہدہ ومسموع است ہم چناں است واللہ اعلم بالسرائر، ودر زمانے کہ بتحریر ایں فتویٰ پرداختہ بودند ارکان ایں فرقہ واعیان ایں طائفہ کہ بادی ایں مبادی وبانی ایں مبانی بودہ اند موجود بودند چہ رنج ہا

نکشیدند وچہ غصہ ہا نچشیدند وچہ جگر ہا کہ خون نکردند فاما تاب مقاومت ساکت وصامت ماندند الخ (رسالہ تردید حیدر علی ٹونکی قلمی: ورق ۱/الف)

(۳۰)

حمداً لله المؤفق للصدق والصواب والصلاة والسلام علی من اوتی الحکمة وفصل الخطاب وعلیٰ آله واصحابه اهل الله کل له اواب ــ برخاطر عاطر ارباب صفوت وصفا واصحاب نصفت وحیا روشن باد کہ درزمانے کہ خبر رونق افروزی افضل المحققین وخیر المدققین مولانا مولوی حافظ محمد فضل حق خیرآبادی ادام اللہ فیوضہ در بلدہ لکھنؤ رسید بعضے پاک طینتاں با مولوی مراد آبادی مفتی کوتوالی .....لکھنؤ کہ گاہے نامش را محمد المدعو بسعد اللہ وگاہے ابومحمد الشہیر بسعد اللہ بدستخط اومی یابم بشوریٰ پرداختند ....مفتی موصوف را برمکالمہ با مولانائے ممدوح می...اند چنانچہ اولاً ایں بزرگوار بحضورشاں بہ نہایت ادب وعقیدت آمد ورفت شروع کرد، بعد ازاں روزے وقتیکہ مولانا خضاب کردہ آمادہ قیلولہ واستراحت بودند با حکیم حاجی اسدعلی کہ صاحب از اجلہ اصحاب شوریٰ شان بودند حاضر شدند وبعد عرض آداب وعقیدت نیاز پرچہ کاغذے کہ برآں عبارت شفائے شیخ مرقوم.....کردند..الخ (روداد مباحثہ اول قلمی)

(۳۱)

مولانا مولوی فضل رسول بداؤنی مدظلہ کہ از افاضل واذکیائے دہر وجامع علوم ظاہر وباطن اند، ایں سخن ہائے ناشائستہ ایشاں راشنیدہ فرمود کہ شمابسیار بد کردید وخرابی خود نمودید شمارا مناسب ایں بود کہ کتاب پیش مولانائے فضل حق صاحب می داشتند واستفادہ علم می کردند تا اعتبار شما می شد، وعلم شما رونق می گرفت، وبزرگی وتعظیم مولانا ہم ظاہر می شود کہ مستفیدان درزمانہ سابق اگر بزرگ عالمے درشہر وارد شدہ ہم چناں کردہ اند، وفرض کردیم کہ اگر یک مسئلہ از مسائل بمولوی صاحب ممدوح معلوم نشد شمارا صد مسئلہ معلوم نیست، واگر اوشاں راصد معلوم شد شمارا.....معلوم نیست، پس دریں سخن ہائے ناشائستہ حرمان شما است بفضل مولوی صاحب ممدوح ضررے نیست (روداد مباحثہ اول قلمی)

(۳۲)

اما تفصیل مقال مرتبہ دوم این است کہ چوں فقیر دویم شوال بملاقات عید با مولانا مشرف گردید الخ (روداد مباحثہ دوم قلمی)

(۳۳)

طرفہ ایں است کہ بزرگے چند سال پیشتر ایں قصیدہ را پیش فقیر آوردہ بیان کردہ کہ شخصے از علمائے مغرب ایں قصیدہ در مدح ہاکنس یکے از حکام نصاریٰ گفتہ در آخر سنین ہجریہ یک ہزار ودوصد وچہار وپنج

رقم پذیرفتہ بودمگر مولانا فی الجملہ دراں تغیر فرمودہ، زیراکہ مطلع آں قصیدہ چنیں بود

وافت بشائر بالنفس ☆ ومضیٰ زمان قد عبس **مولانا آں** را وافیٰ بشیرا بالنفس **ساختند**

(۳۴)

تـمت الرسالة للعلامة المشتهر فی الاطراف والاکناف المستغنی من المدحة والانصاف واقف سـرائـر الفروع والاصول کاشف رموز المعقول والمنقول مولانا ومرشدنا مولوی فضل رسول ادام الله ظلال افضاله علیٰ مفارق المسترشدین۔(**مرجع سابق: ورق ۱۳/ب**)

(۳۵)

حضرت معترض بعد ملاحظہ ایں تحریرفرمود کہ مجیب تحقیق مسند پرداختہ وخطاب بمانہ نمودہ، اگر مخاطبہ بما کردمی نوشتم بداں سبب بااصرار مصرین جواب بطریق خطاب مرقوم گردید (مرجع سابق: ورق ۱۳/ب)

(۳۶)

بسـم الـله الرحمن الرحیم وصلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد واله اجمعین،قال الـمولیٰ الاعظم سیدنا ومولانا المعظم امام اوانه رئیس اقرانه اکمل الحکما اجل الفضلا افضل العلما هوا الذی یفتخر به الزمان فی زماننا فوالله لیس له مثل فی اذهاننا ،منکر فضله عـلـی مـعـاصـریـه امـا جـاهـل وامـا مـجـنون ،وما یجحد بامامته ورئاسته الا الحاسدون الـطـالـحـون ،الکثیر بالغاً ما بلغ فی مدحه قلیل والطلیق المنطق فی وصف قلیل من کثیره کـلـیـل،ذوالـرئاسة الانسبة صاحب القوة القدسیة الاستاذ المطلق المولوی فضل حق ادام الله ظلاله وضاعف اجلاله واحسن حاله وماله (**مرجع سابق: ورق ۱۳/ب**)

(۳۷)

هٰذا ...... لمن لا مساس له فی العلوم والحکم نون والقلم ان هو الا کالحیاریٰ فی الـظـلـم لـم یـذکر اسمه استحیاء فان دخل من لا دخل له لا یحصل من الخلق الا سخریة واستهـزاء وما اشبه حاله فی دفع ایراد المولیٰ الاعظم کصخرة یرید ان یقاوم لقاتمه سماء فـان قـلـت فـلـم تـصدیت للجواب ان کان ما قلت فی حقك حقاً عندك ولـم یکن سمعة وریـاء فـاقول وقولی الحق مااوقعنی فی هذالحطب الا امر بعض سادة من اهل بیت النبوة اصراراً واغراء فما فعلت ما فعلت الا امتثالاً (**مرجع سابق: ورق ۱۵/ب**)

(۳۸)

فـانـی الـقـی الـیّ کتـاب کـریم مسك الشمیم،ازریٰ نثره الدر النظیم،ونشر نشأه النسیم ،

منسقاً من راح شراب مزاجه من تسنيم ،كاساً لا لغو فيها و لا تأثيم،فسلی الهيام واروىٰ اليهيم ،فسقی السقيم ورقی السليم واسی الكليم و احیٰ الرميم من المهيم ،الاروع العميم، الاورع المزيم، الهمام العلی الهمم والغريم ذی الخلق الوسيم ، والخلق الجسيم، الحليم العليم، المتكلم الحكيم، الذكی الزكی الخيم،الفرع الفارع الذی فرع ذوائب الفروع، والاصيل المجدد الرائی الذی برع فی تأصيل الاصول، فيعقل اليه العقول، بحل عقل المعقول، وينقل اليه الرجال رحالاً وعلی كل ضامر ليميزوا نقل المنقول ، المولی لمفصلالقبول، مولانا ومخدومنا المولوی فضل رسول، ادام الله لارشاد الرواد،ارفاد الوراد، فی ظل سابغ وعيش سانع بمحمد واله الامجاد صلی الله عليه وسلم. (مرجع سابق: ورق ۱۵/ب)

(۳۹)

اجوبۂ سوالات پانزدہ گانہ کہ در رمضان رسیدہ در ماہ شوال بامعان نظر دیدم جملہ جواب ہا نہایت برجستہ وپسندیدہ وبدلائل عقلیہ ونقلیہ بہ نیکوترین بیانہا مدلل ومبرہن است ،مگر در بعضے جابقصور ادراک وفہم خود یک گونہ تردد دارم، واین این است کہ دراستفتائے سادس در جواب شخصے کہ کاذب بودن اوسبحانہ ممکن ومقدور اومی گوید، گواستدلال او براں محض از خرافات است مرقوم است کہ ''کذب اوسبحانہ نقص است ونقص اوسبحانہ محال بالذات پس از ممکنات نیست وقدرت آں را شامل نہ خواہد بود'' وعبارت شرح عقائد جلالی مجیب در سند آں آوردہ ظاہراً ایں قول دوانی در رد جواب شریف علامہ است کہ در شرح مواقف گفتہ کہ ''استحالہ خلف در وعید اوسبحانہ وکذب در خبر او ممنوع است كيف وهما من الممكنات التی تشملهاقدرته تعالیٰ وناظرین شرح عقائد جلالی از جانب علامہ شریف جوابہا دادہ اند منها ما قال الفاضل اللاهوری حيث قال لا يخفی انه موقوف علیٰ كونه ممتنعاً بالذات ولا نسلم ذلك اذ لو كان ممتنعاً لما وقع من احد فهو ممتنع بواسطة انه مناف لكماله تعالیٰ فيكون ممتنعاً بالغير والامتناع بالغير لا ينافی الامكان الذاتی انتهیٰ ۔وقریب آں دیگر.....ہم گفتہ اند، اگر چہ بعد تدقیق نظر معلوم می شود کہ حق ہمین است کہ کذب اوسبحانہ ودیگر وجوہ نقص ونفی صفات کمالیہ از وے محال بالذات است واز ممکنات نیست ونہ درتحت قدرت اوست ،لیکن اگر کسے قائل بہ امتناع بالغیر آں گردد متشبث بایں تاویل باشد کہ بعضے علما گفتہ اند گوایں تاویل فاسد است حکم کفر بروے حسب ضوابط واصول فقہا صحیح است یا نہ؟ دریں باب تأمل دیگر ہم درکار است۔

دوئم ایں کہ کفر مجسمہ ومشبہ مختلف فیہ است محققین تکفیر ایشاں نکردہ اند گویند کہ جہل باللہ من بعض الوجوہ موجب کفر نیست ،قطع نظر از قول محققین در کفر مختلف فیہ فقہا تعین کفر نکردہ اند۔وضال ومضل بودن

قائل آں اقوال شک نیست مع ہٰذا در وقت دیگر ہم ملاحظہ خواہم کرد، وآں چہ بفہم ناقص ایں ہیچ کارہ خواہد آمد مفصل عرض خواہم کرد، ایں وقت بر سبیل اجمال ایں چند حروف عرض داشتہ ام۔ والتسلیم بالوف التعظیم۔ (مجموعہ مکاتیب قلمی: ورق ۸/الف، ب)

(۴۰)

بجناب مولوی صاحب والا مناقب مخدوم ومکرم، مطاع معظم، ملاذ عقیدت کیشاں،......خیر اندیشاں، دامت عنایاتہم بعد تسلیم وتمنائے نیاز گزارش میکرد کہ عنایت نامہ نوازش........بست و چہارم شوال فیض ورود بخشیدہ منت بر جاں گزاشت (مجموعہ مکاتیب قلمی: ورق ۸/ب)

(۴۱)

جناب افادت مآب افاضت......مسند الوقت امام العصر رئیس الزماں حجۃ اللہ الاستاذ المطلق مولانا وبالفضل اولانا حضرت مولوی فضل حق دام دوامہم پس از گزارش آنچہ بائد وشائد عرض ایں است کہ جواب استفتائیکہ خادمے از خدام بحضور آں قدوۃ الانام گزرانیدہ وملازمان والا آں را پیش گاہ یکے از احباب عالی جناب خود بدولت کہ نام نامی آں جناب گرامی معلوم شد ارسال فرمودند، وتحریر آں نحریر کہ بحضور ملازمان رسیدہ ایں ہیچ مداں را مرحمت کردیدہ، وآں این است....(مجموعہ مکاتیب قلمی: ورق ۱۲/الف)

(۴۲)

ایں بے بضاعت فاقد اللیاقت کہ بزیارت آں کتب سعادت گردیدہ ہر چند فقرہ آخریں یعنی ''در ضال ومضل بودن صاحب ایں اقوال شک نیست'' موجب تسکین مجیب وجملہ ناظرین گردیدہ، جزاہ اللہ خیراً فاما تقریر تردد وتامل حضرت نحریر کہ درآں تحریر ست فقیر را ہم.....متردد ومتامل نمودہ آخراً بعد فکر بسیار رفع تردد حقیر شد، بوجوہیکہ.......عرض کردنش بوالا خدمت فیض موہبت وہم بواسطہ ملازمان سامی بجناب حضرت نحریر صاحب تحریر مناسب نمود لا جدلاً حاشا وکلا بل استصلاحاً واستصواباً وکفی باللہ شہیداً (مرجع سابق: ورق ۱۲/ب)

(۴۳)

تحریر اجمالی وتفصیلی آں سرامد علمائے عصر را در باب امتناع ذاتی کذب او سبحانہ وہم تحریر بعضی از احباب عالی جناب بوقت فرصت ملاحظہ کردم، دلائلے کہ بر اثبات آں مدعا آوردہ اند بوعلی کہ رئیس الفلاسفہ وشیخ المشائیہ است بہتر از آں نتواند نوشت۔ مگر حضرت غور فرمائند کہ......(سابق: ورق ۱۵/الف)

☆☆☆

مراجع ومصادر

(عربی)

(۱) ازاحۃ اوھام الغفول عن کلام امام المعقول: **معین الدین اجمیری**، جید برقی پریس دہلی، ۱۳۴۲ھ

(۲) ازاحۃ شبھات الشادی: **معین الدین اجمیری**، مطبع مفید عام لاہور، ۱۳۲۵ھ

(۳) التحفۃ العلمیۃ حاشیۃ الھدیۃ السعیدیۃ: **عبداللہ بلگرامی**، مجلس البرکات، مبارکپور، ۲۰۰۱ء

(۴) دیوان فضل الحق الخیرآبادی دراسۃ و تحقیق: **سلمہ سیہول** (غیر مطبوعہ)

(۵) الظفر الحامدی: **فضل حق رامپوری**، مطبع سعیدی رامپور، ۱۳۲۴ھ

(۶) العلامۃ فضل حق الخیرآبادی حیاتہ و مآثرہ: **قمر النساء بیگم**، مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۸۶ء

(۷) العلامۃ محمد فضل الحق الخیر آبادی، حیاتہ و شعرہ العربی: **ممتاز احمد سدیدی** (غیر مطبوعہ)

(۸) لواء الھدیٰ: **غلام یحییٰ بہاری**، مطبع نجم العلوم لکھنؤ، ۱۳۱۱ھ

(۹) مصباح الد جیٰ: **عبدالحی فرنگی محلی**، مطبع نجم العلوم لکھنؤ، ۱۳۱۱ھ

(۱۰) المعتقد المنتقد: **فضل رسول بدایونی**، مطبع اہل سنت پٹنہ، ۱۳۲۱ھ

(۱۱) منتھی المقال: **صدر الدین آزردہ**، شرف المطابع دہلی ۱۲۶۸ھ

(۱۲) نزھۃ الخواطر: **حکیم عبدالحی رائے بریلوی**، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۹۲ء

(۱۳) نور العین فی ذکر مولد النبی وشہادۃ الحسین: **قلندر علی زبیری پانی پتی**، مطبع ناصری دہلی ۱۲۸۱ھ

(۱۴) الیانع الجنی: **محسن ترہتی**، مطبع صدیقی بریلی، ۱۲۸۷ھ

(فارسی)

(۱) امتناع النظیر: **فضل حق خیرآبادی**، جادو پریس، جونپور، ۱۹۰۸ء

(۲) تحریر مفتی صدر الدین آزردہ درمسئلہ امتناع وامکان نظیر: مشمولہ ایضاح الحق الصریح، از ص ۱۵۰ / تا ۱۵۸ /، مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۷ھ

(۳) تحفۂ فیض: **عبدالقادر بدایونی**، فخر المطابع میرٹھ، سنہ ندارد

(۴) فتویٰ تکفیر حیدر علی ٹونکی: مشمولہ تحقیق الفتویٰ از ص ۲۵۲ / تا ۲۷۰ / دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی، ۱۹۸۲ء

(۵) مناقب حافظیہ: **ہادی علی خاں چشتی**، مطبع احمدی کانپور، ۱۳۰۵ھ

(۶) یک روزی: **اسماعیل دہلوی**، مشمولہ ایضاح الحق الصریح، از ص ۱۳۷ / تا ۱۵۰ / مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۷ھ

(اردو)

(۱) آثارالصنادید: سرسید احمد خاں مرتبہ خلیق انجم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان دہلی ۲۰۰۳ء

(۲) آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی: مرتبہ عبدالرزاق ملیح آبادی، طبع اول دہلی، ۱۹۵۸ء

(۳) احوال ومقامات: محمد عبدالہادی قادری، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۰۹ء

(۴) احوال ومقامات (قدیم): محمد عبدالہادی قادری، مطبوعہ حیدرآباد، ۱۹۹۱ء

(۵) ارواح ثلاثہ: اشرف علی تھانوی، مرتبہ ظہورالحسن کسولوی، کتب خانہ امدادالغربا سہارنپور سنہ ندارد

(۶) افادات ترابیہ: محمد تراب علی خانپوری، میرٹھ، ۱۸۶۹ء

(۷) فادات صمدیہ: عبدالصمد سہسوانی، مطبع الٰہی آگرہ،

(۸) اکمل التاریخ: محمد یعقوب ضیاءالقادری، مطبع قادری بدایوں، ۱۹۱۵ء

(۹) امتیاز حق: راجا غلام محمد، المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۹۸۸ء، طبع چہارم

(۱۰) باغی ہندوستان: عبدالشاہد خاں شیروانی، المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۹۸۵ء

(۱۱) برصغیر پاک وہند کے چند تاریخی حقائق: محمد تنزیل صدیق حسینی، دارالفکر کراچی ۲۰۰۸ء

(۱۲) برصغیر کے علمائے معقولات اوران کی تصنیفات: عبدالسلام خاں، خدابخش لائبریری پٹنہ ۱۹۹۶ء

(۱۳) تاج الفحول نمبر، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں ۱۹۹۹ء

(۱۴) تجلیات مہرانور: شاہ حسین گردیزی، مکتبہ مہریہ گولڑہ شریف، ۱۹۹۲ء

(۱۵) تحقیق الفتویٰ: فضل حق خیرآبادی، مترجم عبدالحکیم شرف قادری دائرۃ المعارف الامجدیہ گھوسی، ۱۹۸۲ء

(۱۶) تذکرہ علمائے اہل سنت: محمود احمد قادری، کانپور ۱۳۹۱ھ

(۱۷) تذکرہ علمائے ہند: رحمان علی، ترجمہ ایوب قادری، مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ء

(۱۸) تذکرہ غوثیہ: شاہ گل حسن قادری، رزاقی مشین پریس حیدرآباد، ۱۹۴۶ء

(۱۹) تذکرہ کامل: سید فرقان وحید ہاشمی، مکتبہ صمدیہ پھپھوند ضلع اوریا، ۱۹۹۵ء

(۲۰) تذکرہ کاملان رامپور: احمد علی شوق، خدابخش لائبریری پٹنہ، ۱۹۸۶ء

(۲۱) تقویت الایمان: محمد اسماعیل دہلوی، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند

(۲۲) تلخیص الحق: فضل رسول بدایونی، مطبع حسنی، ۱۲۷۰ھ

(۲۳) حیات شبلی: سید سلیمان ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء طبع چہارم

(۲۴) حیات صدرالشریعہ: عبدالمنان اعظمی، رضا اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۱ء

(۲۵) حیات العلما: سید عبدالباقی سہسوانی، قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی ۲۰۱۰ء

(۲۶) حیات مولانا حکیم سید برکات احمد: مناظراحسن گیلانی، برکات اکیڈمی کراچی، ۲۰۰۴ء

(۲۷) خمیازۂ حیات: محمد عبدالہادی قادری، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۲۰۰۹ء
(۲۸) خیرآباد کی ایک جھلک: نجم الحسن خیرآبادی، نامی پریس لکھنؤ، ۱۹۶۹ء
(۲۹) دربار عرس شریف: ضیاء القادری بدایونی، نظامی پریس بدایوں، ۱۳۲۷ھ
(۳۰) سفر اور تلاش: محمود احمد برکاتی، مجلس مطبوعات وتحقیقات اردو کراچی، سنہ ندارد
(۳۱) سوانح احمدی: جعفر تھانیسری، بلالی اسٹیم پریس، ساڈھورا ضلع انبالہ، باردوم سنہ ندارد
(۳۲) سید سلیمان اشرف بہاری حیات وکارنامے: محمد علی اعظم خاں، رضوی کتاب گھر دہلی، ۲۰۰۹ء
(۳۳) سیف الجبار: فضل رسول بدایونی، مطبع صبح صادق سیتاپور، ۱۲۹۲ھ
(۳۴) صیانة الاناس: حیدر علی ٹونکی، فخر المطابع دہلی، ۱۲۷۰ھ
(۳۵) علامہ محمد فضل حق خیرآبادی: سلمہ سیہول، مکتبہ قادریہ لاہور، ۲۰۰۱ء
(۳۶) علمائے ہند کا شاندار ماضی: سید محمد میاں، جمعیت پبلی کیشنز لاہور
(۳۷) غالب اور ابوالکلام: مرتبہ عتیق صدیقی مکتبہ شاہراہ دہلی
(۳۸) غالب اور بدایوں: شمس بدایونی، غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی، اول ۲۰۱۰ء
(۳۹) غالب اور ہماری تحریک آزادی: شمیم طارق، ممبئی، باردوم ۲۰۰۷ء
(۴۰) فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون: محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء
(۴۱) فوز المؤمنین: فضل رسول بدایونی، مطبع مفید الخلائق دہلی، ۱۲۶۸ھ
(۴۲) کلیات راغب: مرتب وناشر طیب بخش بدایونی، بدایوں ۱۹۸۴ء
(۴۳) مشاہدہ حافظی: نذر محمد خاں خیرآبادی، نظامی پریس لکھنؤ ۱۳۵۴ھ
(۴۴) ملفوظ مصابیح القلوب: ظہیر السجاد چشتی، انتظامی پریس کانپور، ۱۹۵۷ء
(۴۵) مناظرہ صمدیہ: مرتبہ نعمان احمد، اودھ پریس ۱۲۹۰ھ
(۴۶) مولانا حکیم سید برکات احمد سیرت اور علوم: محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء
(۴۷) مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت: محمود احمد برکاتی برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء
(۴۸) مولانا معین الدین اجمیری کردار وافکار: محمود احمد برکاتی برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء
(۴۹) مولود منظوم: فضل رسول بدایونی، مرتبہ اسید الحق قادری، تاج الفحول اکیڈمی بدایوں ۲۰۰۹ء
(۵۰) نواب صدیق حسن خاں: رضیہ حامد، باب العلم پبلی کیشنز دہلی طبع دوم، ۱۹۹۸ء
(۵۱) یوم فضیلت: ظہیر السجاد چشتی مشمولہ ملفوظ مصابیح القلوب، انتظامی پریس کانپور، ۱۹۵۷ء

(مقالات ومضامین)

(۱) علمائے خیرآباد وبدایوں کے روابط: حکیم محمود احمد برکاتی، تاج الفحول نمبر ماہنامہ مظہر حق بدایوں، ج ۱ رشمارہ ۸، ۱۹۹۹ء
(۲) فضل حق، فضل رسول اور آزردہ: اسید الحق قادری، ماہنامہ جام نور دہلی دسمبر ۲۰۱۰ء

(۳) مولانا فضل حق خیرآبادی دور ملازمت: ڈاکٹر ایوب قادری، مشمولہ مولانا فضل حق خیرآبادی ایک تحقیقی مطالعہ: مرتب افضل حق قریشی، ناشر الفیصل لاہور ۱۹۹۲ء

(۴) مولانا معین الدین اجمیری حیات ونظریات: نجم الحسن خیرآبادی، مشمولہ مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت، مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء

(۵) نقوش وتأثرات: محمد اسرائیل پشاوری، مشمولہ مولانا معین الدین اجمیری تلامذہ کا خراج عقیدت، مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی، برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۵ء

(قلمی)

(۱) تفسیر طیبات بینات: رقیہ بنت عبدالحق خیرآبادی (کتب خانہ خانقاہ صمدیہ پھپھوند شریف)

(۲) رسالہ سعداللہ مرادآبادی در جواب مولوی سراج الدین

(۳) رسالہ سلطان حسن بریلوی در جواب سعداللہ مرادآبادی

(۴) رسالہ فدا حسین در جواب عبدالحق خیرآبادی

(۵) رسالہ فضل رسول بدایونی در تردید سید حیدر علی ٹونکی

(۶) رسالہ فیض الحسن سہارنپوری در جواب سعداللہ مرادآبادی

(۷) رسالہ محمد سراج الدین برحواشی سعداللہ مرادآبادی

(۸) رسالہ محمد سراج الدین در جواب الجواب سعداللہ مرادآبادی

(۹) رسالہ نامعلوم المصنف در جواب سعداللہ مرادآبادی

(۱۰) رسالہ نامعلوم المصنف در جواب سعداللہ مرادآبادی

(۱۱) رسالہ ہدایت علی بریلوی در جواب سعداللہ مرادآبادی

(۱۲) روداد مباحثہ اول فضل حق خیرآبادی و سعداللہ مرادآبادی

(۱۳) روداد مباحثہ دوم فضل حق خیرآبادی و سعداللہ مرادآبادی

(۱۴) شبہ لزوم لزومات اعتباریہ فی العقول المجردہ (رضا لائبریری رامپور)

(۱۵) فتویٰ تکفیر سید حیدر علی ٹونکی

(۱۶) مجموعہ قصائد علامہ فضل حق خیرآبادی

(۱۷) مجموعہ مکاتیب فضل حق، فضل رسول، آزردہ

(نمبر ۱ اور نمبر ۱۴ کے علاوہ باقی سب رسائل کتب خانہ قادریہ بدایوں موجود ہیں)

☆☆☆

مصنف ایک نظر میں

نام: اسید الحق محمد عاصم قادری

پیدائش: مولوی محلّہ بدایوں (یو پی) ۲۳؍ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ/ ۶؍مئی ۱۹۷۵ء

والد گرامی: حضرت شیخ عبد الحمید محمد سالم قادری

جد محترم: حضرت مفتی عبد القدیر قادری بدایونی ابن تاج الفحول مولانا عبد القادر قادری بدایونی ابن مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی

تعلیم: (۱) حفظ قرآن

(۲) فاضل درس نظامی

(۳) الاجازۃ العالیۃ، شعبۂ تفسیر وعلوم قرآن، جامعۃ الازہر الشریف مصر

(۴) تخصص فی الافتاء، دار الافتاء المصریۃ قاہرہ، مصر

(۵) ایم۔اے (علوم اسلامیہ) جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی

مشغلہ: تدریس، تبلیغ، تحقیق، تصنیف

خادم التدریس مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں

ڈائرکٹر الازہر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز بدایوں

قلمی خدمات

تقریباً پچاس سے زیادہ مقالات ومضامین ہندو پاک کے مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں:

تصانیف

(۱) حدیث افتراق امت تحقیقی مطالعہ کی روشنی میں (مطبوعہ)

(۲) قرآن کریم کی سائنسی تفسیر ایک تنقیدی مطالعہ (مطبوعہ)

(۳) احادیث قدسیہ: اردو، ہندی، انگلش، گجراتی (مطبوعہ)

(۴) اسلام، جہاد اور دہشت گردی

(۵) اسلام اور خدمت خلق

(۶) جدید عربی محاورات وتعبیرات (مطبوعہ)

(۷) تحقیق و تفہیم: مجموعۂ مقالات (مطبوعہ)

(۸) خامہ تلاشی: تنقیدی مضامین (مطبوعہ)

(۹) اسلام ایک تعارف: (مطبوعہ) انگلش، ہندی، مراٹھی

(۱۰) خیرآبادیات (مطبوعہ)

ترتیب وتقدیم

(۱۱) تذکرۂ ماجد (مطبوعہ)

(۱۲) خطبات صدارت: مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۱۳) مثنوی غوثیہ: مولانا مفتی عبدالقدیر قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۱۴) علوم حدیث (مطبوعہ)

(۱۵) مولانا فیض احمد بدایونی: پروفیسر محمد ایوب قادری (مطبوعہ)

(۱۶) ملت اسلامیہ کا ماضی، حال، مستقبل: مولانا حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۱۷) نگارشات محبّ احمد: مولانا محبّ احمد قادری بدایونی (مطبوعہ)

(۱۸) باقیات ہادی: مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی (مطبوعہ)

(۱۹) احوال ومقامات: مولانا محمد عبدالہادی القادری بدایونی (مطبوعہ)

(۲۰) مولود منظوم مع انتخاب نعت ومناقب: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۲۱) مفتی لطف بدایونی شخصیت اور شاعری (مطبوعہ)

ترجمہ، تخریج، تحقیق (عربی سے)

(۲۲) مناصحة فی تحقیق مسائل المصافحة مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)

(۲۳) الکلام السدید فی تحریر الاسانید مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)

ترجمہ، تخریج، تحقیق (فارسی سے)

(۲۴) احقاق حق: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۲۵) اکمال فی بحث شد الرحال: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۲۶) حرز معظم: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۲۷) اختلافی مسائل پر تاریخی فتویٰ: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

(۲۸) مکاتیب فضل رسول: مولانا فضل رسول بدایونی

(۲۹) ردروافض: مولانا عبدالقادر بدایونی (مطبوعہ)

(۳۰) تحفۂ فیض: مولانا عبدالقادر بدایونی

تسہیل و تخریج

(۳۱) عقیدۂ شفاعت: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ) اردو، ہندی، گجراتی

(۳۲) طوالع الانوار (تذکرۂ فضل رسول): مولانا انوار الحق عثمانی بدایونی (مطبوعہ)

(۳۳) فصل الخطاب: مولانا فضل رسول بدایونی (مطبوعہ)

☆☆☆